تلقین و ارشاد، خطباتِ عارفانہ
تاجُ العلمآء والعرفآ، نائبِ غوثُ الورآء، شیخ المشائخ
امیرُ العصر حضرت خواجہ مُحمّد بشیر عبّاسی قادری قُدس سرّہُ العزیز
بحرُ الحقائق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تلقین وارشاد، خطباتِ عارفانہ

تاج العلماء والعرفاء، نائبِ غوث الوریٰ شیخ المشائخ

امیر العصر حضرت خواجہ محمد بشیر عباسی قادری

صاحبِ مسندِ ارشاد

درگاہِ معلّٰی غوث العصر حضرت خواجہ محمد عمر عباسی قادری قدس اللہ سرہٗ، بازار خراداں گوجرانوالہ پاکستان

بحر الحقائق

تسوید و ترتیب

پروفیسر نصرت طاہرہ

پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج بھوپال والا ضلع سیالکوٹ

والعصر پبلیکیشنز

ناشر	صاحبزادہ شبیر احمد کمال عباسی
اشاعت اوّل	۲۰۱۲ء
تعداد	۵۰۰
سرِ ورق	محمد ارشد سلیم قادری
کمپوزنگ	جواد احمد قادری
ادارہ	والعصر پبلی کیشنز (شعبہ نشر واشاعت)
مقامِ اشاعت	درگاہِ معلٰی غوث العصر حضرت خواجہ محمد عمر عباسی قادریؒ بازار خراداں۔ گوجرانوالہ (پاکستان)
قیمت	

بحرالحقائق

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد
كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
إنك حميد مجيد
اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد
كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
إنك حميد مجيد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلاَمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ الصۡطَفٰی

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود   گرچہ حلقوم عبداللہ بود

بے حد حمد وثنا اُس ذاتِ لم یزل سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں جو حکیمِ مطلق ہے اور جس کے قبضۂ قدرت میں ہی سب کچھ ہے کہ جس کو چاہے عطا فرمائے اور جتنا چاہے عطا کرے اور جو چاہے نوازے۔ اَن گنت درود وسلام بحضورِ رحمتِ عالمین سید المرسلین خاتم النبیین سیّد المشتاقین کہ جن پر وحی تمام ہوئی اور جو منبعِ علوم وحکمت، معدنِ جود وکرم، ساقیٔ فضل وعطا ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آلِ کریمؑ اور اصحابِ عظامؓ پر جو اُمتِ محمدیہؐ کے لئے محکم ترین وسیلۂ رشد وہدایت ہیں اور بے حد سلام ونیاز صدیقین، صالحین اور علمائے حق پر جو وارثین انبیاء اور فیضِ رسالت کے امین ہیں اور جن کو منصبِ رُشد وہدٰی زیبا ہے۔

○

اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات پر نبوت ورسالت تمام فرمادی اور دینِ مبین کی تکمیل کے بعد وحی کا دروازہ بند کر دیا۔ مگر بنورِ فیضِ رسالت، ولایت، الہام اور پند ونصائح کا تسلسل ابد الاباد تک جاری فرما دیا، تاکہ راہ گم کردہ، بادیۂ گمراہی میں غرق، وساوس وشہوات میں منہمک تذکیر وتنبیہ پاتے رہیں اور اہلِ ایمان حقائق ومعارفِ کتاب وسُنہ اور طریقِ حقہ سے آگاہ ہوتے رہیں تاکہ ضرورتِ تزکیہ اور تقرب کا حصول جاری رہے۔ اسی لئے اہلِ ولایت کو اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے سعادت بخشی جاتی ہے یہ اہلِ وِلایت صاحبانِ منصبِ رُشد وہدایت ہوتے ہیں اور تلقین وارشاد انہی کے شانِ شایاں ہوتا ہے۔ اِنہی صاحبانِ منصبِ دعوت وارشاد کو ذاتِ وحدہٗ لاشریک القوی المقتدر المعطی اپنے فضل سے انعامات نوازتا ہے۔ اِسی لئے یہ گروہ ''انعمت'' ہے۔ اِن انعاماتِ خاص میں ''علمِ لدّنی'' انعامِ خاص اور نعمتِ اعلیٰ ہے جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام کے حق میں فرمایا

وَعَلَّمۡنٰہُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡماً (الکہف، آیت ۶۵)

(اور ہم نے اس کو لدّنی علم سکھایا)

حُجۃ الاسلام والتصوف حضرت امام غزالیؒ اپنی تصنیفِ لطیف ''علمِ لدنی'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''جو لوگ مرتبہ علمِ لدّنی حاصل کر لیتے ہیں وہ کثرتِ تحصیل، مشقت تعلیم

سے مستغنی ہو جاتے ہیں۔ تھوڑا سیکھتے ہیں اور زیادہ جانتے ہیں۔"

حضرتِ امام مزید وضاحت فرماتے ہیں کہ

"علمِ لدنی سے حکمت کی حقیقت ہے اور صاحبِ حکمت ہی "حکیم" ہوتا ہے۔ حکمت ایک خداداد چیز ہے جیسا کہ فرمانِ حق تعالیٰ ہے "يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ أُولُوا الْاَلْبَابِ" (البقرہ،۲۶۹) (جس کو چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جس کو حکمت عطا ہو جائے اس کو خیرِ کثیر عطا ہو گئی اور صرف اربابِ عقل و دانش ہی سمجھ سکتے ہیں)

○

یہی "حکمت"، تلقین وارشاد اور دعوت و تبلیغ کی بنیاد ہے اور اِسی اسلوب کو قرآنِ حکیم فرقانِ مجید میں اِس طرح واضح فرمایا ہے۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

(النحل، آیت ۱۲۵)

(اپنے رب کی طرف بلائیے، حکمت و نصیحت حسنہ کے ساتھ)

اس لئے بغیر "حکمت" یہ فریضہ محض علمِ ظاہر کے زور یا سطحی معلومات کی بنیاد پر انجام نہیں دیا جا سکتا۔ جبکہ "حکمت"، مشروط "علمِ لدنی" سے ہے اور یہ محض فضلِ الٰہی اور انعام خداوندی ہے۔ جس کے نصیب میں عطا ہو جائے۔

○

ہمیں اس حقیقت کا بھی اعتراف کرنا پڑے گا کہ جتنی ضعیف دعوتِ دین ہو، اتنا ہی ضعیف معیار مسلمانی اور معاشرتِ اسلامیہ ہوگی۔ عہد حاضر کے تناظر میں اگر دیکھا جائے تو عہدِ رفتہ میں ابلاغ کی کمی کے باوجود معیاراتِ اسلامیہ سر بلند تھا۔ مگر آج بے انتہا ذرائع ابلاغ ہیں اور بے حد دعوت و تبلیغ ہونے کے باوجود مسلمانی زوال پذیر ہے اور ملتِ اسلامیہ فتنوں سے بھری پڑی ہے۔ جبکہ دعوت و تبلیغ، انقلاب حقیقی اور تشکیل و تطہیر انسانی کے لئے اُسی سُنّتِ مبارکہ اور طریقِ مصطفوی کو پیشِ نظر رکھنا پڑے گا۔

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

(الجمعہ، آیت ۲)

(وہ (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) تلاوت کرتے ہیں ان پر اس کی آیات اور انکا تزکیہ کرتے ہیں اور انکو کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں)

یعنی محض ابلاغ و تبلیغ دین دعوت ہے اور دعوت اپنے دامن میں ایک مقصدیت رکھتی ہے اور وہ مقصد "تزکیہ" ہے، دل کا انقلاب ہے اور باطن کا اقتدار ہے اور یہ صرف اور صرف اہلِ نظر کی نگاہ کا کرشمہ ہے۔ بقولِ اقبالؒ ۔

تیرا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

اور اگر دعوت و تبلیغ قلب و باطن کی اصلاح و تطہیر نہ کرے تو ایک سوالیہ نشان کے علاوہ کچھ نہیں:

علم کا مقصود ہے پاکئی عقل و خرد

فقر کا مقصود ہے عفتِ قلب و نگاہ

گویا یہ منصب زیبا ہی ان ہستیوں کو ہے کہ جو علمِ ظاہر و باطن سے مزین، زُہد و ورع میں یکتا، ریاضت و صداقت میں یگانہ، لسان العصر، صاحبِ نظر اور دُعائے مستجاب رکھتے ہوں۔ اور فیضِ رسالت کے امین ہوں۔ یہی حق آگاہ و حق شناس، حکمت و دانائی، توجہ و تصرف، تاثر و تاثیر، حال و احوال سے مالا مال ''نعمت'' کا اعزاز رکھتے ہیں اور مامور من اللہ علی الخلق ہوتے ہیں۔ یہی صراطِ مستقیم کی حقیقتوں کو آشکار کرتے ہیں۔

انہی اولوالامر دانا و حکیم ہستیوں میں شیخ العلماء العارفین، بُرہان العاشقین، قدوۃ الواصلین امیر العصر حضرت خواجہ میاں محمد بشیر قدس سرہٗ العزیز (۱۹۲۱ء/۱۹۸۵ء) ہیں۔ جنہوں نے باقاعدہ طور پر کسی دینی مدرسہ سے درسِ نظامی تو نہیں کی ہوئی تھی مگر اُنکی درسگاہ باب العلم سے ہوتی ہوئی شہرِ مدینہ تھی۔ ۴۳ سال اپنے اسلاف واجداد کی مسندِ رشد و ہدایت کو زینت بخشی اور دین و فقر کی خدمات کے حوالے سے وہ تاریخ رقم کی جو آئمہ اسلاف واجداد کی مظہرِ کامل اور آئینہ دار ہے جسکی تفصیل اور اسلوب و حقائق بیان کرنا اس مختصر مضمون میں ممکن نہ ہے۔

حضرت خواجہؒ فرماتے ہیں (یہ آپکی تصنیف لطیف سیرۃ الفقراء حصہ چہارم میں آپ ہی کی قلمِ مبارک سے رقم ہے) کہ حضور سرکارِ عالیہ (مخدوم العصر حضرت خواجہ محمد کریم اللہ نور اللہ مرقدہٗ) اپنے وصال سے قبل چند ماہ علیل رہے اور دورانِ علالت مجھے لاہور سے بُلوا بھیجا۔ اُن دنوں میں دیال سنگھ کالج لاہور میں زیرِ تعلیم تھا۔ قاصد نے پیغام دیا تو میں فوراً حاضرِ خدمت ہو گیا اور آپکی خدمت کی سعادت حاصل کرنے لگا۔ اسی دوران مجھے شرفِ بیعت عطا ہوا۔ نہایت ہی قلیل وقت میں مجھے تمام مقاماتِ فقر و ولایت نوازے اور فرمایا کہ یہ نوازش اسی لئے کی ہے کہ اس وقت میرے اجداد و اسلاف کے بڑے بڑے مقتدر اصحاب حیات ہیں۔ اُنہوں نے مزید روحانی راہنمائی کے لئے تمہاری طرف رجوع کرنا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اُن کی دستگیری نہ کر سکو۔ پھر ایک شب مجھے فرمایا کہ میری کُتب میں سے فقہ کی فلاں کتاب لاؤ۔ میں نے وہ کتاب تلاش کر کے پیشِ خدمت کی جو عربی میں تھی فرمایا پڑھو، میں پڑھنے لگا اور ایک صفحہ مکمل کیا ہی تھا تو فرمان ہوا اسے رکھ آؤ، ہم نے تمہیں جو پڑھانا تھا پڑھا دیا۔

مزید فرماتے ہیں کہ جب یہ لطف و عنایت ہوئی تو مجھ پر ایسی حالت طاری رہنے لگی کہ جس کا بیان ممکن نہیں۔ مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ میں تمام علوم و فنون پڑھ چکا ہوں اور ایک بحرِ بے کنار میرے سامنے موجزن تھا۔ اسکے بعد مجھے کبھی شریعت، طریقت، حقیقت و معرفت کے کسی مسئلے میں دقت نہیں آئی۔ اور میرا حافظہ اتنا قوی ہو گیا تھا کہ میں جو بھی کتاب ایک مرتبہ پڑھتا مجھے حفظ ہو جاتی۔ اور جب تقریباً بیس سال کی عمر میں آپ اپنے اجداد کے مسند نشین ہوئے تو آپکی وجاہت و ہمت، ریاضت و شجاعت، دانائی و حکمت، تدبر و تفکر، حلم و اخلاق، دسترسِ فقر، مزاجِ شرع و طریق، اندازِ عاشقانہ، اسلوبِ عارفانہ، رنگِ واصلانہ نے منصبِ رُشد و ہدایت کو اپنے

اسلاف واجداد کے شایانِ شان لا کھڑا کیا اور علوم وفنون کے جواہر، حقائق و معارف کے چشمے نگاہ وفیض کے کرشمے اور تلقین وارشاد کا بحر اپنی پوری جولانی کے ساتھ رواں دواں ہوا۔

○

آپؒ کا اندازِ گفتگو، طریقِ تلقین وارشاد، اسلوبِ خطباتِ عالیہ، شریعت وطریقت کا پیکر، معارف وحقیقت کا مخزن، ظاہر و باطن کا راہنما، حکمت ودانائی کا معدن رنگِ جداگانہ رکھتا تھا۔ علوم وفنون جدید ہوں یا قدیم، دینی ہوں یا روحانی، دنیاوی ہوں یا معاشرتی غرضیکہ سامع پر ان کا غلبۂ حیرت ہوتا کہ اسے اِس حوالے سے مزید کسی راہنمائی کی کبھی ضرورت ہی نہ پڑتی اور کسی عالم وفاضل اور عارف کو آپؒ کے روبرو جراُتِ کلام نہ ہوتی۔ آپؒ کے تلقین وارشاد اور دعوت وابلاغ کے محاسن، آداب، اسلوب اور خدمات کے رقم کرنے کو ایک علیحدہ بات درکار ہے۔ مگر پیشِ نظر خطبات ''بحرالحقائق'' کے حوالے سے یہ واضح کر دینا برمحل ہے کہ خواہ کتنا دقیق ولطیف موضوع ہو آپؒ ہمیشہ قرآن وحدیث کی بنیاد پر اسے واضح فرماتے۔ عموماً زیادہ تر آپؒ کے موضوعات مختلف پہلوؤں سے ''یادِ حق''، ''عظمت وعشقِ مصطفیٰ ﷺ'' اور ''تشکیلِ انسانی'' ہوا کرتے۔ اس لئے بعض خطبات میں ضمناً بعض مسائل بصورتِ دیگر دہرائے گئے ہیں جو صوفیائے کرام کا اندازِ گفتگو اور اسلوبِ تلقین وارشاد ہے۔

○

خوش نصیب ہیں وہ جنہیں آپؒ کی صحبتِ مبارک میں مواقع نصیب ہوئے وہ آج بھی اُن جلوؤں، اُس نگاہِ فیضِ رساں اور اُس کلامِ حقیقت ترجمان کو ترستے ہیں۔ اِسی طلب کے پیشِ نظر فقیر کی کوشش رہی کہ آپؒ کے خطباتِ عارفانہ میسر آسکیں۔ نصیب نے یاوری کی تو آپؒ کے احباب سے کچھ آڈیو ریکارڈنگ حاصل ہو گئیں۔ جس کے تحریر کرنے کی ابتدا سعی حافظ محمد عارف صاحب اور پروفیسر شہباز احمد الازہری صاحب نے کی (جو تا حال غیر مطبوعہ ومرتبہ ہیں) مگر باقاعدہ تحریری شکل میں لانے کی یہ سعادت پروفیسر نصرت طاہرہ صاحبہ کے حصے میں آئی اور کُندن لاہوری صاحب نے بڑی توجہ اور عرق ریزی سے اِن کی نظرِ ثانی کی۔ عربی عبارات کی نظرِ ثانی کا شرف پروفیسر محمد شہباز احمد الازہری صاحب اور حافظ محمد عمر صاحب کو نصیب ہوا جبکہ سرِ ورق، خطاطی اور طباعت کا اہتمام محمد ارشد سلیم قادری صاحب کے حصے آیا۔ میں ان تمام احباب کا مشکور ہوں کہ جن کی کوششوں سے یہ گنجِ گراں مایہ ہمارے ہاتھ آیا۔ جو آپؒ کے احباب کے لئے بالخصوص ایسا خزانہ ہے کہ اُن کے عہدِ رفتہ کی یادیں اور صحبتیں پھر سے تازہ وتابندہ ہو جائیں گی اور موجودہ اور آنے والے ادوار اس گنجینۂ علم وحکمت سے فیض یاب ہوتے رہیں گے (انشاءاللہ العزیز) اسی لئے اس مُرقع کا نام فقیر نے ''بحرالحقائق'' تجویز کیا ہے۔

طالبِ نگاہِ لُطف وعنایت

پیش کار

صاحبزادہ شبیر احمد کمال عباسی

سجادہ نشین

درگاہ معلیٰ غوث العصر حضرت خواجہ محمد عمر قدس سرہٗ العزیز

گوجرانوالہ شریف، پاکستان

۲ جمادی الاول ۱۴۳۳ھ

۲۴ مارچ ۲۰۱۲ء

گوجرانوالہ شہر

مدارجِ ذکر اللّٰہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ قَدْجَآءَ کُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌوَّ کِتَابٌ مُّبِیْنٌ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًاوَّ دَاعِیاً اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَاجاً مُّنِیْراًوَّ نَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰینَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَمَّا بَعْدَ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ کَلَامِہٖ الْقَدِیْمِ قُرْآنِ الْعَظِیْمِ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ **فَاذْ کُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَاتَکْفُرُوْنَ** اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰینَا مُحَمَّدٍوَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ اِلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَعَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَاحَبِیْبَ اللّٰہِ۔

اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور ہدیۂ درود وسلام پیش کرنے کے بعد آپ کے سامنے پہلے پارے کی آیت تلاوت کی گئی ہے۔

فَاذْ کُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَاتَکْفُرُوْنِ

(البقرۃ، آیت ۱۵۲)

ارشادِ حق تعالیٰ ہے کہ پس تم میرا ذکر کرو، میں تمہارا ذکر کروں گا،
جب میں ذکر کروں تو میرا شکر کرو اور ناشکری نہ کرو۔

سرکارِ عالیہ (مخدوم العصر حضرت خواجہ محمد کریم اللہ) رحمۃ اللہ علیہ جن کا آج عرسِ پاک ہے، ان کی کہی ہوئی ایک نعت ابھی آپ کے سامنے ماسٹر محمد حسین صاحب نے پیش کی، آپ کا کلام کثیر ہے، آپؒ کی ایک غزل میں بھی پیش کرنا چاہوں گا، فرماتے ہیں ۔

اللہ اللہ نام کیا ہے جان کا تعویذ ہے
اللہ اللہ دین کا ایمان کا تعویذ ہے

اَللّٰہُ ہے اسم ذاتی، باقی اسمائے صفات
یہ جہاں میں اک نرالی شان کا تعویذ ہے

ذکرِ اَللّٰہُ سے پیدا گرمیٔ سوزِ دروں
اور دردِ ہجر کے درمان کا تعویذ ہے

وِرد سے اس کے کدورت دل کی ہوجاتی ہے دور
دافعِ آلائشِ انسان کا تعویذ ہے

اور اس سے شیشۂ دل صورتِ شمس و قمر
معرفت کے نور کی پہچان کا تعویذ ہے

نفسِ خود کی معرفت ہے نورِ حق کی معرفت
یہ حصولِ دولتِ عرفان کا تعویذ ہے

اس سے شیطاں کے شر سے زندگی محفوظ ہے
یعنی حرزِ غلبۂ شیطان کا تعویذ ہے

ذاتِ واحد کُنتُ کنزاً مخفیًا تھی اے کریم
گوہرِ گنجینۂ فرقان کا تعویذ ہے

میں نے آپ کے سامنے (ذکرِ الٰہی کی تاکید میں) جو آیۂ کریمہ تلاوت کی ہے سو معلوم ہو کہ لفظ ''ذکر'' کے عربی زبان میں متعدد معانی ہیں اور اس کے مفاہیم میں بہت وسعت پائی جاتی ہے۔ ذکر، یادِ الٰہی کو بھی کہتے ہیں اور انسان کے یاد کرنے کو بھی۔ قرآنِ کریم کا بھی ایک نام ''ذکر'' ہے، ذکر ہر اس یادداشت کو بھی کہا جاتا ہے جس میں کسی کو یاد کرتے ہوئے الفاظ کا سہارا لیا گیا ہو۔ خود قرآن مجید میں لفظ ذکر متعدد معنوں میں وارد ہوتا ہے مثلاً خود قرآن کے لئے یہ لفظ یوں وارد ہوتا ہے:

اِنَّا نَحنُ نَزَّلنَا الذِّكرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر، آیت ۹)
(ہم نے ہی یہ کتاب (الذکر) نازل کی ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)

ایک اور مقام پر فرمایا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ لوگ بڑی اچھی طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں:

اَلَّذِینَ اٰتَینٰهُمُ الكِتٰبَ یَعرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعرِفُوْنَ اَبنَآءَ هُمُ اَلَّذِینَ خَسِرُوْا اَنفُسَهُمْ فَهُمْ لَایُؤْمِنُوْنَ

(انعام، آیت ۲۰)

(جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ لوگ رسول کو پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، جن لوگوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈالا ہے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے)

لیکن یہ لوگ اللہ کا ذکر اس طرح کرتے ہیں جس طرح اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے ہیں
لیکن یہاں وہ اذکار موضوعِ گفتگو نہیں جو یادِ الٰہی سے متعلق ہیں یعنی:

فَاذْکُرُوْنِیْ (میرا ذکر کرو)

یہاں خداوندِ کریم نے اپنی یاد کا حکم دیا ہے ''تم میرا ذکر کرو، میں تمہارا ذکر کروں گا''

وَاشْکُرُوْالِیْ وَلَا تَکْفُرُوْن
(میرا شکر کرو اور ناشکری نہ کرو)

اب ہم قرآنِ پاک میں دیکھتے ہیں کہ رب تعالیٰ کیا فرماتا ہے کہ کس طرح یاد کرو۔ سورہ مزمل میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلاً (مزمل، آیت ۸)

اپنے رب کے اسم کا ذکر کر، اور ساری دنیا اور ماسواء اللہ سے دھیان ہٹا کر صرف اسی کی طرف ہو جا۔ ربّ کے اسم کا ذکر کہا ہے، ربّ کا اسم کیا ہے؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اسم کیا ہے؟ اللّٰہُ

اللہ کا نام (قرآن میں) اللّٰـــہُ آیا ہے، یوں تو بعض بزرگوں نے اسمِ اعظم تین بتائے ہیں لیکن دراصل اسمِ اعظم اللّٰہُ ہی ہے۔

رحمٰن کو بھی اسمِ اعظم کہا گیا ہے، یا حیُ یا قیوم کو بھی اسمِ اعظم کہا گیا ہے اور اللّٰـــہُ کو بھی اسمِ اعظم کہا گیا ہے۔ اس بحث کی تفصیل کتب میں موجود ہے لیکن اسمِ اعظم ہمیشہ جامع صفات کا مالک ہوتا ہے، تمام صفات اس کے اندر موجود ہوتی ہیں مثلاً ''انسان'' ہے تو اس لفظ میں انسان کے تمام اعضاء شامل ہیں۔ انسانی لباس، مزاج اور کیفیت یہاں تک کہ عقل بھی شامل ہے۔ لفظ ''انسان'' میں اسکی تمام صفات متصوّر رہوں گی، ٹھیک اسی طرح خداوندِ کریم کا اسمِ اعظم تمام صفات پر حاوی ہوتا ہے گویا تمام صفات اس میں موجود ہوتی ہیں اسی لئے صفات کے ذکر کو ذکر نہیں بلکہ ''اوراد'' میں شامل کرتے ہیں۔ ذکر ذاتِ خداوندی کی یاد کو کہتے ہیں۔ اللّٰہُ ایسا اسمِ اعظم ہے جس کا ہر حرف خدا تعالیٰ کی یاد کو ثابت کرتا ہے، اور کوئی اسمِ اعظم ایسا نہیں ہے جس کے ہر حرف کو اگر جدا کر کے دیکھا جائے تو پھر بھی بامعنی طور پر ذاتِ خداوندی پر دلیل ہو۔ اللّٰـــــہُ کا الف الگ کر دیں تو ''لِلّٰہ'' رہ جائے گا۔ مزید اس میں سے پہلا ''ل'' الگ کر دیں تو لَہٗ ''اُسی کے لئے'' کے معنوں

میں بامعنی قرار پائے گا اور اگر دوسرا ''ل'' بھی الگ کر دیں تو ''ہُ'' وہی یعنی اللہ۔ ثابت ہوا کہ اللّٰہُ میں ہر حرف تنہا بھی ذاتِ خداوندی کا اظہار کرتا ہے۔ حق تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ بسم اللہ، اللہ کے نام سے، اللہ تعالیٰ کا اسم کیا ہے؟ اللّٰہُ۔ رحمٰن رحیم اسکی صفات ہیں:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ (مزمل، آیت ۸)

اپنے ربّ کے اسم کا ذکر کر، اللہ کا اسم ہے، اَللّٰہُ اَللّٰہُ اللّٰہ مراد ہے۔ اللہ ھُو بھی نہیں۔ بہت سے سلاسلِ طریقت قادری ہوں، چشتیہ و نقشبندی ہوں ان میں غلط العام کے مصداق اللہ ھُو کا ذکر رائج ہو چکا ہے حالانکہ قرآنِ پاک یا حدیث شریف کی بھی کسی کتاب میں اللہ کے نام کے ساتھ ھُو کی ضمیر کہیں بھی مرقوم نہیں ہے، جہاں بھی آپ دیکھیں گے اَللّٰہُ کی ضمیر ملے گی اَللّٰہُ کی ضمیر اللہ کے اسم کے ساتھ نہیں ہوتی (البتہ آیات میں ہ کے نیچے زیر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یا ہ کے اوپر زبر اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ہو سکتی ہے لیکن اللہ کی ہ کے اوپر نہ تو الٹی پیش ملے گی اور نہ اسمِ ذات کے ساتھ متصل ھُو ملے گی چنانچہ اللہ ھُو غلط ترکیب ہے)

اس طرح حال اور مستقبل کے صیغے ہیں، مستقبل کے صیغے دو ہوتے ہیں اور چودہ صیغے عربی زبان میں استعمال ہوتے ہیں۔ ''ھُوَ'' جو لفظ ہے اس کا معنی ہے ''وہ ایک شخص'' یا ''وہ ایک ذات'' ھُوَ واحد کے لئے ھُما دو کے لئے، دو عورتوں کے لئے ھُنَّا یعنی بہت سی عورتیں۔ ھُوَ واحد مذکر غائب صیغہ ہے جس کا مخفف ھُوْ ہوتا ہے۔ ھُوَ کا لفظ جب بھی قرآن پاک میں آئے گا، ساکن ہونے پر ھُوْ پڑھا جائے گا جیسے کہ اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ۔ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے بس وہی ہے کیوں کہ ''وَ'' گر جاتا ہے (ساکن ہونے پر اور زبر جزم میں بدل جاتی ہے) اس لئے ھُوْ پڑھیں گے، جب قرآن پاک کا مطالعہ کیجئے تو (ھُوَ متحرک ''وَ'' نزولِ وحی میں ہے صرف قاری حضرات جب آیت کو توڑ دیں گے تو ھُوَ، ھُوْ میں بدل دیں گے) ھُوَ یا ھُوْ دُور کے صیغے کے لئے مستعمل ہے جبکہ خداوندِ کریم دُور نہیں ہے اور نہ ہی غائب ہے۔ غائب وہ چیز ہے جو موجود نہ ہو۔ اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے:

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ (الحدید، آیت ۳)

(اللہ تعالیٰ اوّل بھی ہے اور آخر بھی، ظاہر بھی اور باطن بھی)

اللہ تعالیٰ باطن ہے ''غائب'' نہیں ہے، وہ فرماتا ہے کہ اوّل بھی میں ہوں، آخر بھی میں ہوں، ظاہر بھی میں ہوں باطن بھی میں ہوں، چھپا ہوا بھی مَیں ہوں، آنکھوں سے خواہ نظر نہ آئے لیکن وہ موجود ہے جبکہ غائب وہ چیز ہے جو موجود نہ ہو۔ خداوندِ کریم نے اپنے لئے غائب کا لفظ

استعمال نہیں کیا بلکہ ''باطن'' کالفظ استعمال کیا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ:

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ (سبا، آیت ۴۷)

اور وہ (اللہ) ہر چیز پر گواہ (حاضر ناظر) ہے

موجود ہے، ذرّے ذرّے میں موجود ہے تو پھر غائب کیونکر ہوا؟ وہ موجود ہے، حاضر ناظر ہے اور اگر سوال کیا جائے کہ یا اللہ تم دُور ہو کہ نزدیک؟ اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں فرماتا ہے، اگر میرے بندے پوچھیں تو فرما دیجئے:

اِنِّىْ قَرِيْبٌ (میں بہت نزدیک ہوں)

اور پھر یہ سوال کریں کہ یا مولیٰ! تم کسقدر قریب ہو؟ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (قٓ، آیت ۱۶)

(اور ہم تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں)

اور اگر مزید سوال کیا جائے کہ یا اللہ اگر تم رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہو تو یہ تو بتاؤ ہو کہاں؟ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ

(الحدید، آیت ۴)

(وہ (اللہ) تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی ہو اور اللہ سب کچھ دیکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو)

اور ساتھ وہ یہ بھی فرماتا ہے (اگر تم اسکی جہت معلوم کرنا چاہتے ہو) کہ:

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (البقرہ، آیت ۱۱۵)

(اور اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب، سو جدھر بھی تم رُخ کرو اُدھر ہی ہے رُخ اللہ کا، بے شک اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے)

یعنی تم جس طرف بھی دھیان کرو تمہیں اسی کا چہرہ نظر آئے گا القصّہ خداوند کریم کی ذات دور نہیں، غائب نہیں، اوجھل نہیں بلکہ قریب ہے، حاضر و ناظر ہے اور جو ذات موجود اور حاضر و ناظر ہو اسکے لئے غائب یا دور کی ضمیر نہیں آسکتی اس لئے صحیح ذکر ہے اَللّٰهُ ہمارے قبلۂ عالم (مخدوم العصر حضرت خواجہ محمد کریم اللہ) رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب (گنجِ عرفان) میں لکھا ہے:

الف۔ آکھناں ھُو ھُو عارفا وے دس تُد جائز۔کتھوں آیا سی
ھُو آکھناں سی اُس وقت تائیں غائب جان تھیں جدوں توں پایا سی
حاضر جان لیا جس وقت اُس نوں ھُو ھُو آکھناں روانہ آیا سی
عاشق ھُو ہیسی اوس وقت تائیں جدوں کُن نہ اوس فرمایا سی

(اے بندۂ خدا، ھُو ھُو کہنا تیرے لئے کیونکر درست اور جائز ہوسکتا ہے؟ وہ غائب نہیں دور نہیں بلکہ قریب ہے، ہاں تیرے لئے وہ ھُو اس وقت تک ہوسکتا تھا جب تک تو نے اس کو اپنی جان میں مشاہدہ نہ کیا، اگر دعویٰ معرفت کا ہے تو غور کر کہ جب تُو نے اپنی جان میں اُسے حاضر و موجود پالیا تو پھر تجھے ھُو ھُو کہنے پر بضد ہونا کیونکر درست ہوسکتا ہے۔ اے عاشق وہ اسی وقت تک ھُو (دور) کہلاسکتا تھا جب تک اس نے کُن کہہ کر کارخانۂ قدرت پیدا نہ کیا تھا)

اللہ تعالیٰ (ایک حدیث قدسی میں) فرماتا ہے:

كُنتُ كَنزاً مَخفِياً فَاَحبَبتُ اَن اُعرِفَ فَخَلَقتُ الْخَلقَ

(میں ایک چُھپا ہُوا خزانہ تھا، مجھے محبت ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں اس لئے میں نے مخلوق کو پیدا کیا)

خداوندِ کریم (الظّاہر بھی ہے کہ) تمام کائنات میں اسی کے افعال وصفات کا ظہور ہے لیکن اس نے اپنی ذات کو پوشیدہ کر رکھا ہے (سووہ الباطن بھی ہے) اور ہر ذرّے ذرّے میں اور ہر جگہ موجود ہے، کوئی جگہ کوئی مقام ایسا نہیں جہاں وہ موجود نہ ہو۔ جو شے مقیّد اور محصور و معذور ہو وہ خدا نہیں ہوسکتی۔ خداوندِ کریم انسان کے ہوش وحواس عقل وفکر، ادراک ہر حصار سے پاک اور منزّہ ہے چنانچہ ذاتِ الٰہی باطن ضرور ہے کہ انسان کی ظاہری آنکھیں اُسے دیکھتی نہیں ہیں لیکن وہ موجود ہے، خداوندِ کریم فرماتا ہے:

وَفِى الْاَرضِ آيٰتٌ لِلْمُوقِنِينَ وَفِىْ اَنفُسِكُمْ اَفَلَا تُبصِرُوْنَ (الذّریات، آیت ۲۰/۲۱)

(اور زمین میں اور تمہاری جانوں میں اسکی نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کیلئے تو تم اُسے کیوں نہیں دیکھتے)

ہر بندہ خداوندِ کریم کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا لیکن صاحبانِ یقین انسان جہاں بھی ہوں وہ زمین کے اطراف اور اپنے نفوس میں اُسکی نشانیاں مشاہدہ کرتے ہیں کیونکہ ہر وہ شے جو نشانی کے طور پر رکھی جائے گی جب بھی اس شے پر نظر پڑے گی اُس میں سے نشانی دینے والا نظر آجاتا ہے، عام زندگی کا مشاہدہ ہی لیجئے کہ کوئی دوست کسی دوسرے کو نشانی کے طور پر کوئی چیز دیتا ہے، اس کے ذریعے دوست کی یاد ہمیشہ سامنے رہے گی۔ اسکی تمام مخلوق جسے ہم عام محاورے میں غیر اللہ کہتے ہیں لیکن صاحبانِ یقین لوگوں کے لئے وہ خدا کی نشانیاں ہیں۔ اسی لئے خاص طور پر لِلْمُوْقِنِیْنَ کی تخصیص کی گئی ہے۔

آپ اس درخت کو دیکھئے، یہ غیر اللہ ہے، اسکی چھاؤں سے مستفید ہوتے ہیں، آپ اسکی لکڑی جلا سکتے ہیں، یہ ہر اعتبار سے مفید ہے، نعمتِ الٰہی ہے اس سے زیادہ اسکی کچھ حقیقت نہیں لیکن اگر آپ اس کو اللہ تعالیٰ کی ایک کامل صنعت اور نشانی کے طور پر مطالعہ کریں گے تو یہ جڑ سے لے کر پتّوں تک اپنے وجود میں کرشمۂ قدرت ہے (جس طرح باٹنی مطالعۂ نباتات کرتی ہے) مرحلہ وار اس کا تجزیہ کیجئے کہ کسطرح یہ جڑ میں سے نکلتا ہے، اسکی شاخیں بڑھتی اور پھیلتی ہیں، کیونکر اور کیسے برگ و ثمر اس پر آتے ہیں۔ اس کا ایک ایک پتّا اپنی ذات میں الگ الگ اکائی ہے، ہر پھل میں اسکی نشو ونما کا پورا نظام بیج کی صورت میں محفوظ ہے یوں اس ایک درخت کے ایک ایک حصّے میں ایک نئی دنیائے نباتات نظر آتی ہے۔ جب اس کو قدرتِ الٰہی کے قانونِ نمو کے تناظر میں خداوندِ کریم کی ایک نشانی کے طور پر دیکھیں اور سمجھنے کی کوشش کریں گے تو یہ ایک درخت بھی آپ کو خداوندِ کریم (کے عجائبات) کا ظہور نظر آنے لگے گا اور اس میں سے اس صانعِ کامل کی معرفت حاصل ہونا شروع ہو جائے گی لیکن معرفت کے حصول کے لئے ارتکاز اور یقین کا ہونا بڑا ضروری ہے۔ صاحبِ یقین انسان خدا کی مخلوق کو اس کے خالق کے تناظر میں نشانی سمجھتا ہے، خدا کا ظہور سمجھتا ہے اور اس کے معائنہ و مشاہدہ ہی سے خداوندِ کریم کی حقیقتِ خلاقی کو پہچان لیتا ہے۔

جب انسان اللہ ھُو کہے گا تو اس وقت اس کا پنجابی ترجمہ ''اوہ اللہ'' (وہ اللہ) ہوگا۔ ''وہ'' دور سمجھا جائے گا، الگ سمجھا جائے گا اور جب اَللّٰہُ کہے گا تو اس کا مطلب ہوگا ''یہ اللہ'' جو قریب، حاضر ناظر اور موجود ہے اس لئے جو شخص اللہ کو حاضر و ناظر نہیں سمجھتا وہ اللہ ھُو کہہ سکتا ہے اور اگر حاظر و ناظر سمجھتا ہے تو اللہ ھُو نہیں کہہ سکتا اَللّٰہُ کہے گا۔ یہ ذکر ہے ہمارے خاندان کے اولیاء اللہ کا۔ ہمارے نزدیک اللہ ھُو کوئی ذکر نہیں، اَللّٰہُ ذکر ہے۔ یہ ذکر جس کی میں وضاحت کر رہا ہوں یہ حضور سخی احمد یار رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ پاک بابرکات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بالمشافہ

ملاقات کے دوران ارشاد فرمایا تھا۔ سو اللہُ ذکر ہے میاں! اب حضور کی ایک حدیث سماعت کیجئے۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَفضَلُ الذِّکرِ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

تمام اذکار سے افضل ترین ذکر کون سا ہے؟ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

یعنی اللہ کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں ہے، اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہوسکتا، کسی قسم کا، کسی آن کا کسی شان کا۔ کیونکہ جب ابتداء میں ''لا'' استعمال ہوتا ہے تو فقد کا حکم رکھتا ہے۔ کسی بھی وقت کسی بھی طرح کوئی خدا نہیں ہوسکتا مگر اللہ۔ اسے ہم کہتے ہیں نفی اور اثبات کا ذکر لا اِلٰہ نفی ہے قطعی طور پر کوئی اِلٰہ نہیں کیونکہ ہر شے نفی کے حکم میں آ گئی ہے۔ بعض لوگ سورج کو اور بعض لوگ چاند کو خدا سمجھتے تھے، بعض ستاروں کو خدا سمجھتے تھے، اسکی تفصیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات (سورۂ انعام) میں موجود ہے۔ کچھ ایسے لوگ تھے جو آگ کو خدا سمجھتے تھے اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں تصوّر کرتے تھے۔ بعض نے انبیاء کو خدا بنا لیا تھا الغرض اِن تمام کے لئے لا الٰہ کہا گیا ہے، اور اِلَّا اللّٰہُ میں اِلّا کا مطلب ''مگر'' صرف کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ لا الٰہ میں ہر وہ چیز آ جاتی ہے جسے لوگوں کے عقیدے میں خدا ہونے کا شائبہ بھی ہو، ہر شے کی نفی کرنا اور اِلَّا اللّٰہُ کو ثابت کرنا، قائم رکھنا۔ بعض خاندانوں (سلسلہ ہائے طریقت) میں نفی اثبات کا ذکر صرف اِلَّا اللّٰہ کا ہے لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ کا نہیں ہے اور بعض خاندانوں میں لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ کے ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ ''لا الٰہ'' کہہ کر سانس اندر کی طرف کھینچتے ہیں یعنی سانس اوپر اُٹھاتے ہیں، پھر دائیں کندھے پر لاتے ہیں اور پھر اُٹھا کر دماغ پر لے جاتے ہیں، پھر دماغ سے الا اللہ اُٹھا کر اپنے قلب پر اِلَّا اللہ کی ضرب لگائی جاتی ہے لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ، اس ذکر کی حقیقت یہ ہے کہ قلب کو جاری کرنے کے لئے اس طریقۂ ذکر کو ایک عمل کے طور پر اپناتے ہیں یوں یہ چہار ضربی ذکر کہلاتا ہے اور اگر سہ (تین) ضربی ذکر کرنا ہو تو لَا اِلٰـــہ اِلَّا ہی مرکزِ دماغ پر لاتے ہیں اور پھر وہاں سے اپنے قلب پر ضرب لگائی جاتی ہے۔
چہار ضربی یا سہ ضربی کو نفی اثبات کا ذکر کہا جاتا ہے نیز اسے شرعی ذکر بھی کہتے ہیں (جس میں امر و نہی دونوں شامل کرتے ہیں) یعنی شریعت آپ کے سامنے دو متضاد چیزیں رکھتی ہے نیکی اور بدی، یہ راستہ نیکی کا یہ راستہ بدی کا۔ نیکی کا کام کرو اور بدی کا کام چھوڑ دو، دو قسم کے احکام ہیں، ایک وہ کام جو جنّت میں لے جانے والے ہیں، دوسرے وہ کام ہیں جو دوزخ میں لے جا سکتے ہیں، دونوں کو واضح کیا جاتا ہے۔ لا الٰہ ہر وہ شے جو انسان کے مشاہدے یا عقل میں آ سکتی ہے اسکی نفی کرنا اور اللہُ کا اثبات کرنا۔

مثلاً آپ کسی پھل کی دکان پر جاتے ہیں جہاں صاف ستھرا اور اچھا پھل بھی ہے اور گلا سڑا گندا پھل بھی ہے۔ خراب پھل آپ کے کھانے کے قابل نہیں وہ آپ چھوڑ دیتے ہیں، اس کی نفی کر دیتے ہیں، آپ پھل میں اپنی پسند کا عمدہ پھل چھانٹ کر ایک طرف کر لیتے ہیں، اگر دکاندار آپ کو خراب اور داغی پھل بھی دینے کی کوشش کرے تو آپ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے لئے چھانٹ لیا ہے اب میں خراب پھل کی طرف دیکھنا بھی نہیں چاہتا اس لئے خراب چیز میرے سامنے مت رکھو۔ سو اہلِ طریقت کے نزدیک لا الٰہ نفی کرنا ہے اور الا اللہ کا اثبات کرنا ہے اور اللّٰہُ خدا کا اسمِ گرامی ہے، اسمِ اعظم ہے اِسے قائم کرنا ہے، اسے قائم کرنا ہے اپنے ایمان میں عقیدے میں، ذہن میں اور ذکر و فکر میں اور جب آپ اللّٰہُ کو قائم کر لیں گے تو پھر آپ کو لا الٰہ کی طرف دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں جیسا کہ حضرت شیخ ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اے بندۂ خدا جب تو اللہ پر ایمان لے آیا ہے، توحید (یکتائی) پر ایمان لایا ہے تو پھر تو غیر اللہ کی طرف دیکھتا بھی کیوں ہے؟ اب تیرا غیر کو دیکھنا، عقیدے میں لانا اور اپنے وردِ زبان رکھنا بھی شرک ہے۔ اب تو خداوندِ کریم کی ذاتِ پاک کو ہر وقت اپنے سامنے رکھ اور مکمل طور پر توحید کا حامل ہو جا۔ غیریت کو چھوڑنا ہے اور عینیت حاصل کرنی ہے۔ جب ہم نے اللّٰہُ کی عینیت حاصل کر لی ہے اللّٰہُ کو حاصل کر لیا ہے تو گویا غیریت کو مکمل طور پر طلاق دے دی ہے۔ جو شخص عینیت کی اہمیت جتلائے گا وہ پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کس عقیدے سے دیکھے گا؟ عینیت کے رنگ میں کہ غیریت کے رنگ میں؟ اگر پھر بھی غیریت کے رنگ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آنے دے گا تو پھر وہ بڑا مشرک ہے جسے شرکِ جلی کہا جاتا ہے کیونکہ جب تجھے عینیت حاصل ہو گئی ہے تو اب خداوندِ کریم کی عینیت کی نگاہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ! جن آنکھوں سے رب تعالیٰ اپنے محبوب کو دیکھتا ہے تو اب تجھے وہ محبوبؐ غیر اللہ نظر نہیں آئے گا۔ اگر اب پھر تم نے حضور کو غیر سمجھا ہے (تو تیری نفی کامل نہ ہوئی کیونکہ) غیر کو تو تم نے اپنے وجود ہی سے نکال باہر کیا ہے اور پھر بھی اگر تو غیر اللہ سمجھے گا تو تم بڑے مشرک ہو گے۔ یہی حضرت شیخ ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔

جب حضرت شیخ ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا وقتِ رحلت قریب آیا تو آپ اللّٰہُ اللّٰہُ اللّٰہُ کا ذکر کر رہے تھے۔ کسی نے کہا کہ یا حضرت! لا الٰہ الا اللہ کا ذکر کیجئے۔ آپؒ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے وجود میں شرک رہنے ہی نہیں دیا"، یعنی میں ہر شرک (غیر اللہ) سے پاک ہو چکا ہوں، ہر غیریت سے پاک ہو چکا ہوں۔ اب صرف اللّٰہُ اللّٰہُ ہے باقی ہر شے نابود ہو چکی ہے اسی لئے طریقت میں اللّٰہُ کا ذکر ہے۔

ملاقات کے دوران ارشاد فرمایا تھا۔ سو اللّٰہُ ذکر ہے میاں! اب حضور کی ایک حدیث سماعت کیجئے۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَفضَلُ الذِّکرِ لَااِلٰہ اِلَّا اللّٰہُ

تمام اذکار سے افضل ترین ذکر کون سا ہے؟ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

یعنی اللہ کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں ہے، اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہوسکتا، کسی قسم کا، کسی آن کا کسی شان کا۔ کیونکہ جب ابتداء میں ''لا'' استعمال ہوتا ہے تو فقد کا حکم رکھتا ہے۔ کسی بھی وقت کسی بھی طرح کوئی خدا نہیں ہوسکتا مگر اللہ۔ اسے ہم کہتے ہیں نفی اور اثبات کا ذکر لا اِلٰہ نفی ہے قطعی طور پر کوئی اِلٰہ نہیں کیونکہ ہر شے نفی کے حکم میں آگئی ہے۔ بعض لوگ سورج کو اور بعض لوگ چاند کو خدا سمجھتے تھے، بعض ستاروں کو خدا سمجھتے تھے، اسکی تفصیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات (سورۂ انعام) میں موجود ہے۔ کچھ ایسے لوگ تھے جو آگ کو خدا سمجھتے تھے اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں تصوّر کرتے تھے۔ بعض نے انبیاء کو خدا بنالیا تھا الغرض اِن تمام کے لئے لا الٰہ کہا گیا ہے، اور اِلَّا اللّٰہُ میں اِلّا کا مطلب ''مگر'' صرف کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ لا الٰہ میں ہر وہ چیز آجاتی ہے جسے لوگوں کے عقیدے میں خدا ہونے کا شائبہ بھی ہو، ہر شے کی نفی کرنا اور اِلَّا اللّٰہُ کو ثابت کرنا، قائم رکھنا۔ بعض خاندانوں (سلسلہ ہائے طریقت) میں نفی اثبات کا ذکر صرف اِلَّا اللّٰہ کا ہے لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ کا نہیں ہے اور بعض خاندانوں میں لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ کے ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ ''لا الٰہ'' کہہ کر سانس اندر کی طرف کھینچتے ہیں یعنی سانس اوپر اُٹھاتے ہیں، پھر دائیں کندھے پر لاتے ہیں اور پھر اُٹھا کر دماغ پر لے جاتے ہیں، پھر دماغ سے الا اللہ اُٹھا کر اپنے قلب پر الا اللہ کی ضرب لگائی جاتی ہے لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ، اس ذکر کی حقیقت یہ ہے کہ قلب کو جاری کرنے کے لئے اس طریقۂ ذکر کو ایک عمل کے طور پر اپناتے ہیں یوں یہ چہار ضربی ذکر کہلاتا ہے اور اگر سہ (تین) ضربی ذکر کرنا ہو تو لَا اِلٰـــہ اِلَّا ہی مرکزِ دماغ پر لاتے ہیں اور پھر وہاں سے اپنے قلب پر ضرب لگائی جاتی ہے۔ چہار ضربی یا سہ ضربی کو نفی اثبات کا ذکر کہا جاتا ہے نیز اسے شرعی ذکر بھی کہتے ہیں (جس میں امر و نہی دونوں شامل کرتے ہیں) یعنی شریعت آپ کے سامنے دو متضاد چیزیں رکھتی ہے نیکی اور بدی، یہ راستہ نیکی کا یہ راستہ بدی کا۔ نیکی کا کام کرو اور بدی کا کام چھوڑ دو، دو قسم کے احکام ہیں، ایک وہ کام جو جنّت میں لے جانے والے ہیں، دوسرے وہ کام ہیں جو دوزخ میں لے جاسکتے ہیں، دونوں کو واضح کیا جاتا ہے۔ لا الٰہ ہر وہ شے جو انسان کے مشاہدے یا عقل میں آسکتی ہے اسکی نفی کرنا اور اللّٰہُ کا اثبات کرنا۔

مثلاً آپ کسی پھل کی دکان پر جاتے ہیں جہاں صاف ستھرا اور اچھا پھل بھی ہے اور گلا سڑا گندا پھل بھی ہے۔ خراب پھل آپ کے کھانے کے قابل نہیں وہ آپ چھوڑ دیتے ہیں، اس کی نفی کر دیتے ہیں، آپ پھل میں اپنی پسند کا عمدہ پھل چھانٹ کر ایک طرف کر لیتے ہیں، اگر دکاندار آپ کو خراب اور داغی پھل بھی دینے کی کوشش کرے تو آپ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے لئے چھانٹ لیا ہے اب میں خراب پھل کی طرف دیکھنا بھی نہیں چاہتا اس لئے خراب چیز میرے سامنے مت رکھو۔ سو اہلِ طریقت کے نزدیک لا الٰہ نفی کرنا ہے اور الا اللہ کا اثبات کرنا ہے اور اللّٰہُ خدا کا اسمِ گرامی ہے، اسمِ اعظم ہے اِسے قائم کرنا ہے، اسے قائم کرنا ہے اپنے ایمان میں عقیدے میں، ذہن میں اور ذکر و فکر میں اور جب آپ اللّٰہُ کو قائم کر لیں گے تو پھر آپ کو لا الٰہ کی طرف دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں جیسا کہ حضرت شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اے بندۂ خدا جب تو اللہ پر ایمان لے آیا ہے، توحید (یکتائی) پر ایمان لایا ہے تو پھر تو غیر اللہ کی طرف دیکھتا بھی کیوں ہے؟ اب تیرا غیر کو دیکھنا، عقیدے میں لانا اور اپنے وردِ زبان رکھنا بھی شرک ہے۔ اب تو خداوندِ کریم کی ذاتِ پاک کو ہر وقت اپنے سامنے رکھ اور مکمل طور پر توحید کا حامل ہو جا۔ غیریت کو چھوڑنا ہے اور عینیت حاصل کرنی ہے۔ جب ہم نے اللّٰہُ کی عینیت حاصل کر لی ہے اللّٰہُ کو حاصل کر لیا ہے تو گویا غیریت کو مکمل طور پر طلاق دے دی ہے۔ جو شخص عینیت کی اہمیت جتلائے گا وہ پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کس عقیدے سے دیکھے گا؟ عینیت کے رنگ میں کہ غیریت کے رنگ میں؟ اگر پھر بھی غیریت کے رنگ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آنے دے گا تو پھر وہ بڑا مشرک ہے جسے شرکِ جلی کہا جاتا ہے کیونکہ جب تجھے عینیت حاصل ہو گئی ہے تو اب خداوندِ کریم کی عینیت کی نگاہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ! جن آنکھوں سے رب تعالیٰ اپنے محبوب کو دیکھتا ہے تو اب تجھے وہ محبوبؐ غیر اللہ نظر نہیں آئے گا۔ اگر اب پھر تم نے حضور کو غیر سمجھا ہے (تو تیری نفی کامل نہ ہوئی کیونکہ) غیر کو تو تم نے اپنے وجود ہی سے نکال باہر کیا ہے اور پھر بھی اگر تو غیر اللہ سمجھے گا تو تم بڑے مشرک ہو گے۔ یہی حضرت شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔

جب حضرت شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا وقتِ رحلت قریب آیا تو آپ اللّٰہُ اللّٰہُ اللّٰہُ کا ذکر کر رہے تھے۔ کسی نے کہا کہ یا حضرت! لا الٰہ الا اللہ کا ذکر کیجئے۔ آپؒ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے وجود میں شرک رہنے ہی نہیں دیا"، یعنی میں ہر شرک (غیر اللہ) سے پاک ہو چکا ہوں، ہر غیریت سے پاک ہو چکا ہوں۔ اب صرف اللّٰہُ اللّٰہُ ہے باقی ہر شے نابود ہو چکی ہے اسی لئے طریقت میں اللّٰہُ کا ذکر ہے۔

اب اس ذکر کی اقسام بتانا چاہوں گا۔ بزرگانِ دین نے اس سلسلے میں چھ لطائف بتائے ہیں۔ پہلا لسانی ہے، زبان کے ساتھ اللّٰہُ اللّٰہُ پڑھنا، خواہ آواز کے ساتھ ہو یا بغیر آواز کے، جو آواز کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اُسے جہریہ (ذکر بالجہر) کہتے ہیں اور بغیر آواز یعنی منہ میں پڑھنے کو لقلقہ کہا جاتا ہے۔ لقلقہ درحقیقت، جب زبان تالو کے ساتھ لگ کے جُدا ہوتی ہے تو معمولی سی چلک پیدا ہوتی ہے، ایک کھینچ سی پیدا ہوتی ہے۔

اس کے بعد دم ''پاس انفاس'' یعنی سانس کے آنے جانے کے ساتھ اللّٰہُ کہنا۔ سانس اندر کھینچے تو اللّٰہ کہے، باہر چھوڑے تو ''ہو''۔ یہ سانس کا ذکر ہے اگر اللہ کہنے کے ساتھ سانس کو اندر کھینچ کر روک لیا جائے، جسقدر قدرت ہو تو اسے ''حبسِ دم'' کہا جاتا ہے۔ حضرت میانمیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ حبسِ دم کے قائل تھے اور اپنے مریدین کو حبسِ دم کراتے تھے یہ بھی ''پاس انفاس'' ہی کی ایک قسم ہے۔

حضرت سخی احمد یار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ظاہری ملاقات میں حبسِ دم کا ذکر بھی ختم ہو چکا ہے اور زبان کا ذکر بھی ختم ہو چکا ہے۔ یہ تمام طریقے در اصل قلب کو زندہ کرنے کے لئے اختیار کئے جاتے تھے۔

تیسرا مقام یہی ذکرِ قلبی ہے یعنی دل کے ساتھ ذکر کرنا۔ دل کی دو اقسام ہیں۔ ایک دل تو وہ ہے جو انسان کے جسم کے اندر خون کی گردش کے لئے ایک مشین ہے۔ اس کو قلبِ مجازی کہا جاتا ہے۔ قلب کا لفظی مطلب ہے ''اُلٹا'' لٹکا ہوا۔ یہ انسانی جسم میں ایک پمپنگ مشین ہے۔ اسکی چار نالیاں ہوتی ہیں، دو خون لیتی ہیں اور دو خون دیتی ہیں لیکن ایک دل وہ بھی ہے جس پر مُہر لگتی ہے یا قُفل پڑتا ہے جس میں خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ اسے قلبِ حقیقی کہا جاتا ہے۔ قلبِ مجازی کو ''قلبِ صنوبری'' اور قلبِ حقیقی کو ''قلبِ نیلوفری'' کہا جاتا ہے۔ صنوبر ایک درخت ہے جسے پھل تو نہیں آتا لیکن اس کے پتّے کی شکل انسانی دل جیسی ہوتی ہے جبکہ نیلوفری ایک پھولدار پودا ہے جس کے پھول کی شکل انسانی دل جیسی ہوتی ہے اور اس میں بیج بھی موجود ہوتا ہے۔ اصطلاحاً قلبِ حقیقی اسرار و رموز کا مخزن ہے۔ نیلوفری کو اشتیاقِ دل بھی کہا جاتا ہے، محبت اسی دل میں پیدا ہوتی ہے۔ جو لوگ ابتداء میں قلبِ مجازی پر دھیان لگاتے ہیں تو اس لئے کہ دل کی حرکت معلوم ہو جائے آخر میں جب اس کے اندر ذکر غالب آجائے گا تو یہ خود بخود جاری ہو جائے گا۔ اصل میں اشتیاقِ دل تیسرا مقام ہوتا ہے، اس کے بعد نفسی ذکر ہے جس طرح بائیں جانب دل چلتا ہے۔ دائیں جانب حالانکہ دل تو نہیں ہوتا لیکن دائیں جانب بھی حرکت کا اثر ہوتا ہے اگر حرکت پیدا ہو جائے تو اسے

نفسی ذکر کہا جاتا ہے۔

اس کے بعد روحی ذکر ہے، خاص طور پر قادری سلسلے میں روحی ذکر بتایا جاتا ہے جو تمام سینے اور پیشانی پر اپنا زور دِکھاتا ہے۔ اس کے بعد سرّی ذکر ہے جو مرکزِ دماغ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ہمارے خاندان (سلسلۂ طریقت) میں قلبِ حقیقی سے ذکر شروع ہوتا ہے اور اسکی دو منازل ہیں ایک انحد کا مقام ہے کہ مرکزِ دماغ تک ہے، انحد کا مقام! کانوں اور مرکزِ دماغ سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ اس آواز میں سے خود بخود الہامی طور پر یہ چیز حاصل ہوتی ہے۔ نقشبندی خاندان میں مجدد الف ثانیؒ سے قبل مرکزِ دماغ تک بھی ذکرِ سری نہیں ہوتا تھا۔ اسکی تجدید مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے کی اور ذکرِ سری مرکزِ دماغ تک پہنچا دیا۔

اب اپنے خاندان کا ذکر کروں گا۔ ہمارے خاندان میں صرف قلبی ذکر ہے خفی ذکر ہے۔ قرآن پاک میں بار بار اسکی تاکید کی گئی ہے اور سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کے مطابق پیروی کرتے ہیں، ارشادِ حق تعالیٰ ہے:

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ

(آلِ عمران، آیت ۱۹۱)

(یہ وہ (اللہ کے بندے) ہیں جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے
اپنی کروٹوں پر اللہ کا ذکر کرتے ہیں)

ان تین حالتوں سے انسان خالی نہیں ہوتا۔ بندہ یا کھڑا ہوتا ہے، یا بیٹھا ہوتا ہے یا لیٹا ہوا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی شان بیان کی ہے کہ وہ ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ ہر حالت میں یہ ذکر فرض کیا گیا ہے۔ مفسرین مذکورہ حکم کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فَاذْکُرُوا اللّٰہَ فِیْ کُلِّ الْاَحْوَالِ وَفِیْ جَمِیْعِ
الْمُقَامَاتِ وَ فِیْ جَمِیْعِ الْاَوْقَاتِ اَوْقِیَامًا اَوْقُعُوْدًا
وَجُنُوْبِکُمْ

(پس اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو اپنے تمام احوال میں، تمام
مقامات، تمام اوقات میں خواہ کھڑے ہو، بیٹھے ہو، یا لیٹے ہو)

چونکہ زبان نے دنیاوی باتیں بھی کرنا ہوتی ہیں اس لئے وہ ذکر جو حق تعالیٰ طلب کرتا ہے وہ یہی ذکر ہے جس کی ابتداء دل سے ہوتی ہے اس کو ذکرِ خفی بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

اب اس ذکر کی اقسام بتانا چاہوں گا۔ بزرگانِ دین نے اس سلسلے میں چھ لطائف بتائے ہیں۔ پہلا لسانی ہے، زبان کے ساتھ اللّٰہُ اللّٰہُ پڑھنا، خواہ آواز کے ساتھ ہو یا بغیر آواز کے، جو آواز کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اُسے جہریہ (ذکر بالجہر) کہتے ہیں اور بغیر آواز یعنی منہ میں پڑھنے کو لقلقہ کہا جاتا ہے۔ لقلقہ در حقیقت، جب زبان تالو کے ساتھ لگ کے جُدا ہوتی ہے تو معمولی سی چلک پیدا ہوتی ہے، ایک کھینچ سی پیدا ہوتی ہے۔

اس کے بعد دم "پاس انفاس" یعنی سانس کے آنے جانے کے ساتھ اللّٰہُ کہنا۔ سانس اندر کھینچے تو اللّٰہ کہے، باہر چھوڑے تو "ہو"۔ یہ سانس کا ذکر ہے اگر اللہ کہنے کے ساتھ سانس کو اندر کھینچ کر روک لیا جائے، جسقدر قدرت ہو تو اسے "حبسِ دم" کہا جاتا ہے۔ حضرت میانمیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ حبسِ دم کے قائل تھے اور اپنے مریدین کو حبسِ دم کراتے تھے یہ بھی "پاس انفاس" ہی کی ایک قسم ہے۔

حضرت سخی احمد یار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ظاہری ملاقات میں حبسِ دم کا ذکر بھی ختم ہو چکا ہے اور زبان کا ذکر بھی ختم ہو چکا ہے۔ یہ تمام طریقے در اصل قلب کو زندہ کرنے کے لئے اختیار کئے جاتے تھے۔

تیسرا مقام یہی ذکرِ قلبی ہے یعنی دل کے ساتھ ذکر کرنا۔ دل کی دو اقسام ہیں۔ ایک دل تو وہ ہے جو انسان کے جسم کے اندر خون کی گردش کے لئے ایک مشین ہے۔ اس کو قلبِ مجازی کہا جاتا ہے۔ قلب کا لفظی مطلب ہے "اُلٹا" لٹکا ہوا۔ یہ انسانی جسم میں ایک پمپنگ مشین ہے۔ اسکی چار نالیاں ہوتی ہیں، دو خون لیتی ہیں اور دو خون دیتی ہیں لیکن ایک دل وہ بھی ہے جس پر مُہر لگتی ہے یا قُفل پڑتا ہے جس میں خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ اسے قلبِ حقیقی کہا جاتا ہے۔ قلبِ مجازی کو "قلبِ صنوبری" اور قلبِ حقیقی کو "قلبِ نیلوفری" کہا جاتا ہے۔ صنوبر ایک درخت ہے جسے پھل تو نہیں آتا لیکن اس کے پتے کی شکل انسانی دل جیسی ہوتی ہے جبکہ نیلوفری ایک پھولدار پودا ہے جس کے پھول کی شکل انسانی دل جیسی ہوتی ہے اور اس میں بیج بھی موجود ہوتا ہے۔ اصطلاحاً قلبِ حقیقی اسرار و رموز کا مخزن ہے۔ نیلوفری کو اشتیاقِ دل بھی کہا جاتا ہے، محبت اسی دل میں پیدا ہوتی ہے۔ جو لوگ ابتداء میں قلبِ مجازی پر دھیان لگاتے ہیں تو اس لئے کہ دل کی حرکت معلوم ہو جائے آخر میں جب اس کے اندر ذکر غالب آجائے گا تو یہ خود بخود جاری ہو جائے گا۔ اصل میں اشتیاقِ دل تیسرا مقام ہوتا ہے، اس کے بعد نفسی ذکر ہے جس طرح بائیں جانب دل چلتا ہے۔ دائیں جانب حالانکہ دل تو نہیں ہوتا لیکن دائیں جانب بھی حرکت کا اثر ہوتا ہے اگر حرکت پیدا ہو جائے تو اسے

نفسی ذکر کہا جاتا ہے۔

اس کے بعد روحی ذکر ہے، خاص طور پر قادری سلسلے میں روحی ذکر بتایا جاتا ہے جو تمام سینے اور پیشانی پر اپنا زور دِکھاتا ہے۔ اس کے بعد سرّی ذکر ہے جو مرکزِ دماغ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ہمارے خاندان (سلسلۂ طریقت) میں قلبِ حقیقی سے ذکر شروع ہوتا ہے اور اسکی دو منازل ہیں ایک انحد کا مقام ہے کہ مرکزِ دماغ تک ہے، انحد کا مقام! کانوں اور مرکزِ دماغ سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ اس آواز میں سے خود بخود الہامی طور پر یہ چیز حاصل ہوتی ہے۔ نقشبندی خاندان میں مجدد الف ثانیؒ سے قبل مرکزِ دماغ تک بھی ذکرِ سری نہیں ہوتا تھا۔ اسکی تجدید مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے کی اور ذکرِ سری مرکزِ دماغ تک پہنچا دیا۔

اب اپنے خاندان کا ذکر کروں گا۔ ہمارے خاندان میں صرف قلبی ذکر ہے خفی ذکر ہے۔ قرآن پاک میں بار بار اسکی تاکید کی گئی ہے اور سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کے مطابق پیروی کرتے ہیں، ارشادِ حق تعالیٰ ہے:

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًاوَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ

(آلِ عمران، آیت ۱۹۱)

(یہ وہ (اللہ کے بندے) ہیں جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے
اپنی کروٹوں پر اللہ کا ذکر کرتے ہیں)

ان تین حالتوں سے انسان خالی نہیں ہوتا۔ بندہ یا کھڑا ہوتا ہے، یا بیٹھا ہوتا ہے یا لیٹا ہوا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی شان بیان کی ہے کہ وہ ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ ہر حالت میں یہ ذکر فرض کیا گیا ہے۔ مفسرین مذکورہ حکم کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فَاذْکُرُوا اللّٰہَ فِیْ کُلِّ الْاَحْوَالِ وَفِیْ جَمِیْعِ
الْمُقَامَاتِ وَ فِیْ جَمِیْعِ الْاَوْقَاتِ اَوْقِیَامًاوَ اَوْقُعُوْدًا
وَجُنُوْبِکُمْ

(پس اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو اپنے تمام احوال میں، تمام
مقامات، تمام اوقات میں خواہ کھڑے ہو، بیٹھے ہو، یا لیٹے ہو)

چونکہ زبان نے دنیاوی باتیں بھی کرنا ہوتی ہیں اس لئے وہ ذکر جو حق تعالیٰ طلب کرتا ہے وہ یہی ذکر ہے جس کی ابتداء دل سے ہوتی ہے اس کو ذکرِ خفی بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

''اپنے ربّ کریم کے اسم کا ذکر کر اپنی جان میں چھپا ہوا بڑی
عاجزی کے ساتھ۔''

ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کو بھی معلوم نہ ہو کہ محوِ ذکر ہے یا نہیں ہے۔ دست بکار دل بیار، ہاتھ تو کام میں لگے ہوں اور تیرا دل ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

جگت میں ایسے رہیے جیسے مرغابی ساگر میں
نام خدا کا ایسے جپیئے جیسے ناری کا چت گاگر میں

شاعر کہتا ہے کہ دنیا میں اسطرح زندگی بسر کرو جیسے مرغابی ہے سمندر میں، اور خدا کا نام ایسے جپو جیسے عورت کا دھیان گھڑے میں ہوتا ہے مطلب یہ کہ مرغابی ہر وقت پانی میں غوطہ زن رہتی ہے، بار بار اپنی گردن مچھلی کی تلاش میں پانی میں ڈالتی ہے لیکن جب اُڈاری مارتی ہے تو اُس کے پنکھ بالکل سُوکھے ہوتے ہیں، شاعر اس مشاہدہ سے یہ سیکھتا ہے کہ دنیا میں رہو لیکن اپنے وجود کو دنیا کی آلائشوں سے پاک رکھو۔

دوسری مثال شاعر نے عورت سے پیش کی ہے۔ اب تو ہر گھر میں نلکے لگے ہوئے ہیں۔ کسی زمانے میں عورتیں چشموں، دریاؤں اور کنوؤں سے، دور دور جا کر پانی بھرا کرتی تھیں۔ دس دس سہیلیاں مل کر جایا کرتی تھیں۔ دو دو گھڑے سر پر، ایک کے اوپر ایک اُٹھائے ہوتے تھے۔ ایک گھڑا کوہے پر ٹکا لیتی تھیں اور ایک ہاتھ میں پکڑ لیتی تھیں۔ اس حالت میں وہ سب سہیلیاں ایک دوسرے سے مزے مزے کی باتیں بھی کرتی چلی آتیں، ہنستی کھیلتی، حالانکہ اسقدر بوجھ بھی اُٹھا رکھا ہوتا تھا۔ گھر کا خیال بھی ہوتا تھا لیکن ان کا سارا دھیان گھڑوں کی جانب ہوتا تھا کہ کہیں گر نہ جائیں، شاعر اس سے سیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ باوجود اس کے کہ کئی معاملے دامن گیر ہوں، ہزار بوجھ ہو لیکن تیرا دھیان صرف اور صرف ذکرِ الٰہی میں رہے، دنیا میں رہتے ہوئے اپنے آپ کو آلائشِ دنیا سے پاکیزہ رکھ، سوتے جاگتے، چلتے پھرتے، باتیں کرتے، اُٹھتے بیٹھتے ہر رنگ میں ذکرِ الٰہی میں مشغول رہ۔

ذکر کی اقسام اور خصوصیت کا آپ (حضرت خواجہ محمد کریم اللہ عباسی قادری) رحمۃ اللہ علیہ یوں ذکر فرماتے ہیں۔

ل۔ لقلقہ ذکر ہے ذکر عاماں، ذکر جہریہ ذکر زبان دا اے
اتے وسوسہ ذکر صنوبری دا، اشتیاق دل ذکر خاصان دا اے

خاص الخاص دا ذکر ہے ذکر سر دا انحد مُرلیاں خوب وجاوندا اے
ذکر عارفاں ذکرتھیں گزر جانا، عاشق عاشقاں ذکر دھیان دا اے

یہ اقسامِ ذکر آپؒ نے کلامِ عاشق (گنجِ عرفان) میں ارشاد فرمائی ہیں۔ اور جب ذکر کرتے کرتے انسان ذکر سے گزر رے گا تو وہ کیونکر گزر رتا ہے؟ میری سرکارؒ نے لکھا ہے۔

ط۔ طلب حقیقت جے لوڑنا ئیں فَاذْکُرُوْنِیْ دا سبق پکا یارا
ایہہ عشق کمال محبتاں تھیں آوے جگر تے جان وچہ دھا یارا
ذکرِ کردیاں کردیاں عشق آوے، دیوے کُل خیال مِٹا یارا
ذکر بھل جاوے غلبہ عشق دے تھیں عاشق رہے مذکور بجا یارا

اگر تو حقیقت کا طالب ہے تو پورے انہاک سے ذکرِ الٰہی کر جیسا کہ حکم ہے ''میرا ذکر کرو'' جب تیرا انہاک محبت میں بدلے گا تو محبت اپنے کمال پر پہنچ کر عشق تک رسائی حاصل کرے گی۔ تیرے ذکر کی کثرت سے عشقِ ذوالجلال جلوہ نما ہوگا اور تمام خیال مٹا دے گا، جب عشق غالب ہو جائے گا تو ذکر چلا جائے گا اور صرف مذکور (اللہ) رہ جائے گا۔

الغرض کثرتِ ذکر و کمالِ عشق ہی سے دراصل وہ عشق پیدا ہوتا ہے جسے عشق کہنا چاہیے (محض اُنس یا طلب عشق نہیں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ جسقدر تیری محبت بڑھے گی یاد (ذکر) بھی اسی قدر زیادہ ہوتی جائے گی کیونکہ کسی کو یاد کرنا، کسی کی یاد ہی میں رہنا محبت کی نشانی ہے، جسقدر یاد کریں گے محبت بڑھتی چلی جائے گی جو لوگ ہر وقت ذکرِ الٰہی میں رہتے ہیں اُن کا معاملہ ایسا ہوتا ہے کہ ''جو دم غافل سو دم کافر'' اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاذْکُرُ اللّٰهَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (الجمعہ، آیت ۱۰)
(اسقدر زیادہ اللہ کا ذکر کرو کہ تم فلاح پا جاؤ)

ذکر کثیر کرو تا کہ کامیاب ہو جاؤ، کثرتِ ذکر محبت کی نشانی ہے، ذکر کی کثرت محبت کی کثرت ہے، محبت کا کثیر ہونا عشق کہلاتا ہے اور عشق اپنے کمال پر ہر وہم و خیال مٹا دیتا ہے۔ جب انسان کسی کی محبت میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کا اُٹھنا بیٹھنا اس کے خیال سے الگ نہیں ہوتا۔ جب غلبۂ عشق ہوگا تو تمام خیالات و اذکار خود ہی ختم ہو جائیں گے۔ عشق کسے کہتے ہیں؟ مطلوب کے ہجر کی تڑپ ہی عشق ہے، مجبوراً اپنے مطلوب کو حاصل کرنا چاہتا ہے اور جب مطلوب خود سامنے آ جائے گا تو ذکر ختم ہو گیا، یاد بھی ختم ہوگئی پھر زیارت و قرب سے لطف اندوز ہوگا ذکر کیونکر کرے گا؟

ذکر بھل جاوے غلبہ عشق دے تھیں عاشق رہے مذکور بجا یارا

''اپنے ربّ کریم کے اسم کا ذکر کر اپنی جان میں چھپا ہوا بڑی
عاجزی کے ساتھ۔''

ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کو بھی معلوم نہ ہو کہ محوِ ذکر ہے یا نہیں ہے۔ دست بکار دل بیار، ہاتھ تو کام میں لگے ہوں اور تیرا دل ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

جگت میں ایسے رہیے جیسے مرغابی ساگر میں
نام خدا کا ایسے جپیئے جیسے ناری کا چت گاگر میں

شاعر کہتا ہے کہ دنیا میں اسطرح زندگی بسر کرو جیسے مرغابی ہے سمندر میں، اور خدا کا نام ایسے جپو جیسے عورت کا دھیان گھڑے میں ہوتا ہے مطلب یہ کہ مرغابی ہر وقت پانی میں غوطہ زن رہتی ہے، بار بار اپنی گردن مچھلی کی تلاش میں پانی میں ڈالتی ہے لیکن جب اُڈاری مارتی ہے تو اُس کے پنکھ بالکل سُوکھے ہوتے ہیں، شاعر اس مشاہدہ سے یہ سیکھتا ہے کہ دنیا میں رہو لیکن اپنے وجود کو دنیا کی آلائشوں سے پاک رکھو۔

دوسری مثال شاعر نے عورت سے پیش کی ہے۔ اب تو ہر گھر میں نلکے لگے ہوئے ہیں۔ کسی زمانے میں عورتیں چشموں، دریاؤں اور کنوؤں سے، دور دور جا کر پانی بھرا کرتی تھیں۔ دس دس سہیلیاں مل کر جایا کرتی تھیں۔ دو دو گھڑے سر پر، ایک کے اوپر ایک اُٹھائے ہوتے تھے۔ ایک گھڑا کولہے پر ٹکا لیتی تھیں اور ایک ہاتھ میں پکڑ لیتی تھیں۔ اس حالت میں وہ سب سہیلیاں ایک دوسرے سے مزے مزے کی باتیں بھی کرتی چلی آتیں، ہنستی کھیلتی، حالانکہ اسقدر بوجھ بھی اُٹھا رکھا ہوتا تھا۔ گھر کا خیال بھی ہوتا تھا لیکن ان کا سارا دھیان گھڑوں کی جانب ہوتا تھا کہ کہیں گر نہ جائیں، شاعر اس سے سیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ باوجود اس کے کہ کئی معاملے دامن گیر ہوں، ہزار بوجھ ہو لیکن تیرا دھیان صرف اور صرف ذکرِ الٰہی میں رہے، دنیا میں رہتے ہوئے اپنے آپ کو آلائشِ دنیا سے پاکیزہ رکھ، سوتے جاگتے، چلتے پھرتے، باتیں کرتے، اُٹھتے بیٹھتے ہر رنگ میں ذکرِ الٰہی میں مشغول رہ۔

ذکر کی اقسام اور خصوصیت کا آپ (حضرت خواجہ محمد کریم اللہ عباسی قادری) رحمۃ اللہ علیہ یوں ذکر فرماتے ہیں۔

ل۔ لقلقہ ذکر ہے ذکر عاماں، ذکر جہریہ ذکر زبان دا اے
اتے وسوسہ ذکر صنوبری دا، اشتیاق دل ذکر خاصان دا اے

خاص الخاص دا ذکر ہے ذکر سر دا انحد مُرلیاں خوب وجاوندا اے
ذکر عارفاں ذکرتھیں گزرجانا، عاشق عاشقاں ذکر دھیان دا اے

یہ اقسامِ ذکر آپؒ نے کلامِ عاشق (گنجِ عرفان) میں ارشاد فرمائی ہیں۔ اور جب ذکر کرتے کرتے انسان ذکر سے گزر رے گا تو وہ کیونکر گزرتا ہے؟ میری سرکارؒ نے لکھا ہے۔

ط۔ طلب حقیقت جے لوڑنائیں فَاذْكُرُونِیْ داسبق پکایارا
ایہہ عشق کمال محبتاں تھیں آوے جگر تے جان وچہ دھایارا
ذکر کردیاں کردیاں عشق آوے، دیوے کُل خیال مِٹا یارا
ذکر بھل جاوے غلبہ عشق دے تھیں عاشق رہے مذکور بجایارا

اگر تو حقیقت کا طالب ہے تو پورے انہماک سے ذکرِ الٰہی کر جیسا کہ حکم ہے ''میرا ذکر کرو'' جب تیرا انہماک محبت میں بدلے گا تو محبت اپنے کمال پر پہنچ کر عشق تک رسائی حاصل کرے گی۔ تیرے ذکر کی کثرت سے عشقِ ذوالجلال جلوہ نما ہوگا اور تمام خیال مٹا دے گا، جب عشق غالب ہو جائے گا تو ذکر چلا جائے گا اور صرف مذکور (اللہ) رہ جائے گا۔

الغرض کثرتِ ذکر و کمالِ عشق ہی سے دراصل وہ عشق پیدا ہوتا ہے جسے عشق کہنا چاہیے (محض اُنس یا طلب عشق نہیں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ جسقدر تیری محبت بڑھے گی یاد (ذکر) بھی اسی قدر زیادہ ہوتی جائے گی کیونکہ کسی کو یاد کرنا، کسی کی یاد ہی میں رہنا محبت کی نشانی ہے، جسقدر یاد کریں گے محبت بڑھتی چلی جائے گی جو لوگ ہر وقت ذکرِ الٰہی میں رہتے ہیں اُن کا معاملہ ایسا ہوتا ہے کہ ''جو دم غافل سو دم کافر'' اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (الجمعہ، آیت ۱۰)
(اسقدر زیادہ اللہ کا ذکر کرو کہ تم فلاح پا جاؤ)

ذکر کثیر کرو تا کہ کامیاب ہو جاؤ، کثرتِ ذکر محبت کی نشانی ہے، ذکر کی کثرت محبت کی کثرت ہے، محبت کا کثیر ہونا عشق کہلاتا ہے اور عشق اپنے کمال پر ہر وہم و خیال مٹا دیتا ہے۔ جب انسان کسی کی محبت میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کا اُٹھنا بیٹھنا اس کے خیال سے الگ نہیں ہوتا۔ جب غلبۂ عشق ہوگا تو تمام خیالات واذکار خود ہی ختم ہو جائیں گے۔ عشق کسے کہتے ہیں؟ مطلوب کے ہجر کی تڑپ ہی عشق ہے، مہجور اپنے مطلوب کو حاصل کرنا چاہتا ہے اور جب مطلوب خود سامنے آجائے گا تو ذکر ختم ہو گیا، یاد بھی ختم ہوگئی پھر زیارت وقرب سے لطف اندوز ہوگا ذکر کیونکر کرے گا؟

ذکر بھل جاوے غلبہ عشق دے تھیں عاشق رہے مذکور بجایارا

جس کا ذکر کرتا تھا وہی رہ جاتا ہے باقی سب کچھ محو ہو جاتا ہے۔ ذکر الٰہی بھی فکر کے بغیر حاصل نہیں ہوتا، فکر کا معنی ہے سوچنا، ہندو لوگ کہا کرتے ہیں گیان اور دھیان۔ دھیان کے بغیر گیان نہیں ہوتا۔ دھیان کا مطلب ہمارے نزدیک فکر ہے اور گیان سے مراد ذکر، ذکر بغیر فکر نہیں ہوتا اس میں توجہ، خیال دھیان رکھنا اس طرف بہت ضروری ہے۔ ذکر ایک روحانی غذا ہے۔ حق تعالیٰ کے بقول ''دلوں کے گرد غلاف ہوتے ہیں'' پردے ہوتے ہیں، اپنے آپ ذکر کرنے سے روحانی غذا حاصل نہیں ہوتی، دل کے پردے نہیں پھٹتے۔

انسان کا وجود چار عناصر سے بنا ہے آگ، پانی، مٹّی اور ہوا۔ مٹّی تمام اشیاء کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اسکی کشش ایسی ہے۔ ہر انسان خواہ امیر ہو غریب ہو اس میں لالچ حرص آز اسی مٹّی کا اثر ہے۔ اس مٹّی کو پانی سے خمیر کیا گیا ہے (شہوت پانی کا اثر ہے) اس طرح جس شخص کے دماغ کو ہوا چڑھ جائے وہ بڑی دور کی باتیں کرتا ہے اس میں غرور و تکبّر بہت ہوتا ہے۔ آگ سے انسانی وجود کو پختہ کیا گیا ہے چنانچہ حسد، کینہ، بغض یہ آگ کے مظاہر ہیں الغرض عناصر اربع کے تمام اثرات دراصل گناہ ہیں۔ انسان میں معنوی عناصر ''غیوبِ انسانی'' ہیں، یہ بھی چار ہیں، نفس، روح، قلب اور عقل اس لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دوستو! تمہارے جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے اگر وہ اصلاح یاب ہو جائے تو تمام جسم اصلاح پا جاتا ہے اور اگر اس میں بگاڑ پیدا ہو جائے تو تمام جسم مُفسد ہو جاتا ہے، وہ دل ہے۔

اس میں دو حالتوں کا ذکر ہے، اصلاح اور فساد۔ معلوم ہوا کہ دو متضاد قوتیں انسان کے وجود پر اثر انداز ہوتی رہتی ہیں۔ ایک نفسانی دوسری روحانی۔ نفس اور روح دونوں باہم متضاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''بے شک نفس امّارہ بُرائی کا حکم دینے والا ہے لیکن وہ بچ گیا جس پر اللہ تعالیٰ کا رحم ہُوا۔''

نفس کی دوسری قسم نفسِ لوّامہ ہے جو بُرائی پر ملامت کرتا ہے تیسرا مقام نفسِ مطمئنہ ہے جس سے حق تعالیٰ خطاب فرماتا ہے۔ نفسِ مطمئنہ وہ ہے جس پر نفسِ امّارہ غالب نہ آسکے۔ نفسِ مطمئنہ رضائے الٰہی کے لائق ہو جاتا ہے، خدا کے پسندیدہ بندوں میں داخل ہو کر جنّت میں چلا جاتا ہے۔ فقراء کے نزدیک نفس کا چوتھا مقام نفسِ ملہمہ بھی ہے (لیکن یہ بھی نفسِ مطمئنہ ہی کی ایک حالت ہے اس لئے) قرآنِ حکیم نے نفسِ مطمئنہ تک ہی تین نفوس کا ذکر کیا ہے۔ اگر انسان کا نفس پاکیزہ ہو جائے تو وہ دل پر غالب آکر اسے بُرے ارادے کی صلاح نہیں دیتا اور روح پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ آپ (حضرت مخدوم العصرؒ) فرماتے ہیں۔

جس کا ذکر کرتا تھا وہی رہ جاتا ہے باقی سب کچھ محو ہو جاتا ہے۔ ذکر الٰہی بھی فکر کے بغیر حاصل نہیں ہوتا، فکر کا معنی ہے سوچنا، ہندو لوگ کہا کرتے ہیں گیان اور دھیان۔ دھیان کے بغیر گیان نہیں ہوتا۔ دھیان کا مطلب ہمارے نزدیک فکر ہے اور گیان سے مراد ذکر، ذکر بغیر فکر نہیں ہوتا اس میں توجہ، خیال دھیان رکھنا اس طرف بہت ضروری ہے۔ ذکر ایک روحانی غذا ہے۔ حق تعالیٰ کے بقول ''دلوں کے گرد غلاف ہوتے ہیں'' پردے ہوتے ہیں، اپنے آپ ذکر کرنے سے روحانی غذا حاصل نہیں ہوتی، دل کے پردے نہیں پھٹتے۔

انسان کا وجود چار عناصر سے بنا ہے آگ، پانی، مٹّی اور ہوا۔ مٹّی تمام اشیاء کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اسکی کشش ایسی ہے۔ ہر انسان خواہ امیر ہو غریب ہو اس میں لالچ حرص آز اسی مٹّی کا اثر ہے۔ اس مٹّی کو پانی سے خمیر کیا گیا ہے (شہوت پانی کا اثر ہے) اس طرح جس شخص کے دماغ کو ہوا چڑھ جائے وہ بڑی دور کی باتیں کرتا ہے اس میں غرور و تکبّر بہت ہوتا ہے۔ آگ سے انسانی وجود کو پختہ کیا گیا ہے چنانچہ حسد، کینہ، بغض یہ آگ کے مظاہر ہیں الغرض عناصر اربع کے تمام اثرات دراصل گناہ ہیں۔ انسان میں معنوی عناصر ''غیوبِ انسانی'' ہیں، یہ بھی چار ہیں، نفس، روح، قلب اور عقل اس لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ دوستو! تمہارے جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے اگر وہ اصلاح یاب ہو جائے تو تمام جسم اصلاح پا جاتا ہے اور اگر اس میں بگاڑ پیدا ہو جائے تو تمام جسم مُفسد ہو جاتا ہے، وہ دل ہے۔

اس میں دو حالتوں کا ذکر ہے، اصلاح اور فساد۔ معلوم ہوا کہ دو متضاد قوتیں انسان کے وجود پر اثر انداز ہوتی رہتی ہیں۔ ایک نفسانی دوسری روحانی۔ نفس اور روح دونوں باہم متضاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''بے شک نفس امّارہ بُرائی کا حکم دینے والا ہے لیکن وہ بچ گیا جس پر اللہ تعالیٰ کا رحم ہُوا۔''

نفس کی دوسری قسم نفسِ لوّامہ ہے جو بُرائی پر ملامت کرتا ہے تیسرا مقام نفسِ مطمئنہ ہے جس سے حق تعالیٰ خطاب فرماتا ہے۔ نفسِ مطمئنہ وہ ہے جس پر نفسِ امّارہ غالب نہ آسکے۔ نفسِ مطمئنہ رضائے الٰہی کے لائق ہو جاتا ہے، خدا کے پسندیدہ بندوں میں داخل ہو کر جنّت میں چلا جاتا ہے۔ فقراء کے نزدیک نفس کا چوتھا مقام نفسِ ملہمہ بھی ہے (لیکن یہ بھی نفسِ مطمئنہ ہی کی ایک حالت ہے اس لئے) قرآنِ حکیم نے نفسِ مطمئنہ تک ہی تین نفوس کا ذکر کیا ہے۔ اگر انسان کا نفس پاکیزہ ہو جائے تو وہ دل پر غالب آکر اسے بُرے ارادے کی صلاح نہیں دیتا اور روح پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ آپ (حضرت مخدوم العصرؒ) فرماتے ہیں۔

ن۔ نفس جے تابع روح ہویا، دل مجروح دی ہویا دوا یارو
مُرغ جان دا پنجرے جسم دے تھیں فضل رب تھیں ہویا رہا یارو
آوَ کرو مشاہدہ یار والا کیتا ربّ نے کم صفا یارو
عاشق دل دے وچہ دلدار دِسّے ناہیں ایس دیوچہ لُکا یارو

(جب نفس نے روح کی تابعداری اپنائی (از وجہ مجاہدہ وریاضت وذکر) تو سمجھو بیمار دل کے لئے دوا کا بندوبست ہوگیا۔ جان کا پرندہ جسم کے پنجرے سے فضل ربانی کے سبب رہا ہوگیا۔ دیکھو منظر کھل گیا اور فضا صاف ہوگئی آوَ اور محبوبِ حقیقی کا مشاہدہ کرو۔ اے عاشق محبوبِ حقیقی دل کے آئینے میں نظر آتا ہے یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں)

ایک دوسری جگہ آپ (حضرت مخدوم العصرؒ) فرماتے ہیں:

ض۔ ضدایہہ نفس تے روح دونویں پردہ دوہاں دے وچ انسان میاں
آب شور تے آب شیرین اندر پردہ دوہاں اندر ایہو جان میاں
شب و روز اندر جویں فجر ویلا برزخ مطلع الفجر پچھان میاں
عاشق ایہہ نکتہ اوّل یاد رکھیں بھل گیا تے گیا ایمان میاں

(نفس اور روح دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں ان دونوں میں انسان (کا دل) پردہ ہے، یا یوں سمجھ لو کہ دریائے نمکین اور دریائے شیریں کے درمیان انسان کی جان (تعینِ ذات) ایک اوٹ ہے، یا یوں سمجھ لو کہ جس طرح رات اور دن کے درمیان صبحِ صادق کا وقت ہے جس کے ایک طرف اُجالا اور دوسری طرف اندھیرا ہے۔ اے عاشق اس نکتہ کو اچھی طرح ذہن نشین کرلے اگر یہ بات بھول گئی تو تیرا ایمانِ حقیقی جاتا رہا)

نفس اور روح دونوں (دل پر قبضہ کرنے کے لئے) اپنی اپنی زور آزمائی کرتے ہیں تاکہ دل کے ارادے کو چھو کر اپنی پسند کا عمل وجود میں لاسکیں۔ اگر نفس کامیاب ہوجائے تو گناہ، اور اگر روح کامیاب ہوجائے تو نیکی پیدا ہوجاتی ہے انسان اچھائی کرنے لگتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ جاننا بھی لازم ہے کہ ارادے (دل) کی تگ وتاز روح تک جاتی ہے، جس کا جوہر عقل ہے۔ عقل ایک نور ہے جو اچھائی بُرائی کی شناخت کرتا ہے۔ روح قوی ہو تو عقل دل کے بعض ناپسندیدہ ارادوں کو دل ہی میں ختم کردیتی ہے البتہ بعض ارادے اعضا میں پھیل جاتے ہیں۔ ہمارے اعضاء کی حرکات

ہمارے اعمال ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ

(بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے)

اگر انسان کا ارادہ نفس کے رنگ سے بد ہو گیا تو بدی وجود میں آئے گی۔ آنکھ، کان، ناک، زبان، پاؤں بُرائی کی رغبت اختیار کریں گے۔ اور اگر روح نفس پر غالب آئے گی تو تمام قویٰ نیکی کی رغبت اختیار کریں گے۔ نفس و روح کی جنگ جاری رہتی ہے اور ہر انسان اپنی انفرادی کوشش سے روح کا غلبہ حاصل نہیں کر سکتا (بہت مجاہدے اور کامل علم وارادہ کی ضرورت ہے) اس لئے انسان کو کسی ایسے روحانی انسان کی ضرورت ہوتی ہے جس کے روح کی طاقت کے غلبے سے نفس مغلوب ہو جائے تاکہ اس میں روحانی قدرت پیدا ہو جائے اور وہ نیک بن جائے۔ تزکیۂ نفس کسی کی روحانی طاقت کے ذریعے (آسان تر) ہوتا ہے۔ جب وہ روحانی مرشد اپنی توجہ اس کے قلب پر کرے گا تو نفس مغلوب ہو جائے گا اور اگر وہ اپنے پیرومرشد کو چھوڑ دے گا تو نفس پھر اپنا غلبہ کرے گا اور وہ گناہ میں پھنس جائے گا۔ نفسِ مطمئنہ (تزکیہ کی) ایک ایسی حالت ہے کہ جو اسے کبھی بُرائی کی جانب نہ جانے دے اور نفس کا غلبہ نہ ہو۔ ہر نبی خاص طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو چیزیں تزکیۂ نفس اور علمِ کتاب کے ساتھ مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہے تاکہ وہ برائی کو مغلوب کریں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (آلِ عمران، آیت ۱۶۴)

(بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنین پر بڑا احسان کیا کہ اُن میں سے ایک رسول اُٹھایا جو ان پر آیات کی تلاوت کرتا ہے، اُنہیں پاک کرتا ہے اور اُنہیں کتاب کا علم دیتا ہے اور حکمت سکھاتا ہے اور اس سے پہلے تو یہ لوگ بالکل کھلی گمراہی میں پڑے تھے)

انبیاء علیہم السلام کو حکمت اس لئے عطا کی جاتی ہے تاکہ وہ لوگوں کا تزکیۂ کر کے اُن کے نفوس کو پاکیزہ بنائیں جسم و نفس دونوں پاکیزگی پائیں۔ کتاب و حکمت کے ذریعے انبیاء علیہم السلام لوگوں کے جسم و قلب کو صحت و پاکیزگی عطا کرتے ہیں، قلوب کی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔

اگر کوئی شخص اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق اللہ اللہ کرتا رہے گا تو اس کی مثال اس درخت جیسی ہے جس کا پھل خود بخود لگتا ہے اور کچا پکا گر جاتا ہے۔ اگر اس درخت کو کسی اچھے میٹھے شیریں پھل والے درخت کی شاخ سے پیوند لگ جائے گی تو اس کا پھل بھی شیریں اور صحت مند ہوگا جو لذّت وراحت میں کہیں زیادہ ہوگا۔ دوسری مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ اگر دودھ خود بخود پھٹ جائے گا تو اس میں سے مکھن اور گھی تیار نہ کیا جاسکے گا۔ اگر دہی کی جاگ لگادی جائے گی تو مکھن اور گھی بھی بن سکتا ہے اور چاچھ (لسّی) بھی بنے گی۔ اس لئے انسان جب تک کسی کی بیعت نہ کرے گا اُسے فیض حاصل نہیں ہوگا۔ اپنے آپ رب رب کرنے سے دل کے غلاف پھٹ نہیں سکتے۔ جب پیر و مرشد کی نگاہ ہوتی ہے تو دل کے غلاف پھٹ جاتے ہیں، قلب جاری ہوجاتے ہیں اور دل ہر وقت اللّٰہُ اللّٰہُ پڑھنا شروع کردیتا ہے۔ یہ ذکر روحانی غذا بنتی ہے اور شیطانی اثرات دور ہوجاتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کا ارشاد ہے کہ جب تم ذکرِ الٰہی کرتے ہو تو شیطان دور بھاگ جاتا ہے۔ قرآن پاک نے شیطان راندۂ درگاہ سے اللہ کی پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے اَعُوذُ باللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیم۔ غلبۂ شیطان سے بچنے کے لئے ذکرِ الٰہی کرنا ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ ذکرِ الٰہی سے عشق ومحبت پیدا ہوتی ہے جو اصل روحانی غذا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً فَلَہُ جَزَاءً
(جو شخص بھی ایمان لائے اور نیک عمل کرے اس کیلئے اجر ہے)

(الکھف، آیت ۸۸)

پانچ وقت نماز کی ادائیگی فرض ہے اس کا صلہ اللہ تعالیٰ نعمتوں کے رنگ میں عطا فرماتا ہے۔ جنّت کے رنگ میں عطا فرماتا ہے جس طرح وہ چاہتا ہے اجر دیتا ہے۔ حج کریں گے تو وہ اس طرح پاک بنادے گا جس طرح ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں۔ تمام گناہ مٹادے گا۔ لیکن وہ خدا سجدہ کرنے والے کو سجدہ نہ کرے گا، کعبہ کا طواف کرنے والے کے گھر کا طواف نہ کرے گا لیکن فرمایا:

فَاذْکُرُونِیْ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوالِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ

(البقرہ، آیت ۱۵۲)

(تم میرا ذکر کرو، میں تمہارا ذکر کروں گا، میرا شکر کرو اور ناشکری نہ کرو)

ایک حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''جو بندہ مجھے اپنی جان میں یاد کرتا ہے تو

میں اس کو اپنی جان میں یاد کرتا ہوں، اگر وہ مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں انسانوں سے بہتر مجمع یعنی ہجومِ ملائکہ میں اس کو یاد کرتا ہوں۔''

معلوم ہوا کہ ذکر الٰہی وہ نیک عمل ہے جس کا مقام تمام اعمالِ صالحات سے بڑھکر ہے اِس سے انسان کی رُوح بہترین فتوح حاصل کرتی ہے۔ایک حدیث میں آتا ہے کہ ''انسان جس جگہ پر ذکرِ الٰہی کرتا ہے وہ جگہ جنّت کا ایک ٹکڑا بن جاتی ہے۔'' ایک مقام پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''لوگو! جب تم جنّت کے باغات کے قریب سے گزرتے ہو تو اس کے پھل کھایا کرو۔'' پوچھا یا حضرت یہ کیونکر ہوسکتا ہے؟ فرمایا ''جہاں بھی حلقۂ ذکرِ الٰہی ہوتا ہے اور اللہ کی یاد کی جاتی ہے وہ جنّت کا باغ ہے اس سے فیض حاصل کیا کرو۔''

ایک روایت میں آتا ہے کہ اس حلقۂ ذکر کے قریب سے گزرنے والے لوگ بھی فیض اور ثواب سے محروم نہیں رہتے۔ایک روایت میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کے فرشتے ان لوگوں کو تلاش کرتے رہتے ہیں جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوں اور جب اُنہیں کوئی ایسی جگہ مل جاتی ہے تو وہ دوسروں کو آواز دیتے ہیں کہ آؤ ہمیں ہمارا مطلوب مل گیا۔'' اور پھر زمین سے آسمان تک فرشتوں کی قطاروں کی قطاریں بندھ جاتی ہیں اور فرشتے ذکر کرنے والوں کی زیارت کرتے ہیں القصہ ذکرِ الٰہی کا مقام تمام اعمال سے زیادہ ہے۔اس میں انسان کے نفس، روح، ارادے، اور تمام حرکات وسکنات کی اصلاح ہو جاتی ہے لیکن یاد رہے کہ صاحبِ حال ہونا بھی ضروری ہے صرف قال سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ذکر میں محویت ہر وقت رہنی چاہیے۔ چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے لیٹے ہوئے ذکرِ الٰہی میں مداومت حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔کھاتے پیتے ہنستے بولتے ذکر کرتے چلے جایئے۔اللہ تعالیٰ پر توکل اور کامل بھروسا رکھیئے ٹھیک اس گھڑے سر پر رکھے ہوئے چلتی ہوئی عورت کی طرح اپنی توجہ گاگر میں رکھیئے اپنے ذکر کے اندر شاغل رہیے۔اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی اس عظیم سعادت سے سرفراز فرمائے۔ اپنی رحمت اور برکت ہمارے شاملِ حال کرے اور ہمیں اپنی برکات اور رحمتوں میں جگہ عطا فرمائے (آمین)۔وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

ہمہ وقت یادِ حق اور قُربِ الٰہی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ قَدْجَاءَ کُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌوَّ کِتَابٌ مُّبِیْنٌ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًاوَّ نَذِیْرًاوَّ دَاعِیاً اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَاجاً مُّنِیْراًوَّ نَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰینَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ کَلَامِہِ الْقَدِیْمِ قُرْآنِ الْعَظِیْمِ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ **اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًاوَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ** اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰینَا مُحَمَّدٍوَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ اِلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَعَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَاحَبِیْبَ اللّٰہِ۔

خوشنودیٔ الٰہی کے لئے اہلِ ایمان کی جانب سے کئے جانے والے اعمالِ صالح ایک سے بڑھکر ایک ہیں اور حق تعالیٰ ہر نیک عمل کا ثواب عطا فرماتے ہیں:

مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً فَلَہٗ جَزَاءً

(جو شخص بھی ایمان لائے اور نیک عمل کرے اس کیلئے اجر ہے)

(الکہف، آیت ۸۸)

جب بارگاہِ حق میں کوئی نیک عمل پیش کرتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اُسے اُس کے عمل کا ثواب عطا فرماتا ہوں۔ آپ نماز پڑھیں گے تو اگر حق تعالیٰ چاہے تو ایک نماز کے بدلے سات (۷) نمازوں کا اجر دے، چاہے تو ستر (۷۰) نمازوں کا ثواب عطا فرمائے، پسند فرمائے تو سات سو (۷۰۰) نمازوں کا اجروثواب عطا فرمائے۔ اگر آپ مسجدِ نبویؐ میں نماز ادا کریں تو پچاس ہزار نمازوں کا ثواب دے اور اگر کعبۃُ اللہ میں نماز ادا کریں تو ایک لاکھ نمازوں کا ثواب عطا

فرمائے الغرض وہ جسقدر چاہے اجر وثواب عطا فرمائے۔ میرے دوستو! ثواب ملے گا اور ثواب ہی ملے گا۔ آپ جس قدر پڑھتے جائیں وہ ثواب عطا فرماتا جائے گا، اجر کو بڑھائے گا۔ وہ اپنے اجر وثواب کو خواہ کسی رنگ اور کسی شکل میں عطا فرمائے، دنیا میں عطا فرمائے یا جنّت کی صورت میں عطا فرمائے وہ صاحبِ شانِ کریم خداوندِ ذوالجلال بڑھ چڑھکر اجر وثواب عطا فرماتا ہے۔ نیک اعمال سے انسان کا وجود پاکیزہ ہو جاتا ہے اگر آپ نے سچے دل سے صحیح توبہ کی ہے، گناہوں کی بخشش کا اصل معنی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ پر سے گناہوں کے اثرات زائل کر کے آپ کو معاف فرما دے۔ آپ نے کعبۃ اللہ پر ایک نگاہ کی تو اس نے اس کے بدلے میں آپ کو پاکیزہ کر دیا۔ آپ نے اللہ کے گھر کا طواف کیا تو اس کے لئے بھی اجر ہی ہے لیکن حق تعالیٰ اس کے بدلے میں آپ کے گھر کا طواف ہرگز نہیں کرے گا۔ بلکہ وہ ارشاد فرماتا ہے کہ میں کعبۃ اللہ کا طواف کرنے والوں کو پاک کر دوں گا، معاف کردوں گا، درگزر فرماؤں گا، بخش دوں گا اور بالآخر جنّت میں آباد کروں گا لیکن کسی کے گھر کا طواف مَیں ہرگز نہیں کرنے والا، آپ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کیجئے لیکن میں کسی کو سجدہ نہیں کروں گا۔ فرمایا صرف ایک ہی کام ایسا ہے جو بدلے میں مَیں بھی کروں گا:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (البقرہ، آیت ۱۵۲)

(پس تم میرا ذکر کرو، میں تمہارا ذکر کروں گا)

مطلب یہ کہ آپ مجھے یاد کریں گے میں آپ کو یاد کروں گا، حدیثِ پاک میں یہ مضمون آتا ہے کہ قیامت کے روز جب حشر برپا ہوگا۔ تمام مخلوق بارگاہِ حق میں حساب دینے کیلئے اکھٹی کی جائے گی اُس وقت اللہ تعالیٰ اپنے میزان میں ہر ایک کی نیکیوں کو تولے گا، فرمان ہوگا۔ آج اپنے مقام پر میں ہر شے عطا کروں گا جو حسبِ حال ہو۔'' بعد ازاں اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ ''اے لوگو! تم لوگوں نے جسقدر بھی اعمال کئے، اگر بدی کی ہے تو میں نے ایک بدی کا بدلہ ایک بدی کو قرار دیا ہے اور اگر نیکی کی ہے تو (جسقدر اخلاصِ نیت) اس کے لئے میں نے سات سو سے لے کر ستّر ہزار گُنا تک اجر عطا فرمایا ہے، کیا تم لوگوں میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جو میرے حضور میری شکایت کرتے ہوئے یہ کہہ سکے کہ آج ربّ نے میرے ساتھ ناانصافی کی ہے یا ظلم کیا ہے؟''۔ تمام مخلوق اور تمام موجودات یک زبان ہو کر کہے گی کہ یا اِلٰہ العالمین! ہم نے جسقدر اعمال کئے تھے تو نے اس کا بدلہ کئی گنا زیادہ عطا فرمایا ہے۔'' وہاں اُس جگہ کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ ہوگا جو یہ کہہ سکے کہ یا ربّ تو نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا، مجھ پر ظلم کیا ہے یا ناانصافی برتی ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرمائے گا ''بے شک میں مالک یوم الدّین ہُوں، انصاف کے دن کا مالک ہوں۔''

جب تمام مخلوق حق تعالیٰ کی انصاف دوستی اوراحسان پروری کا اقرار کرلے گی تو حق تعالیٰ ارشاد فرمائے گا ''اے لوگو! اے میرے بندو! تم نے جو کچھ بھی کیا میں نے اس کا بدلہ کئی گنا بڑھ کر دے دیا لیکن میں تم سے سوال کرتا ہوں مجھے جواب دو کہ تم نے جو کچھ کیا وہ اپنے لئے کیا اور بدلہ وصول کر لیا اب یہ بتاؤ کہ میرے لئے کیا لے کر آئے ہو کیونکہ تم جو کچھ بھی یہاں لے کر آئے تھے اپنے لئے لائے تھے، جس نے بھی نیک عمل کیا اُس نے اپنی جان کے لئے کیا۔ اگر تم نمازیں ادا کرتے تھے تو اپنے لئے ادا کرتے تھے (تمہاری نمازوں سے میری بزرگی میں کوئی اضافہ ممکن نہیں) تم نے روزے رکھے تو اپنے لئے رکھے، حج ادا کئے تو اپنے لئے کئے، تمہارے نیک اعمال کا فائدہ صرف اور صرف تم نے حاصل کیا لیکن میں نے تمہیں دیکھنے کے لئے آنکھیں دیں، سماعت کے لئے کان عطا کئے، بولنے کے لئے زبان، پکڑنے کے لئے ہاتھ، سوچنے کے لئے دل، چلنے کے لئے پاؤں دیئے، اِن کا بدلہ میرے لئے کہاں ہے؟ میں نے تمہیں زندگی دی، رزق دیا، اولاد دی، چاند اور سورج سے تمہیں فائدہ پہنچایا، ہر چیز تمہارے لئے پیدا کی، کائنات تمہارے لئے مسخر کردی، ہر نعمت سے نوازا، بغیر کچھ تم سے عوض لئے تمہیں سب کچھ عطا کیا، تم بھی انصاف کرو، بتاؤ میرے لئے کیا لائے ہو؟'' اللہ تعالیٰ کا یہ اندازِ تکلم سُن کر تمام مخلوق اپنے سر جُھکا لے گی، حرف زدن کی مجال نہ ہوگی، اُس وقت کچھ بندگانِ خدا اُٹھ کھڑے ہوں گے اور کہیں گے ''یا اللہ ہم بتائیں گے کہ ہم تیرے لئے کیا لائے ہیں اور یہ کہ ہمارے پاس تیرے لئے کیا چیز ہے جو تیرے لائق بھی ہو۔'' اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا ''ہاں! آج تم لوگ بات کرو۔'' وہ کہیں گے ''یا اللہ ہم تیرے پاس ایک ایسی چیز لائے ہیں اور اپنے ساتھ ایک ایسا تحفہ لائے ہیں جس کا رازداں صرف تُو ہے یا پھر ہم ہیں، تیرے فرشتے بھی اس راز سے آگاہ نہیں کہ وہ کیا شے ہے کیونکہ فرشتے صرف اسی فعل کو دیکھ سکتے ہیں جو جسمانی حرکات کے سبب عمل کے ساتھ ظاہر ہو۔''

اگر آپ زبان سے اونچی آواز میں ''اللہُ'' کہیں گے، اللہ ھُو کہیں گے تو وہ فرشتوں کے دفتر میں لکھا جائے گا، وہ نیک و بد عمل جو ہاتھوں سے انجام دو گے فرشتے اُسے لکھ لیں گے، جو کچھ کانوں سے سنو گے وہ بھی لکھا جائے گا، جو کچھ زبان سے بولو گے اس کا سچ جھوٹ بھی لکھا جائے گا، پاؤں سے چل کر اچھی یا بری جگہ گئے وہ بھی فرشتے لکھ لیں گے لیکن جو بات تمہارے دل کی دھڑکن سے تعلق رکھتی ہے وہ فرشتوں کی نگاہ سے اوجھل ہے، فرشتے جسمانی حرکات کا علم رکھتے ہیں۔ سینوں کے اندر قلوب کی باتوں کو جاننے والا خود اللہ ہے۔ ''وہ لوگوں کے سینوں میں چھپی ہوئی باتیں بھی جانتا ہے۔''

دوستو! آپ کے دِلوں کی چُھپی ہوئی باتوں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، فرشتے بھی نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ خود بتاتا ہے کہ اُسے اپنا ذکر کس انداز سے زیادہ پسند ہے، اگر ذکر الٰہی کرنا ہے تو کس طرح کرنا چاہیے؟

فرمایا کہ اگر میرا ذکر کرنا چاہو تو اپنی جان میں کرو، بڑی ہی عاجزی کے ساتھ، ریاکاری سے بچتے ہوئے لوگوں سے چھپا کر۔ ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کو بھی معلوم نہ ہو کہ فلاں شخص ذکر الٰہی کر رہا ہے، یہی اخلاص کا تقاضا ہے کہ کسی کو پتا نہ چلے کہ فلاں ذکر میں مصروف ہے یا یونہی خاموش بیٹھا ہوا ہے یا یہ کہ کسی سے مصروفِ گفتگو ہے یا کوئی اور کام کر رہا ہے۔ اہلِ دنیا سے مخفی ذکر الٰہی کیجئے، نہایت اخلاص اور عاجزی کے ساتھ، اپنی جان میں کیونکہ عالم الغیب والشہادہ جاننے والا ہے، اُس کا ذکر کرنے والا جانے یا مولا کریم جانے، طالبِ حق جانتا ہو، یا مذکورِ حقیقی اس ذکر سے آگاہ ہو، فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو، اللہ تعالیٰ یوں ہی پسند فرماتا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًاوَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ

(آلِ عمران، آیت ۱۹۱)

(اللہ کے بندے وہ ہیں جو کھڑے ہوں، چل پھر رہے ہوں تو
اللہ کا ذکر کرتے ہوں، بیٹھے ہوں تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوں،
لیٹے ہوں تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوں)

دوستو! انسان کی عمومی طور پر یہی تین حالتیں ہیں چوتھی حالت انسان پر وارد نہیں ہوتی، بندہ کھڑا ہوتا ہے خواہ چل رہا ہو، بیٹھا ہوا ہوتا ہے یا پھر لیٹا ہوا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں حالتوں پر اپنا ذکر واجب کر دیا ہے اسی لئے مفسرین لکھتے ہیں کہ:

فَاذْکُرُوا اللّٰهَ فِیْ کُلِّ الْاَحْوَالِ وَفِیْ جَمِیْعِ
الْمُقَامَاتِ وَّفِیْ جَمِیْعِ الْاَوْقَاتِ اَوْ قِیَامًاوَ اَوْقُعُوْدًاوَ
اَوْجُنُوْبِکُمْ

(پس اللہ کا ذکر کرو تمام حالتوں میں، ہر ایک جگہ، ہر ایک وقت،
جب تم کھڑے ہو اور جب تم بیٹھے ہو اور خواہ جب تم اپنی کروٹوں
پر لیٹے ہو)

میاں! اللہ کا ذکر ہر حالت ہر جگہ، ہر وقت چاہیے اور جسم کی تمام حالتوں میں کھڑے، بیٹھے اور لیٹے، یہ کس طرح کا ذکر ہے؟ جو مہلت ہی نہیں دیتا؟ کچھ ایسا ہی معاملہ ہے کوئی دم غافل

نہ ہو، اسی حالت کو یوں کہا گیا ہے ''جو دم غافل سو دم کافر'' دراصل یہ قرآنی آیت ہی کا ترجمہ ہے یہ ہمہ وقت ذکر جو اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ بندوں سے طلب کر رہا ہے کیا یہ زبان سے کیا جانے والا ذکر ہے؟ بھائی صاحب! زبان نے تو دنیا کی باتیں بھی کرنی ہیں، معمولاتِ روزگار میں بھی یہ زبان ایک اہم ذریعہ ہے، اس معاشرتی زندگی میں قدم قدم پر بات چیت کی ضرورت پڑتی ہے، کاروبار کے بھی کچھ تقاضے ہیں، بعض اوقات ناپسندیدہ بات بھی منہ سے ٹپک پڑتی ہے، مذکورہ حکمِ الٰہی زبانی ذکر سے کسی طرح بھی مناسبت نہیں رکھتا، زبانی ذکر (ذکر بالجہر) کے علاوہ ایک اور بھی ذکر ہے جسے ''ذکرِ پاس انفاس'' کہا جاتا ہے، ایک اور ذکر کا طریق ''حبسِ دم'' بھی ہے، حق تعالیٰ جو ذکر طلب فرما رہا ہے ان اذکار میں سے کون سا ہے؟ مذکورہ دونوں اذکار کے طریق سانس کے ساتھ ہیں، مکمل یکسوئی اور تنہائی کا تقاضا کرتے ہیں، ہمہ وقت نہیں کئے جا سکتے کیونکہ سانس یوں بھی فانی ہے جبکہ جو ذکر طلب کیا گیا ہے وہ ذکر باقی ہے، مسلسل ہے متواتر ہے۔ ایک اور ذکر بھی ہے جسے ذکر نفی اثبات کہتے ہیں، بعد ازاں ذکرِ قلبی بھی ذکر ہے قلب کی دو اقسام ہیں: (۱) قلبِ مجازی (۲) قلبِ حقیقی۔ قلبِ مجازی ہی کا ایک نام قلبِ صنوبری بھی ہے، اسی طرح قلبِ حقیقی کا ایک نام قلبِ نیلوفری بھی ہے۔

قلب کا لفظی معنی ہے ''اُلٹا'' لٹکا ہوا، ٹیڑھا، معلق وغیرہ۔ آپ نے جانوروں کا دل دیکھا ہوگا (گوشت کی دکانوں پر) کہ دل نیچے کی جانب لٹکا ہوتا ہے، جس طرح کوئی پھل کسی شاخ پر جھول رہا ہو، وہ نچلے رُخ پر ہوتا ہے اور اسکی موٹی تہ (گڈی) اوپر کی جانب ہوتی ہے لیکن اہلِ فقر کے نزدیک دل اُلٹا نہیں ہوتا بلکہ اُسے سیدھا تصوّر کیا جاتا ہے گویا ایستادہ سمجھا جاتا ہے۔ وہ ذکرِ قلبی جو مجازی دل کے ساتھ کیا جاتا ہے اس کے ساتھ وسوسہ قریبی تعلق رکھتا ہے (ہر طرح کے خیالات آتے جاتے رہتے ہیں لیکن ذکر کرنے والا دل اور ذکر پر توجہ رکھتا ہے، خیالات کا تعاقب نہیں کرتا) چنانچہ اس کے اندر نفس کے شیطان کے داخل ہونے کے امکانات ہوتے ہی ہیں (صرف اُن کی جانب متوجہ نہیں ہونا چاہیے، ایسے وسوسے ایک دو پل ٹھہرتے ہیں پھر خود ہی مٹ جاتے ہیں اور نئے خیالات ان کی جگہ لے لیتے ہیں) لیکن ذکر الٰہی جو دل سے کیا جائے اس کا محفوظ طریقہ یہ ہے کہ قلبِ مجازی (صنوبری) کی بجائے قلبِ حقیقی (نیلوفری) کے ساتھ ذکر کیا جائے کیونکہ اس کے اندر شیطان داخل نہیں ہو سکے گا (کیونکہ ذکرِ قلبی کی شعوری کوشش اور محویت جلد ہی قلب کی اپنی رغبت بن کر تحت الشعوری رجوعِ کامل میں تبدیل ہو جاتی ہے اور ایک طرح کا جذب و سرور اور کیفیت و راحت ملنے لگتی ہے) ہمارے سرکار قبلۂ عالم (مخدوم العصر حضرت خواجہ محمد کریم اللہ عباسی

قادری) رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کلامِ عاشق (گنجِ عرفان) میں اسکی جانب متوجہ فرماتے ہوئے یوں ارشاد کیا ہے۔

ل۔ لقلقہ ذِکر ہے ذِکر عاماں، ذِکر جہریہ ذکر زبان دا اے
اتے وسوسہ ذکر صنوبری دا، اشتیاق دل ذکر خاصان دا اے
خاص الخاص دا ذکر ہے ذِکر سردا انحد مُرلیاں خوب وجاوندا اے۔
ذکر عارفاں ذکرتھیں گزر جانا عاشق عاشقاں ذکر دھیان دا اے

(لقلقہ زبان کے ذریعے کیا جانے والا ایسا ذکر ہے جیسے منہ ہی منہ میں بغیر آواز پیدا کئے کسی اسم یا نام کی تکرار کی جاتی ہے، ذکرِ جہریہ زبان سے کئے جانے والا وہ ذکر ہے جو آواز، صوت ولحن کے ساتھ کیا جاتا ہے مذکورہ دونوں ذکر مجازاً ہی ذکر کہلاتے ہیں، اصل ذکر کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب کوئی زبان کو حرکت دیئے بغیر اپنے دل سے ذکر کرتا ہے جس میں رجوع وشوق کیف آور ہو اور اسکی دو اقسام باعتبار حالتِ دل ہیں (۱) صنوبری (۲) نیلوفری، ہر چند کہ ذکر قلبی بھی خاصان کا ذکر ہے اور کیونکہ اسکی بصیرت عوام کے لئے حاصل کرنا دشوار ہے جب تک کہ کوئی شیخِ کامل اپنی قلبی توجہ سے کسی کے دل کو ذکرِ قلبی میں مشغول نہ کرے۔ خاص الخاص درویش سرّی ذکر کرتے ہیں جس میں دل کے ذکر کی دھڑکن سے ہم آہنگی کی ضرب سر میں محسوس ہوتی ہے اوہام، خیال، تصور محو ہو جاتے ہیں گویا کسی ایک ہی سُر پر بانسری بج رہی ہو۔ عارفوں کا ذکر، ایک معنوی ذکر ہے جو لفظ واسم سے ماوراء ایک رجوعِ کامل میں قرب کی کیف آور مشغولیت ہے جس میں ارادہ کبھی شامل ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔ اے عاشق عاشقوں کا ذکر تو محض ایک غیر شعوری رجوعِ کامل ہے یعنی جذبِ عشق ومستی سے وہ ہمہ وقت اپنے معشوقِ حقیقی کی جانب یکسو اور متوجہ رہتے ہیں)

مطلب یہ ہے کہ عاشق لوگ اپنی داخلی رغبتِ عاشقانہ کے سبب ہمہ حال اللہ تعالیٰ کی جانب دھیان رکھتے ہیں اس میں ارادے سے زیادہ محبت وشوق کا دخل زیادہ ہوتا ہے الغرض حق تعالیٰ اپنے بندگانِ خاص سے جس ذکر کا تقاضا کرتا ہے وہ ایسا ہی ذکر ہے جو ہر وقت چوبیس گھنٹے جاری رہتا ہے جس میں کوئی دم بھی غافل نہیں رہتا چونکہ یہ ذکر ارادے سے کچھ آگے طبیعتِ ثانیہ کا

خاصّہ ہے اس لئے نیند میں بھی قلب حق تعالیٰ کی جانب متوجہ رہتا ہے جس کی خبر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں دی ہے کہ "میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل نہیں سوتا۔" دراصل یہی وہ ذکر ہے جسے صحیح معنوں میں ذکرِ الٰہی کہنا چاہیے اور یہی حق تعالیٰ کو مطلوب ہے، اہلِ شوق جب اس ذکر کے لئے محنت وکوشش کرتے ہیں تو حق تعالیٰ عنقریب دستگیری فرماتا ہے، جب دوستو! یہ ذکر تم میں پیدا ہو جائے گا تو پھر وہم، گمان، خیال تصور کی اوپری سطح ہٹ جائے گی اور پھر شیطان ہرگز تمہارے دل میں داخل ہی نہ ہو سکے گا کیونکہ شیطان ہمیشہ اوہام، گمان، خیالات اور تصورات کی آوارگی کے ذریعے ہی دل میں داخل ہوتا ہے جب خالص ذکرالٰہی سے دل جگمگا اُٹھے گا تو تمہارا دل (شیطان تو خیر چیز ہی کیا ہے) فرشتوں کی پہنچ سے بھی بلند ہو جائے گا۔ یاد رہے محبت اور ذکرِ الٰہی کے لئے خلوص ہی اصل شے ہے۔ یاد کیجئے قرآن مجید کی وہ آیت جس میں شیطان نے اللہ تعالیٰ سے انسانوں کو گمراہ کرنے کی مہلت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص بندوں کے اخلاصِ کامل پر اعتبار کرتے ہوئے اُسے اجازت دے دی اور یہ بات سامنے آئی کہ "لیکن اُس گمراہ کرنے والے کا اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں پر ہرگز کوئی زور نہ چلے گا۔"

خدائے بے نیاز نے فرمایا کہ مجھے کوئی پروا نہیں، اگر تو قیامت تک کی زندگی مانگتا ہے تو دیتا ہوں لیکن جو بندے میرے مخلص ہیں ان پر تیری حکومت نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا عبد وہ ہوتا ہے جو اپنے سینے میں اسکی محبت کچھ اس انداز سے سینچتا ہے کہ اپنی ہستی اُس کی ذاتِ بے نیاز میں فنا کر دیتا ہے۔ ایسا بندہ نفسِ مطمئنہ کا مالک ہوگا، صاحبانِ نفسِ مطمئنہ سے حق تعالیٰ کلام فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نفسِ مطمئنہ رکھنے والے بندے سے فرماتا ہے کہ تو میرے بندگانِ خاص میں شامل ہو جا:

يَاۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً
مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ

(فجر، آیت ۲۷ تا ۳۰)

(اے نفسِ مطمئنہ! تو اپنے رب کی طرف رجوع کر، تو اس سے راضی ہے تو وہ تجھ سے راضی ہے اور بہت خوش بھی، میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنّت میں داخل ہو جا)

دوستو! حدیث پاک میں افضلُ الذکر:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

آیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنے اسم کے ذکر کے بارے میں یوں بھی

فرمایا ہے:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيهِ تَبْتِيلاً (مزمل، آیت ۸)

(اور اپنے رب کے نام کا ذکر کر اور سب سے کٹ کر اسکی جانب متوجہ ہو)

حکمِ الٰہی میں ''رب کے نام کا ذکر'' ارشاد فرمایا ہے مطلب یہ کہ اپنے رب کے نام کی اس انداز سے کثرت کے ساتھ تکرار کر کہ تجھے ہر شے فراموش ہو جائے۔ ذکر اسمِ رب کو یوں اپنے جان و دل میں پختہ کر، بس سبھی سے منقطع ہو کر ذکر اسمِ ربّ ہی میں گم ہو جا، مقصد ہے خداوندِ کریم کے نام کو ''پکانا'' اللّٰہُ اللّٰہُ اللّٰہُ یہی کہنا ہوگا، ستنام (سچا نام، اسمِ اعظم) کیونکہ خداوندِ کریم ہم سے وہ ذکر طلب کرتا ہے جو ہر وقت جاری رہے، ایک لمحہ بھی جس سے غفلت نہ کی جائے۔ وہ ذکر جسے وہ طلب کرتا ہے قلبِ جاریہ اور قلبِ حقیقی (نیلوفری) کے بغیر ناممکن ہے لیکن ہر شخص خود بخود اس ذکر میں کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک کوئی (مرشد و ہادی اُس کے اُلٹے) دل کو سیدھا کرنے والا نہ ہو۔ جب تک اُلٹے دل (غافل) کو سیدھا کرنے والا نہ ملے، جب تک خوابیدہ و مردہ دل کو بیدار و زندہ کرنے والا نہ ملے (کامیابی مشکل ہے) اپنے آپ کوئی چیز معرضِ وجود میں نہیں آتی جب تک کوئی بنانے والا نہ بنائے، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نشد
ہیچ آہن خود بخود تیغے نشد
مولوی ہرگز نشد مولائے روم
تا غلامِ شمسِ تبریزے نشد

(ناچیز خود بخود کوئی شے نہیں بن جاتا، بے ڈھب لوہا خود بخود تلوار نہیں بن جاتا۔ مدرس ہرگز از خود روم کا آقا نہیں بن جاتا جب تک وہ شمس تبریزؒ کا غلام نہ بن جائے)

فرماتے ہیں کہ اس دنیائے گیتی میں کوئی بھی شے اپنے آپ کسی قابلِ ذکر چیز میں نہیں ڈھلتی۔ نہ یہ زمین اپنے آپ بنی ہے نہ آسمان اپنے آپ بنا ہے، نہ چاند سورج از خود وجود میں آئے ہیں، نہ انسان نہ فرشتہ، نہ جنّت کی مخلوق ہی از خود وجود میں آئی ہے نہ جمادات، نباتات میں قدرت تھی کہ بغیر صانع وجود میں میں آتیں، نہ مشرق و مغرب اپنے آپ بن گئے ہیں، نہ شمال و جنوب میں اتنی جرأت کہ وہ کسی آموزگار کی احتیاج نہ رکھتے، کائنات کی جانب دیکھو یہ خلا جسے محض فاصلہ

اور پھیلاؤ یعنی عدم تخلیق سمجھا جاتا ہے یہ بھی ایک تخلیق ایک وجود ہے جو کسی صنّاع و فاطر دانائے بے مثل کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ کوئی چیز ایسی نہیں جو اپنے آپ بن سکتی جب تک اس کے بنانے والا موجود نہیں۔ جب بنانے والے نے بنایا تو ہر چیز بن گئی، کون ہے وہ؟ کیسے بنا لیتا ہے وہ؟ کیا نوعیت ہے اسکی قدرت کی؟ فرمایا:

اِنَّمَآ اَمۡرُہٗۤ اِذَآ اَرَادَ شَیۡـًٔا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ

(یٰسٓ، آیت ۸۲)

(وہ جب کسی چیز (کے بنانے) کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ''ہو جا'' بس وہ ہو جاتی ہے)

صنّاعِ عالم کی تخلیق کا بنیادی نقطہ کیا ہوا؟ ''ارادہ'' اور جہتِ تخلیق؟ ''کُن''۔ وہ جب کچھ بنانے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ''ہو'' اور وہ چیز ہو جاتی ہے، یہ وہ خالق ہے جس نے ساری کائنات کو پیدا کیا ہے۔ اپنے آپ کوئی شے نہ پیدا ہوئی نہ ہو سکتی تھی۔ سو (مولانا رومؒ) فرماتے ہیں اپنے آپ لوہے کا ٹکڑا تلوار نہیں بن جایا کرتا جب تک کسی کاریگر کے ہاتھ نہ لگیں، کاریگر ہی اُسے بے ڈھب ٹکڑے سے چمکتی تلوار بناتا ہے اگر کاریگر اپنا ہُنر نہ دکھاتا تو لوہے کا ناچیز ٹکڑا تلوار نہ بن سکتا اور نہ وہ کسی مجاہد کے لئے جہاد فی سبیل اللہ میں اس کا ہتھیار بن سکتی۔ فرمایا (مولانا رومؒ نے) کہ میں تو ایک معمولی سا مولوی مدرس تھا، مجھے سو پچاس لوگ جانتے ہوں گے۔ ماجھے (مشرقی پنجاب کا ایک ضلع) والے جانتے ہوں گے (طنزاً) لیکن اب میرا یہ مقام ہے کہ تمام مُلکِ روم مجھے مولائے روم کے نام سے پکارتا ہے، یہ مقام کیونکر ملا؟ فرمایا کہ میں اس وقت تک مولانا روم نہیں بنا جب تک اپنے پیرو مرشد حضرت شاہ شمس تبریز رضی اللہ عنہ کی غلامی اختیار نہ کی جب میں اس کا غلام بن گیا تو ساری دنیا کا آقا بن گیا ہوں کیونکہ میں نے اس کی غلامی اس طرح اختیار کی کہ اس میں فنا ہو گیا۔

دوستو! اگر کوئی فخرِ کائنات سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سچا غلام بن جائے تو کیا وہ دنیا کا آقا نہیں بن سکتا؟ بن سکتا ہے بلکہ ان کے شیر بھی رہنمائی کرتے ہیں، بھولے بھٹکوں کی منزلِ مطلوب کی جانب ہدایت فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک صحابی اپنا واقعہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اثنائے سفر میں پگڈنڈی کھو گئی، راستہ بھول گیا، میں نے سوچا کہ اب تو میں بالکل ہی راستہ گنوا چکا ہوں، اب میں کیا کروں، دور دور تک کوئی آدم زاد نہیں جو میری مدد کرے، آخر ہوتے ہوتے انتظار طول کھینچ گیا اور پھر کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شیر ادھر آن نکلا۔ میں

نے شیر سے مخاطب ہو کر کہا ''اے شیر! کیا تو جانتا ہے کہ مَیں کون ہوں؟ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک غلام ہوں اور اس جنگل بیابان میں راستہ بُھول گیا ہوں۔'' جب شیر نے سنا تو اس نے اپنا سر زمین پر رکھ کر میری تعظیم کی، پھر سر اٹھایا اور دم ہلاتا ہوا میرے آگے آگے رہنمائی کرتے ہوئے چل پڑا۔ جب میں سیدھے اور واضح راستے تک پہنچ گیا تو شیر واپس پلٹ گیا۔ میاں جی! جو لوگ اُن کے غلام ہیں ساری کائنات اُن کی غلام بن جاتی ہے لیکن کوئی اُن کا سچا غلام ہی کسی دوسرے کو ان کا غلام بنا سکتا ہے، خواہ مخواہ کسی کو ان کی غلامی کا راستہ بھی نہیں ملتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے غلام دراصل ساری کائنات کے آقا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد فرماتے ہوئے یہ خوشخبری دی (حدیث قدسی) کہ۔

مَنْ کَانَ اللّٰہُ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ

(جو اللہ کا ہو جاتا ہے تو اللہ اس کا ہو جاتا ہے)

تو اللہ کا بن جا، اللہ تیرا بن جائے گا، جب تو اس کا مقرب بن جائے گا تو تیرا رب تیری آنکھ بن جائے گا، تیرا رب تیرے کان بن جائے گا، تیرا رب تیری زبان بن جائے گا، تیرا رب تیرے قدم بن جائے گا، تیرا رب تیرے ہاتھ بن جائے گا۔ جب تم ایسے مقرب شخص کو دیکھو گے تو کہو گے کہ یہ تو بندہ ہے لیکن اگر تم اس کی حقیقت کو دیکھو گے تو کیا کہو گے؟ خود ہی انصاف کر لو۔

اسی لئے آپؒ (مخدوم العصر حضرت خواجہ محمد کریم اللہ رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ''قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہ'' فرماتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ خداوند کریم نے اُنہیں اجازت دے رکھی ہے اور اجازت ایک ہی بار ہوتی ہے۔ یہ نہیں کہ بار بار اجازت طلب کرتے ہوئے پوچھنا پڑتا ہے۔

اب یہ تو بتاؤ کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک یمنی حبشی حبیب، ابو جہل نے بھیجا تھا یہ کہہ کر حضورؐ سے آسمانی معجزہ یعنی چاند کا معجزہ طلب کرے تو کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معجزہ (شق القمر) دکھانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے تھے؟ اور یہ کہا تھا؟ کہ یا مولا! میں بشر ہوں، میں بندہ ہوں میں کمزور ہوں، ایسی چیز میری طاقت سے باہر ہے، تو خالق ہے، تو ہر چیز پر قادر ہے، تو ہی یہ سب کچھ کر سکتا ہے، تو ہی چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھا سکتا ہے۔ مجھ میں ایسی طاقت کہاں ہے؟ میں تو ادنیٰ سا آدمی ہوں، میرے اندر تو کوئی طاقت ہی نہیں۔

بتایئے کہ اس قسم کے الفاظ کسی سیرت وحدیث کی کتاب میں منقول ہیں؟ یا اس طرح کی

کوئی دعا کسی راوی نے روایت کی ہے؟ واقعہ سب جانتے ہیں کہ یمنی حبشی حبیب کو ابو جہل نے طلبِ معجزہ کے لئے بھیجا اور اچھی طرح سے تاکید کی کہ آسمانی معجزہ ہی طلب کرنا کیونکہ یہ (محمدؐ) دنیا کی ہر شے پر جادو (معاذ اللہ) کر دیتا ہے، اب اگر معجزہ طلب کرنا ہی ہے تو آسمانی معجزہ طلب کریں گے جس کا زمین سے تعلق نہ ہو۔ وہ (یمنی حبشی حبیب) جاتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حاضر ہوتا ہے اور عرض کرتا ہے ''میں ایک خاص معاملہ کے بارے میں آپ کے روبرو حاضر ہوا ہوں'' آپؐ نے ارشاد فرمایا ''کہو کیسے آنا ہوا؟'' عرض کی ''حضور! ایک بات تو میں بیان کروں گا لیکن دوسری بات میں نہ بیان کروں گا۔'' حضورؐ نے فرمایا ''جو بات تجھے بیان کرنی ہے وہ بیان کر دے، دوسری بات میں خود بتا دوں گا۔'' حبشی حبیب نے معجزہ طلب کرتے ہوئے کہا ''یہ چاند جو چمک رہا ہے اسے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیں۔'' حضورؐ نے کوئی دعا نہیں مانگی اور نہ اپنی کمزوری و بے بسی کا اظہار کیا۔ حضورؐ نے اسی وقت دایاں ہاتھ بلند کیا اور انگشتِ شہادت سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ یہ کس قسم کا اختیار تھا جو حضور کو حاصل تھا؟ حضورؐ کا چاند کی جانب انگلی مبارک کا اشارہ کرنا اور چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا، معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار دے رکھا ہے، نہ تو حضورؐ نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ ''تو کر'' اور نہ ہی یہ کہا کہ ''میں ہرگز نہیں کر سکتا۔'' کافر نے چاند کے دو ٹکڑے طلب کئے حضورؐ نے کر کے دکھا دیئے کہ یہ لے۔ اختیار۔ دوسری بات جس کے بارے میں حبشی حبیب نے کہا تھا کہ میں نہ بتاؤں گا اس کا بتانا ابھی باقی تھا کہ حضورؐ نے اس سے پہلی بات یعنی معجزہ کے بارے میں پوچھا کہ ''جو بات تو نے آسمان پر دیکھی ہے اس کا تجھ پر کچھ اثر ہوا ہے کہ نہیں؟ یمنی حبشی حبیب نے کہا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم مجھ پر تو اثر ہوا ہے لیکن جو لوگ ابو جہل ہیں وہ لوگ تمام عمر ابو جہل ہی رہیں گے، ان پر اس معجزے کا کچھ اثر نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ان پر آپؐ کے وجودِ اقدس کا اور نہ ہی آپ کی دعا کا کچھ اثر ان پر ہو سکتا ہے۔'' بعد ازاں حبشی نے کہا ''میں آپ کا کلمہ پڑھنا چاہتا ہوں۔'' آپؐ نے اُسے کلمہ پڑھا کر داخلِ اسلام کیا اور فرمایا ''اب تو اپنے گھر جا'' اس نے عرض کی ''یا حضرت ایک بات اور تھی جس کے بارے میں میں نے کہا تھا کہ میں نہ بتاؤں گا''۔ حضورؐ نے فرمایا ''کونسی بات؟ یہی نا کہ تمہاری ایک بیٹی ہے جو آنکھوں سے اندھی، پاؤں سے اپاہج اور اس کے ہاتھ ٹیڑھے ہیں اور وہ کانوں سے بہری اور زبان سے گونگی ہے، اسی کے بارے میں بات کرنا چاہتے تھے نا؟ جا میرے دوست تو نے کلمہ پڑھ لیا ہے اب سیدھا اپنے گھر چلا جا۔'' جس وقت وہ حبشی اپنے گھر جاتا ہے اور دروازہ کی زنجیر کھٹکھٹاتا ہے تو اندر سے آواز آتی ہے ''کون؟'' وہ کہتا ہے ''میں حبیب ہوں'' جواب

ملتا ہے ''ابا جان ذرا باہر ہی ٹھہریں'' پوچھا ''کیوں کیا بات ہے؟'' جواب ملا ''میں غسل کر رہی ہوں، ابھی کپڑے پہن کر دروازہ کھولتی ہوں۔'' تھوڑی دیر کے بعد لڑکی نے کپڑے پہنے اور دروازہ کھول دیا۔ جب یمنی حبشی حبیب نے اپنی بیٹی کا چاند سا روشن چہرہ دیکھا تو وہ حیران رہ گیا، اب نہ وہ اندھی تھی نہ اپاہج، نہ اس کے ہاتھ ٹیڑھے تھے، نہ وہ بہری رہی تھی نہ گونگی حبیب ششدر رہ گیا، پوچھا ''بیٹی! تم کون ہو، میں تجھے پہچان نہیں سکتا۔'' بیٹی نے عرض کی کہ ''میں آپ کی وہی بیٹی ہوں جو اندھی، گونگی بہری اور اپاہج تھی اور جو اپنے آپ چارپائی سے اُٹھ بھی نہ سکتی تھی۔ اب مجھ میں کوئی عیب نہیں رہا۔ میں بالکل تندرست ہوگئی ہوں۔'' پوچھا ''یہ کس طرح ہو گیا؟'' عرض کیا ''ابا جان جس وقت آپ گھر سے باہر مجھے دروازہ کھولنے کا حکم دے رہے تھے اس وقت وہ میرے قریب ہی کھڑے تھے جنہوں نے مجھے صحت بخشی ہے۔ ایک کالی کملی والے آقا آئے تھے، چاند جیسا چہرہ خوبصورت زلفیں تھیں وہ یہاں تشریف لائے تھے۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا ''بیٹا اُٹھ کر بیٹھ جاؤ'' اور میں اُٹھ بیٹھی۔ انہوں نے مجھے کلمہ پڑھایا اور میں لا الٰہ الاّ اللہ محمدؐ رسول اللہ پڑھ کر مسلمان ہوگئی۔ انہوںؐ نے فرمایا ''جس قدر تمہاری بیماریاں تھیں وہ ہم نے دور کر دی ہیں۔''

مطلب یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس طرح اپاہجوں کو صحت بخشتے تھے ہم تیری ہر بیماری دور کر دیں گے، اندھوں کو بھی ٹھیک کر دیں گے، اپاہجوں کو بھی ٹھیک کر دیں گے، گونگوں کو بھی ٹھیک کر دیں گے، ہم سب کو ٹھیک کر دیں گے۔

لڑکی نے بتایا ''ابا جان! جس وقت میں نے دروازہ کھولا تھا، آپ اندر آئے تو وہؐ باہر چلے گئے۔''

مقصد بات کرنے کا صرف یہ تھا کہ جو شخص اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں اختیار دے دیتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اختیار کے ساتھ مُردوں کو زندہ کرتے ہیں، اندھوں اپاہجوں کو ٹھیک کرتے ہیں۔ مٹی کے پرندے بنا کر ان میں پھونک مار کر اُڑا دیتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اجازت عطا فرما دی ہے۔ اجازت دینے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ جب بھی انسان کوئی کام کرے اس وقت اللہ سے کہے کہ یا اللہ میں یہ کام کرنے والا ہوں، مجھ سے تو ہوگا ہی نہیں، تو اپنے پاس سے کر دے، نہیں ایسا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے بس فرما دیا ہے کہ ''جا کر'' ایک مثال سے سمجھئے:

ایک اُستاد اپنے کسی شاگرد کو کوئی کام سکھا دیتا ہے، اچھی طرح سمجھا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میاں جا یہ کام اسی طرح سے کیا کر اور اسے اچھی طرح سیکھ لے۔ اس کا مطلب کیا یہ ہے وہ شاگرد

جب بھی اس کام کو کرنے لگے بھاگم بھاگ استاد کے پاس جائے اور ہر بار اجازت طلب کرے کہ استاد جی! کیا میں یہ کام کروں؟ کیا سیکھا ہوا شاگرد بھی بار بار استاد سے پوچھ کر کرے گا؟ جب ایک کام اچھی طرح سیکھ لیا اور استاد نے اجازت دے دی ہے تو پھر کسی خصوصی معاملے اور رکاوٹ وغیرہ یا غیر معمولی صورتحال میں کی گئی گزارش الگ معنی رکھتی ہے (جس کی مثال آگے آتی ہے) حق یہ ہے کہ رب العزت نے اجازت عطا فرما دی ہے، اذن و اختیار بخش دیا ہے۔ درحقیقت اصل شے ہی اختیار ہے۔ رب تعالیٰ نے اختیار دے دیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اختیار دے دیا کہ جا اور مُردوں کو بھی زندہ کر کے دکھا دے تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔

مُردوں کے زندہ کرنے کے معاملے میں ایک اہم نکتہ کی بھی وضاحت ضروری ہے۔ ایک شخص ''قم باذن اللہ'' کہتا ہے تو کوئی ایسا بھی ہے کہ ''قم باذنی'' کہتا ہے۔ میں صرف (حضرت خواجہ محمد کریم اللہ رحمۃ اللہ علیہ) کے اشعار کا لفظی ترجمہ کر رہا ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ اس کتاب (کلام عاشق، گنجِ عرفان) میں حضورؒ کی سی حرفی کے ایک ایک شعر میں کس قدر راز پنہاں ہیں اور کیسی کیسی رفیع الشان باتیں بیان کی گئی ہیں اور ہر انسان کے لئے اس بحرِ المعانی میں کس قدر دریا موجزن ہیں۔ میں تو ایک ایک شعر کے بارے میں دس دس روز تک بات کر سکتا ہوں تو بہر حال حضرت شمس تبریزؒ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد تھے اور شیخ شمس ملتانیؒ کے بارے میں بعض نے لکھا ہے کہ شمس تبریزیؒ روم سے گم اور روپوش ہو گئے تھے اور یہاں آ گئے تھے لیکن ہم شیخ شمس ملتانیؒ کو اور بزرگ مانتے ہیں اور شاہ شمس تبریزیؒ اور بزرگ تھے۔ اِن دونوں بزرگوں کے واقعات کُتب میں ملتے ہیں۔ حضرت شیخ شمس ملتانیؒ دراصل حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، ان کا ایک واقعہ یوں منقول ہے کہ ایک بچہ مر گیا تو شیخ شمس ملتانیؒ اسے زندہ کرنے کی غرض سے وہاں پہنچے اور پہلے کہا قم باذن اللہ لیکن بچہ زندہ نہ ہوا، دوبارہ پھر قم باذن اللہ کہا یعنی اللہ کے حکم سے زندہ ہو جا، وہ بچہ پھر بھی زندہ نہ ہوا، پھر آپؒ نے فرمایا قم باذنی (زندہ ہو میرے حکم سے) تو بچہ زندہ ہو گیا۔ اس واقعہ سے مولویوں نے شیخ شمس ملتانی پر فتویٰ لگا دیا (جادوگر قرار دے دیا) یوں شیخ شمس ملتانیؒ کی کھال جیتے جی کھینچ کر انہیں شہید کر دیا گیا۔ یہ کفر و شرک کا فتویٰ اس لئے لگایا گیا کہ اس نے قم باذنی کہہ کر بچے کو کیوں زندہ کیا ہے؟

بھلے لوگو! اس (واصل باللہ نے) قم باذنی کہہ کر مُردے کو زندہ کر دیا ہے تم خواہ ہر وقت قم باذنی کہتے رہو، تم سے تو کبھی مرا ہوا کتا بھی زندہ نہیں ہوتا۔ شیخ شمس ملتانیؒ کو ایسی قدرت و طاقت خداوندِ کریم نے ہی بخشی تھی۔ یہاں میں ایک واقعہ عرض کرنا چاہوں گا کہ جنوں موم سے باہر

''ہندل دے،، میں ایک مرتبہ مَیں گفتگو کر رہا تھا اور وہاں کسی نے میرے سامنے (شیخ شمس ملتانیؒ کے خلاف ملتانی مولویوں کے فتویٰ کی حمایت میں) فتویٰ پیش کیا کہ دیکھو جی (خواہ مخواہ شمس ملتانی کو ولی اللہ) بنالیا ہے، میں نے کہا کہ میاں! یہ ایک سچا واقعہ ہے کہ درویش نے قم باذنی کہا تو مردہ زندہ ہو گیا، قم باذن اللہ کہا تو نہ ہوا، وہ شخص کہنے لگا کہ ''جی یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ نبی (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) تو قم باذن اللہ کہتے تھے اور وہ قم باذنی کہے؟،، میں نے کہا کہ برخوردار بھائی مولوی صاحب! بات صرف یہ ہے کہ ایک استاد آپ کو ایک طریقہ سکھا دیتا ہے مثلاً (ریاضی کا) ایک مسئلہ سمجھا دیتا ہے، استاد کہتا ہے کہ مولوی صاحب یہ کام اس نوعیت کا ہے اور اس طرح حل کرو گے تو ہو جائے گا تمہارا سوال حل ہو جائے گا۔ جب تم جا کر وہ کام کرتے ہو (سوال حل کرتے ہو) لیکن تم سے نہیں ہوتا، دوسری بار پھر کرتے ہو لیکن پھر نہیں ہوتا، تیسری مرتبہ تم اپنے استاد کے پاس جاتے ہو اور کہتے ہو کہ استاد جی! آپ نے مجھے اچھا سمجھایا ہے، میں نے ایک بار کیا نہیں ہوا، دوسری بار کیا نہیں ہوا۔ استاد کہتا ہے کہ (کاپی پنسل) میری طرف کر، مجھے دے، میں نے تجھے کوئی کچھ غلط بتایا ہے؟ میں تجھے کر کے دکھاتا ہوں۔ استاد فوراً سوال حل کر کے دکھا دیتا ہے۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چند شمس ملتانی کو اختیار دیا کہ جا اور جا کر مُردے زندہ کر کے دکھا دے جب تو زندہ کرے گا تو میرے حکم سے ہو گا۔ جب شمس ملتانی نے کہا قم باذن اللہ بچہ زندہ نہ ہوا، مردہ پڑا رہا، پھر کہا قم باذن اللہ اے بچے اللہ کے حکم سے زندہ ہو جا، وہ پھر بھی نہ ہوا، اس نے ربّ تعالیٰ کی جانب دھیان کر کے کہا یا مولا! تو نے مجھے اجازت دی تھی لیکن مجھ سے یہ زندہ نہیں ہو رہا، وجہ کیا ہے؟ رب تعالیٰ نے کہا آ میں تجھے زندہ کر کے دکھاتا ہوں، خدا اس کی زبان پر بولا ''قم باذنی،، یہ رب تعالیٰ کی زبان ہے، رب تعالیٰ کے الفاظ ہیں۔ جب ولی کی زبان پر حق تعالیٰ نے کلام کیا تو مردہ زندہ ہو گیا۔ میں نے کہا کہ تم اس مقام کو کیا سمجھتے ہو؟ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر اللہ تعالیٰ بولتا ہے تو قرآن بنتا ہے اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زبان سے خود بولتے ہیں تو حدیث بنتی ہے۔ جب شمس ملتانیؒ نے خود کہا تو قم باذن اللہ ہی کہا لیکن جب (بہ سبب غلبۂ الٰہی) اسکی زبان پر حق تعالیٰ نے کلام کیا تو قم باذنی کہا۔ اس میں تمہیں کیا اعتراض ہے اور کیسا خوف دامن گیر ہے؟

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(مولانا رومؒ)

(اُس کا کہنا اللہ کا کہنا تھا اگرچہ وہ اللہ کے بندے کے حلق سے
کہا گیا)

حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

ق۔قُم باذنی دی آواز سُن کے دس تُدنوں کیہہ احتراز ہے وے
قم باذنی اتے قُم باذن اللہ لب یار تھیں اک آواز ہے وے
اِنّ اللّٰہَ یَنْطِقُ عَلیٰ لِسَانِ عُمَر ایس وچہ کیہا سوہناں راز ہے وے
عاشق عاشقاں اتے معشوق اَندر گدّی ناز تے کدی نیاز ہے وے

(جب اللہ کے ولی نے قم باذنی کہہ کر مردہ زندہ کر دیا تو اس کی آواز پر تجھے کیونکر احتراز ہے؟ قم باذنی اور قم باذن اللہ دراصل ولی اللہ کی شانِ فنا و بقا کے باعث ایک ہی آواز ہے جو حق تعالیٰ کی ہے۔ یاد کر کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہٗ کے صداقتِ حال اور مقام فنافی اللہ کے بارے میں کیا فرمایا تھا، یہ کہ بے شک اللہ تعالیٰ عمرؓ کی زبان پر کلام فرماتا ہے، اس ارشادِ پاک میں احوالِ اولیاء اللہ کے بارے میں کیا ہی بے مثل راز پوشیدہ ہے۔ اے عاشق، عاشقوں اور معشوق کے درمیان یہ ناز و نیاز کے سلسلے اور فنا و بقا کے احوال ہمیشہ یونہی چلتے رہیں گے)

کبھی انتہائے رضا و فنا کے باعث عاشق بھی معشوق بن جاتا ہے اور کبھی عاشق کی گداز جان اور بے انتہا قربانیوں کو دیکھ کر معشوق خود اپنے عاشق پر عاشق ہو جاتا ہے۔ بخاری شریف میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ میرے دو نام ہیں زمین پر میرا نام محمدؐ ہے اور آسمانوں میں احمدؐ۔ میرے دو وزیر زمین پر اور دو آسمانوں پر ہیں۔ آسمانوں پر میرے دو وزیر جبرائیلؑ اور میکائیل علیہم السلام ہیں اور زمین پر ابوبکرؓ اور عمرؓ ہیں۔

خداوندِ کریم کے دو نام حامد اور محمود ہیں۔ حامد کا معنی ہے تعریف کرنے والا محمود کا معنی ہے تعریف کرانے والا۔ احمد اسم فاعل تفضیلی کے معنوں میں آتا ہے افعل کے وزن پر سب سے زیادہ حمد کرنے والا اور محمدؐ سب سے زیادہ تعریف کرانے والا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے الحمد للہ رب العٰلمین ہر ایک صفت ہر ایک حمد صرف اللہ کی ذات کیلئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، حمد خواہ تھوڑی ہو، یا زیادہ ہو۔ ظاہر میں ہو، یا باطن میں ہو خواہ انسان کے علم میں ہو، خواہ انسان کے علم سے باہر ہو۔ اس کا تعلق خواہ اس دنیا سے ہو خواہ اس دنیا سے، ہر قسم کی حمد ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے

مختص ہے کہ وہ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَلِلّٰهِ الْحَمْد
پس حمد اللہ کی ذات کے لئے ہے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہستی ایسی ہے کہ جس کی حمد
(تعریف) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ رب العزت فرماتا ہے سارا جہان میری حمد کرے اور میں تیری حمد
کروں اے میرے محبوب:

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمدؐ

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

فرمایا اے کملی والے محبوب! سارا جہان میری مرضی پر چلنے والا ہے، سارا جہان میری
رضا کا طالب ہے، سارا عالم جس طرح میں کہوں کرتا ہے لیکن اے میرے محبوب جو کچھ تم کہو میں
وہی کرتا ہوں، جس طرح تو راضی اس طرح میں راضی، جس بات پر تو راضی نہیں میں بھی راضی
نہیں، حق تعالیٰ نے فرمایا میں خود تیری رضا ہوں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (الضحیٰ، آیت ۵)

(اور آپ کا ربّ آپ کو اسقدر عطا فرمائے گا کہ بس آپ راضی
ہو جائیں)

سورہ الضحیٰ میں کہا گیا کہ اے محبوبؐ قیامت کے دن تو جس طرح راضی ہوگا میں ایسے ہی
تجھے راضی کروں گا۔ میں ہر چیز تجھے عطا کروں گا۔ تو جس طرح خوش ہوگا میں تجھے خوش کروں گا
میں تیری رضا مانوں گا، ساری کائنات میری رضا مانتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا۔

رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ (اعراف، آیت ۱۴۳)

اے مولا میں تیری ذات کو ملنا، تجھے دیکھنا چاہتا ہوں، موسیٰ علیہ السلام طالب بن گئے
موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی لیکن ایک طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم سوئے ہوئے ہیں، آرام فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت میکائیلؑ اور جبرائیلؑ سے فرماتا ہے
کہ اے فرشتو! جا کر میرے محبوب کو لے آؤ۔ فرشتوں نے عرض کی ''مولا ہم تیرے محبوب کو لے کر
آنے کی طاقت نہیں رکھتے، ہم جا کر کیا عرض کریں، ہم تو ان کے خادم ہیں، غلاموں کی کیا جرأت
ہے کہ آقا کو زبردستی لے آئیں۔ یا مولا ہمیں کلماتِ دعوت عطا فرما، ہم ان سے جا کر عرض کریں اور
تیرا جیسے فرمان ہو اس کے مطابق عمل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''فرشتو! جاؤ اور جا کر میرا پیغام دو
کہ ''اے محبوب صلی اللہ علیک وسلم آپ کا ربّ آپ کو دیکھنے کا شوق رکھتا ہے۔'' حضرت موسیٰ علیہ

السلام رب تعالیٰ کو دیکھنے کا شوق رکھتے ہیں اور اِدھر خود رب تعالیٰ کملی والے کو دیکھنے کا شوق رکھتا ہے یہ ہے مقام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔

اب میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کا کیا ایمان تھا۔ حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضورؐ کے درباری شاعر تھے، حضورؐ کی نعت میں فرماتے ہیں۔

وَشَقَّ لَہٗ مِنْ اِسْمِہٖ لِیَجُلَّہٗ

وَذُوالْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَھٰذَا مُحَمَّدٌ

(اور وہ جن کا نام بھی صاحبُ العرش محمود کے نام ہی میں سے نکالا

گیا ہے تاکہ وہ بھی روشن ہو جائے وہ ذاتِ ذوالمجد کون ہے ہاں

وہ یہ ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو تشریف فرما ہیں)

دوستو! جب بھی حضورِ اقدس کا نام پاک سُنائی دے، یا سامنے آئے، کانوں میں پڑے صلی اللہ علیہ وسلم ضرور پڑھا کیجئے کیونکہ حضور کا ارشاد پاک ہے کہ جس شخص کے سامنے میرا نام لیا جائے (محمدؐ) اور وہ پھر بھی مجھ پر درود نہ پڑھے اُس نے مجھ پر ظلم کیا۔ ہاں تو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے ارشاد کا مطلب واضح ہوا کہ وَشَقَّ لَہٗ باسْمِہٖ الَّذِیْ لَوْلَہٗ اللہ تعالیٰ نے اپنے نامِ پاک میں سے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک مُشتق کیا، نکالا۔ عرش کا مالک محمود ہے اور آپ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ (دوسرا نام احمدؐ ہے) ہم کیا کلمہ پڑھتے ہیں؟

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہُ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضور کا نام زمین کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آسمانوں کے لئے احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ خداوندِ کریم حضور کی مدحت و توصیف فرماتا ہے اور احمد کا معنی ہے حمد الٰہی کرنے والا سب سے بڑھ کر چنانچہ تمام کائنات، تمام مخلوقات، تمام انبیاء اولیاء اقطاب اور تمام مومنین سے بھی بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی ہے۔ جنّات ہوں کہ ملائکہ، انسان ہوں یا دیگر مخلوقات آپ کا منصبِ احمدؐ حمدِ الٰہی میں ہر طرح سے سربلند و سرفراز ہے مطلب یہ کہ کوئی ذی نفس بھی خداوندِ کریم کی اسقدر حمد نہیں کرسکتا جس قدر حضور اقدس نے کی ہے۔ اور جب حق تعالیٰ نے اپنے آپ کو حضورؐ کی توصیف کے لئے حامد بنایا تو سبحان اللہ جو تعریف حضورؐ کی اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے وہ ذاتِ کبریاء کے ساتھ خاص ہے کوئی اسکی برابری نہیں کرسکتا۔ معلوم ہوا کہ پہلے حضور حبیب تھے اور خدا محبوب۔

بخاری شریف میں ایک روایت آتی ہے کہ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم باہمی طور پر محوِ گفتگو

تھے کہ حضرت نوح علیہ السلام نجی اللہ تھے، موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ تھے، ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ تھے، عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ تھے، اور ہمارے حضور صرف محمدؐ رسول اللہ ہیں۔ محض اللہ کے رسول۔ اس سے بڑھکر ہمارے لئے کوئی چیز نہیں آئی۔ حضورؐ نے آتے ہوئے اس گفتگو کا کچھ حصہ سماعت فرمایا اور ارشاد کیا کہ اے میرے دوستو! نوح علیہ اسلام کو اپنی نجات پر فخر تھا ابراہیم علیہ السلام کو اپنی دوستی پر، موسیٰ علیہ السلام کو کلیم ہونے پر اور عیسیٰ علیہ السلام کو روح ہونے پر فخر تھا۔

اَنَا حَبِیبُ اللّٰہِ وَلَا فَخرٌ وَّ اَنَا قَائِدِ الْمُرسَلِیْنَ وَلَافَخرٌ

(میں اللہ کا دوست ہوں لیکن اس پر فخر نہیں اور میں تمام رسولوں کا امام بھی ہوں لیکن اس پر بھی فخر نہیں)

دیگر روایات میں یہ بھی منقول ہے کہ حضور نے فرمایا اَنَا اِمَامُ النَّبِیّنَ اَنَا خَاتَمُ النَّبِیّنَ اَنَا رَحْمَۃٌ لِلْعٰلَمِیْنَ وَلَا فَخرٌ۔ فرمایا مینوں کسے گل اُتے وی فخر نہیں، میں کسی لقب القاب میں مدفون نہیں ہوا نہ کسی تعریف پر مرمٹا ہوں۔ دوستوں نے عرض کی حضور آپ کسی بات پر فخر بھی کرتے ہیں؟ فرمایا ہاں۔

اَلْفَقرُ فَخرِیْ وَالْفَقرُ مِنِّیْ

مجھے فقر پر فخر ہے یہی فقر میرا فخر ہے اور مجھے کسی بات پر فخر نہیں ہے، خواہ میں رحمۃ للعالمین ہوں، خاتم النبیین ہوں، حبیبُ اللہ ہوں خواہ ہر مقام رکھتا ہوں۔

حُسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری
آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(جامیؒ)

حُسن و جمال حضرت یوسف علیہ السلام کا ایک معجزہ تھا اور مُردوں کو زندہ کرنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا، اسی طرح یدِ بیضا چمکتے سورج جیسا ہاتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا یوسفؑ اس قدر شفّاف بدن تھے کہ پانی پیتے تو حلقوم بلوریں سے گزرتا ہوا پانی دکھائی دیتا تھا۔ یہاں مُلّا جامیؒ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن وسیرت کی تعریف فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم معجزہ ہائے یوسفیؑ وعیسویؑ وموسویؑ تو تمام تر آپؐ میں موجود تھے ہی، ہر صاحبِ کمال کا کمال آپ میں موجود تھا لیکن اس کے باوجود آپ میں کوئی ایسی خصوصیت ہے کہ پھر بھی آپ سب میں تنِ تنہا اور بے حریف ہیں آپ اپنی شان میں اس قدر یکتا ہیں، منفرد و تنہا ہیں کہ

آپؐ کی مثال کے لئے ہمارے پاس مثل ہی موجود نہیں ہے، مثال تو اس کی کسی سے دی جائے جس کا مثل موجود ہو۔ اللہ تعالیٰ نے وہ تمام خوبیاں اور معجزات جو تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام میں بطور صفاتِ احسن پیدا کیں حضور کو ان کا جامع بنایا اور اس پر مستزاد یہ کہ آپ کی مثل کسی کو نہ کیا چنانچہ شاعر کہتا ہے حضور کی ذاتِ اقدس میں ایسی کئی صفات ہیں جو آپ کے سوا کہیں اور نظر نہیں آتیں القصہ جو مقام و قرب و محبوبیت حضور کو بارگاہِ حق میں عطا ہوا ہے اس میں آپ اکیلے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے حبیب بھی ہیں اور محبوب بھی۔ حبیب کہتے ہیں محبت کرنے والے کو اور محبوب وہ ہے جس سے محبت کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ خود محمود ہے اور آپؐ کے لئے حامد ہے اور مقصود بھی، حضور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں اور حق تعالیٰ کے لئے احمد بھی بالآخر اللہ تعالیٰ خود حضور کے لئے حبیب بھی ہے اور محبوب بھی۔ اس شانِ قرب کا اہم ترین باعث کیا ہے؟ رب تعالیٰ نے فرمایا تھا۔

فَاذْكُرُونِىْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِىْ وَلَا تَكْفُرُوْنَ

حاصل یہ کہ اے میرے بندے تو میرا ذکر کرے گا تو کبھی وہ مقام بھی آجائے گا کہ میں تیرا ذکر کروں گا۔ تو میرا ذکر کر اور مجھے مذکور بنالے تو پھر ایک وقت میں تو بھی میرا مذکور بن جائے گا اور میں تیرا ذاکر بنوں گا۔ سرکار (حضرت مخدوم العصرؒ) نے سی حرفی میں لکھا ہے:

د۔ دل دیاں اکھیاں کھول ویکھیں آپے ذاکر تے آپ مذکور یارا
کوئی حرف ناہیں میرا وچہ نامے آپے ناظر تے آپ منظور یارا
باطن وچہ ظاہر، ظاہر وچہ باطن، آپے باطن تے آپ ظہور یارا
عاشق کون مختار ہے باہجہ اس دے آپے ناصر تے آپ منصور یارا

(دوئی اور غیریت چھوڑ دے، اپنے دل کی آنکھیں کھول جو توحیدِ احوالی کا دروازہ ہے تب تجھے معلوم ہو جائے گا کہ اس کو تو وہی یاد کرتا ہے جسے وہ خود یاد کرتا ہو، وہ خود ہی ذاکر اور مذکور ہے۔ اس کتابِ وجود میں میرا تو نام تک نہیں وہ خود ہی دیکھتا ہے اور اپنے آپ ہی کو دکھاتا ہے، وہ باطن میں (ھوالکل) ظاہر ہے اور ظاہر میں چُھپا ہوا (باطن) ہے اور جو چُھپا ہوا ہے اُس کو وہ خود ہی (بصورت موجودات) اظہار بخشے ہوئے ہے۔ اس قرب و وصل اور توحیدِ حال کے حصول میں کسی کو کچھ اختیار نہیں، وہ خود ہی مددگار ہے اور خود ہی وہ ہے جس کی مدد کی گئی ہے)

بندہ ذاکر ہے تو اللہ تعالیٰ مذکور ہے۔ جب ذکر الٰہی قلب کے رگ وریشے میں پھیل کر

قلب کی طبیعتِ ثانیہ بن جائے تو پھر بندہ مذکور ہے اور خود اللہ تعالیٰ ذاکر ہے۔ کبھی انسان حبیب ہے اور اللہ تعالیٰ محبوب ہے اور پھر بقدرِ اخلاص بندہ محبوبِ الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ حبیب ہے:

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ (المائدہ، آیت ۵۴)

(اللہ تعالیٰ اُن سے محبت کرے گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں گے)

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْعَنْهُ (المجادلہ، آیت ۲۲)

(اللہ تعالیٰ ان پر راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ پر راضی ہوئے)

پہلے راضی کون ہوا ہے؟ بندہ یا ربّ؟ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا ان پر اور وَرَضُوْعَنْهُ اور پھر وہ اللہ تعالیٰ پر راضی ہو گئے۔ یہی کچھ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ میں بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان سے محبت کی، اللہ تعالیٰ ان کا حبیب بن گیا اور وہ اس کے محبوب بن گئے۔ پہلے محبت اللہ تعالیٰ نے کی اور پھر وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہی وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہو کبھی يُحِبُّهُمْ اور کبھی وَيُحِبُّوْنَهٗ کبھی احمد اور حامد اور کبھی محمود اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام رکھتا ہے، اب اس میں ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟ ہمیں تو لفظوں کا ہیر پھیر ہی معلوم ہوتا ہے اور تو کوئی بات معلوم نہیں ہوتی کبھی ناز ہے اور کبھی نیاز ہے، اسے ہی راز و نیاز کہتے ہیں۔ کبھی اُسے احمد بناتا ہے اور خود محمود ہوتا ہے اور کبھی اس پر راضی ہوتا ہے اور کبھی اسکی رضا خود ماننے لگتا ہے۔ جو کچھ بھی ہے یہ راز و نیاز ہے سو آپ (حضرت خواجہ محمد کریم اللہ رحمۃ اللہ علیہ) نے لکھا ہے، فرماتے ہیں۔

عاشق عاشقاں اتے معشوق اندر کدی ناز تے کدی نیاز ہے وے

کبھی وہ قم باذن اللہ کہتا ہے اور کبھی اس میں وہ خود قم باذنی کہہ رہا ہے۔ کبھی وہ مذکور بن جاتا ہے اور کبھی ذاکر بن جاتا ہے۔ اسے ایک مثال سے حضور قبلۂ عالم (حضرت خواجہ محمد کریم اللہ) رحمۃ اللہ علیہ یوں بیان فرماتے ہیں۔

سایہ پری دا پوے جے آدمی تے کوئی اوسدی ہوش نہ رہے یارو
جو کجھ آکھدی اے پری آکھدی اے پر آدمی دے مونہوں کہے یارو
خالق پری دا پری توں گھٹ ناہیں غلبہ یار والا کون سہے یارو
صفت آدمی دی عاشق گم ہووے، جدوں یار آتخت تے بہے یارو

(اگر کسی کو پری کا سایہ ہو جائے تو اس شخص کے حواس مختل ہو جاتے

ہیں، اس کی زبان پر پری کلام کرتی ہے اگر چہ آدمی کے منہ سے ہی کلام کرتی ہے۔ وہ ذات خدائے کبیر کسی پری سے کم نہیں ہے جب اسکی انائے کبیر کسی شخص کی انائے صغیر پر غالب آجائے تو انسان کے لئے اپنے تعینِ بشری کو برقرار رکھنا ممکن نہیں ہے۔ انسان سے انسانی صفت گُم ہو جاتی ہے اور وجود انسانی پر حق تعالیٰ کا تصرف قائم ہو جاتا ہے)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ ''جس انسان پر جنات کا لمس پیدا ہو جائے اس انسان کے حواس ضائع ہو جاتے ہیں۔'' اس سے مثال اخذ کرتے ہوئے حضرت خواجہ کریم اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ خداوندِ کریم جس نے پری کو پیدا کیا ہے اسے پری کی قدرت سے کم کیونکر سمجھا جا سکتا ہے، اگر چہ وہ خدائے محیط کسی میں حلول نہیں کرتا لیکن انسان کی انائے صغیر پر اسکی انائے کبیر کا غالب آجانا اور خدا کا انسان کی زبان پر کلام کرنا کچھ ناممکن نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے امر پر ہر طرح سے غالب ہے:

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ (یوسف، آیت ۲۱)

جب اللہ کا عبد اپنے وجود کو اغیار کے ارادوں اور نفسی و نفسانی اثرات سے پاک کرتا ہے اور اپنے آپ کو مکمل طور پر امرِ الٰہی میں فنا کر دیتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا امر و ارادہ اسی طرح پورا ہوتا ہے جس طرح دیگر کائنات میں پورا ہوتا ہے دراصل حق تعالیٰ نے انسان کو پیدا ہی اس مقصد کے لئے کیا ہے کہ رضائے خداوندی میں پختہ ہونے کے بعد انسان نیابتِ الٰہی کے قابل ہو جائے اور حق تعالیٰ انسان کے ذریعے اپنے امر کو پورا کرے تا کہ ایک طرف انسان مشاہدۂ حق تک رسائی حاصل کرے اور دوسرے وہ کامل انسان خداوند کریم اور اسکی مخلوق کے درمیان وسیلہ و رابطہ کا کردار ادا کرے یہ نہایت ہی بلند منزل ہے اور دراصل یہی نیابتِ الٰہی، خلافتِ ارضی ہی وہ امانت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کو پیش کیا۔

امانتِ الٰہی وہ بارِ عظیم ہے جسے آسمانوں نے بھی اُٹھانے سے انکار کر دیا تھا، یہ وہ پہاڑ ہے جسے زمین نے بھی اُٹھانے سے معذرت کر لی تھی، یہ وہ آزمائشِ مرگ و حیات ہے جسے فرشتوں نے بھی قبول نہ کیا الغرض تمام کائنات نے اس بوجھ کو قبول نہ کیا لیکن انسان نے اس بارِ عظیم کو اُٹھا لیا گویا حق تعالیٰ سے کہہ رہا ہو کہ یا اللہ یہ پہاڑ مجھ ناتواں پر گرا دے میں تیری اس امانت کو اُٹھا لیتا ہوں (چونکہ اسکی شدت انسان کے امکانی علم سے باہر تھی اس لئے اس امانت کو قبول کرنے پر خدا نے انسان کو جاہل اور ظالم کہہ کر پکارا ''ہائے کیا اچھی کہی ظالم ہوں میں جاہل ہوں میں'') اس

جرأتِ رندانہ کے سبب جس کا تقاضا انسانی خمیر میں رکھا گیا تھا حق تعالیٰ نے انسان کے ساتھ اپنا قرب یوں جتایا کہ ۔

اَلاِنْسَانُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّہٗ (حدیث قدسی)

(انسان میرا راز ہے اور میں انسان کا راز ہوں)

اور قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَہٗ خَاشِعاً مُّتَصَدِّعاً مِّنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ (الحشر، آیت ۲۱)

(اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو تُو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے لرزہ براندام ہو جاتا)

بخاری شریف میں ایک حدیث منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کوہِ خیبر پر تھے اور آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی تھے کہ کوہ خیبر میں خشعاً متصدّ عا! من خشیۃ اللہ کی کیفیت طاری ہوگئی اور پہاڑ لرزنے لگا، حضور نے اپنا پاؤں مبارک پہاڑ پر مارتے ہوئے فرمایا اے پہاڑ ثابت قدم ہو جا اور ساکن ہو جا:

عَلَیْکَ نَبِیٌّ وَّ صِدِیْقٌ وَّ شَہِیْدًا

''تیرے اوپر ایک نبیؐ ایک صدیق دو شہید ہیں'' حالانکہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت کے بعد شہید ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی زندگی ہی میں اسکی خبر دے دی، حضورؐ کے وصالِ اقدس کے بعد دو سال چھ ماہ دس دن حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت رہی۔ اس کے بعد گیارہ برس تک حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت رہی اور تیرہ برس حضرت عثمانؓ کی خلافت رہی جبکہ اس سے چھبیس برس قبل اسکی خبر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دے دی اور صاف معنوں میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے لئے شہید کا لفظ استعمال کیا۔ اسے ہی علم غیب کہا جاتا ہے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر قرآن پہاڑ پر نازل ہوتا تو وہ لرزہ براندام ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ وَفِیْٓ اَنْفُسِمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (الذٰریات، آیت ۲۱،۲۰)

(اور زمین میں اور تمہاری جانوں میں اہلِ ایقان کیلئے نشانیاں ہیں تو کیا تم نہیں دیکھتے)

مذکورہ نشانیاں کن کے معائنہ ومشاہدہ کے لئے ہیں؟ ہر آدمی کیلئے نہیں ہیں، یہ صرف مسلمانوں یا مومنوں کے لئے بھی نہیں ہیں بلکہ للموقنین یہ صرف یقین کرنے والوں کے لئے ہیں، یقین کرنے والوں کے لئے زمین اور خود نفوسِ انسانی میں حق تعالیٰ کی نشانیاں ہیں اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ تو کیا تم نہیں دیکھتے؟ نشانی ایسی چیز ہوتی ہے کہ جب انسان کسی کی نشانی کی طرف دیکھتا ہے تو نشانی میں شانی دینے والا نظر آنے لگتا ہے گویا سامنے آجاتا ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری جانوں میں میری نشانیاں ہیں، زمیں میں میری نشانیاں ہیں یعنی اے کم نصیبو! یہ میری نشانیاں ہیں ان میں مجھے دیکھو، مطالعۂ نفس کرو، مشاہدۂ کائنات کرو۔

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

جن لوگوں نے اس محبوبِ حقیقی کا تصور، اسکی تصویر یا اسکی یاد اپنے دل میں قائم کی ہے وہ اپنی جان میں بھی اور ساری کائنات میں بھی اسی کو دیکھتے ہیں، انہیں ظاہر وباطن میں اسکی تجلیات حاصل ہوتی ہیں سو یہ حقیقت ہے کہ جب تم اللہ کے ذاکر بن جاؤ گے اور اسکی یاد میں شاغل رہو گے، چلتے پھرتے، کھڑے بیٹھے لیٹے اُسی کے ذکروفکر میں رہو گے تو میاں! تم پر بھی وہ وقت آجائے گا جب وہ تمہیں یاد کرے گا، ہر چیز کا ایک منتہائے کمال ہوتا ہے جب کمال حاصل ہو تو انسان کسی مقام پر پہنچتا ہے۔ جب تمہارا ذکر، ذکرِ الٰہی ''اُذْکُرْکُمْ'' کے کمال کو پہنچے گا تو تم اپنی منزلِ مراد کے قریب تر ہو جاؤ گے۔ جب وہ تمہیں یاد کرے گا تو تم نہال ہو جاؤ گے، نعمت پاؤ گے اور اس کا شکر بجالاؤ گے اور قیامت کے روز کیا ہی دل نشین منظر ہو گا جیسا کہ وہ طلب کرتا تھا، وہ کہیں گے مولا! ہم نے تجھے یاد کیا اور اسقدر اور اس طرح یاد کیا کہ خود کو بھول گئے۔

درمیانِ عاشق ومعشوق رمز ایست
کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

(عاشق اور معشوق کے درمیان ایک ایسا راز پوشیدہ ہے جس کی
کراماً کاتبین کو بھی خبر نہیں)

اللہ تعالیٰ کو اپنی جان ودل میں یاد کرنے والوں میں سے ہر ایک بارگاہِ الٰہی میں یہی کہے گا کہ یا اللہ میں نے تجھے تیرے لئے خالص تیرے لئے محبت سے یاد کیا، نہ جنّت کے لالچ، نہ نعمتوں کے طمع اور نہ دوزخ کے خوف سے بلکہ تجھے تیرے لئے تیری محبت کے لئے تجھے چاہا اور تیرا ذکر کرتا رہا، تجھے یاد کرتا رہا۔ اس لئے نہیں کہ حورانِ جنّت کی تحصیل ہو اور نہ اس لئے کہ تیری کسی

مخلوق پر اختیار حاصل ہو، تیری جنت و دوزخ، حوریں اور نعمتیں یہ تمام تیری مخلوق ہیں، میری عبادت مخلوق کیلئے نہیں تھی، آج ہمارا انعام کوئی مخلوق نہیں ہو سکتی بلکہ تیرا دیدار، تیرا قرب اور خود تُو ہے، ہمارے سینوں میں تیری محبت کا جو راز ہے وہ ہمارے اور تمہارے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

اللہ تعالیٰ اپنی محبت کے خالص طلبگاروں کی بات سُن کر فرمائے گا ہاں میرے محبوبو! تم نے جو کچھ کہا میں اسکی تصدیق کرتا ہوں، تم نے میری عبادت کا حق ساری کائنات میں خالص میری خاطر ادا کر کے دکھا دیا، میں نے تم پر جو بھی انعامات کئے اور دنیاوی نعمتیں بخشیں اُنہیں بھی تم نے میری یاد میں، میرے لئے خرچ کیا، میرے بندوں پر نرمی کی، میرے قرب کیلئے سخاوت کو اپنایا اور میری محبت اپنے سینوں میں رکھی اور میرے راستے میں بخل اور طمع کو دل میں نہ آنے دیا۔

دوستو! ہمیشہ یاد رکھنا کہ حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محبت کا لفظ ''حَبّ'' سے نکلا ہے۔ حب کا معنی ''بیج'' ہے تخم، گولی۔ بیج ہمیشہ زرخیز زمین میں رکھا جاتا ہے اور اس پر خاک ڈالتے ہیں پھر پانی دیتے ہیں تو اس میں سے ''پُر'' اُگتی ہے اور جب وہ نشوونما حاصل کر کے کونپل بن جاتی ہے اور پودا اوپر اٹھتا ہے اور پھر دراز اور صحت مند ہو جانے کے بعد اس پر برگ و ثمر آتے ہیں اور پھل بالآخر اپنے ساتھ نئے بیج بھی لاتا ہے۔ ہر وہ بیج جو زمین کے اوپر پڑا رہے کبھی نہیں اُگتا۔ بیج جب تک خاک اندر خاک ہو کر اپنی ہستی نہ مٹا دے، زمین کے اندر جب تک غرق نہ ہو جائے اُگتا ہی نہیں اور اگر تھوڑا سا اُگے لیکن اُسے پانی نہ ملے تو بھی ادھورا ہی نابود ہو جاتا ہے، تمام مراحل میں نگہداشت اور نموئے کشت چاہیے۔ جب پھل دار درخت جوان ہو نکلے گا تو پھر خود اپنی خدمت بھی کرے گا اور دوسروں کو بھی ایک لمبے عرصے تک پھل دیتا ہی رہے گا، سلطان باہو صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

الف اللہ چنبے دی بوٹی مرشد مَیں مَن لائی ہُو
نفی اثبات دا پانی ملیا جاں پھلّن بر آئی ہُو

جب محبت دل میں پیدا ہو جاتی ہے تو گویا دل زمین اور محبت بیج کی طرح ہے۔ انسان آنکھوں سے جو کچھ دیکھتا ہے وہ دل میں بھی آتا ہے، اور جو کچھ دل میں ہوتا ہے وہ آنکھوں میں بھی آتا ہے معلوم ہوا کہ رویت و احساس، یہ دیکھنا اور یہ محبت ان میں بہت قریبی رشتہ ہے، دید و محبت لازم و ملزوم ہیں۔ اسی طرح انسان کسی شے کو دیکھتا ہے تو اسکی چاہت دل میں پیدا ہوتی ہے دل کی محبت کامل ہو تو آنکھوں سے جھلکتی ہے۔ کامل محبت روح پر چھا جاتی ہے یوں پورے وجود کو اپنی آماجگاہ بنا لیتی ہے، چاہت روح تک سرایت کر جائے تو دیدار کی طلب ہوتی ہے اسی لئے لقائے

ربّی کو جزوِ ایمان رکھا گیا ہے جس دن محبت پیدا ہو جائے گی اس دن وہ چیز (دیدار واحساس) عبادت ہو جائے گی، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَنَّ نَظَرٌ اِلٰی وَجْهِ عَلِیٌّ عِبَادَةٌ

فرمایا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہُ کے چہرے کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے، کعبۃ اللہ کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے، ان کو دیکھنا عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔ ہر وہ شخص جس کے سینے میں محبت ہوگی (اس کے لئے ہی عبادت ہے) وہ ان (شعائر اللہ) کو ضرور دیکھنا چاہے گا اور جس کے دل میں محبت ہی نہیں وہ کبھی پاک چیزوں کو نہیں دیکھنا چاہے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ حَبَّ اَکْثَرُ ذِکْرُہٗ

(جسقدر محبت ہوگی، یاد (ذکر) بھی اُسکی اتنی ہی ہوگی)

اگر خداوندِ کریم کی محبت تیرے دل میں ہے تو تُو ہر وقت اسکی یاد میں مصروف ہے۔ اگر تجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہے تو تُو ان کی یاد میں مصروف ہے۔ اگر پیر ومرشد سے محبت ہے تو ہر وقت تیرے سینے میں اسکی یاد رہے گی۔ دراصل (رسوماتِ اذکار سے قطع نظر) بغیر محبت کوئی بھی مقام حاصل نہیں ہوتا۔ محبت ایک ایسی چیز ہے جو شے آنکھوں کو بھی نظر نہیں آتی، دل اُسے محبت کی کشش سے پالیتا ہے، جو چیز نظر نہیں آتی وہ اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔

یاد کیجئے حنّانہ ایک ایسا ستون تھا جو کھجور کے درخت کا سوکھا ہوا تنا تھا۔ کٹے ہوئے درخت کا حصّہ جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد کے اندر گاڑ دیا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ساتھ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے اور صحابہ کرامؓ سامنے بیٹھ کر سُنا کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل میں خیال آیا کہ ہم تو بیٹھے ہوتے ہیں اور حضور کھڑے ہو کر ارشاد فرماتے ہیں حضور بھی تھک جاتے ہوں گے چنانچہ باہمی مشورہ کر کے صحابہ کرامؓ نے لکڑی کا ایک منبر تیار کیا اور حضور کی خدمت میں اصرار کیا کہ حضورؐ منبر پر تشریف فرما ہو کر ارشادات فرمایا کریں، حضورؐ منبر پر تشریف فرما ہو گئے تو وہ کھجور کا کٹا ہوا تنا حضور کی جدائی میں اونچی آواز میں بلک بِلک کر رونے لگا جس طرح کوئی بچہ اپنی ماں کی جدائی میں روتا ہے، حضورؐ اور آپ کے اصحابؓ نے اسکی آواز سنی، تمام اصحابؓ حیران رہ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اے حنّانہ! بتاؤ تو سہی تمہارے رونے کی وجہ کیا ہے؟ اس نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی جدائی میں روتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا مجھے دوستوں نے مجبور کیا اور میں منبر پر چلا گیا۔ اس نے کہا حضورؐ جب آپ میرے ساتھ کھڑے ہو کر وعظ فرماتے تھے تو میرے سینے کو ٹھنڈک پہنچتی تھی، مجھ میں آپ

کی محبت پیدا ہو چکی ہے میں نہیں چاہتا کہ قیامت تک بھی آپ مجھ سے دور ہوں لیکن آج آپ مجھ سے جُدا ہو گئے ہیں۔ یہ جدائی مجھے مجبور کر رہی ہے کہ میں آہ وزاری کروں۔ آپؐ نے فرمایا تُو رو مت اگر تُو چاہے تو میں تجھے پھر ہرا بھرا درخت بنا سکتا ہوں، تجھے پھل بھی لگے گا اور میرے دوست تیرا پھل کھائیں گے اور اگر تو چاہے تو میں تجھے جنت میں بھیج سکتا ہوں۔ حنّانہ نے عرض کی یا رسول اللہ اگر آپ مجھے ہرا بھرا بنا بھی دیں تو یہ دنیا کی زندگی بہت ہی عارضی ہے کیونکہ یہ دنیا فانی ہے اور اس فانی زندگی سے کیا حاصل ہے؟ مجھے جنت میں بھیج دیجئے تا کہ اہلِ جنت ہمیشہ میرا پھل کھایا کریں۔ حضورؐ نے اسی وقت اُسے اُٹھوایا اور قبر کُھدوا کر اپنے ہاتھوں سے اسکی تدفین کر دی اور فرمایا جا اے حنّانہ میں نے تجھے جنت میں بھیج دیا ہے۔

جب درخت کٹ جائے تو اس کی دنیاوی زندگی ختم ہو جاتی ہے ایک مرتبہ حضورؐ کا اصحاب کے ساتھ کسی قبرستان سے گزر ہوا حضور نے فرمایا ان دو قبروں والوں پر عذاب ہو رہا ہے، اصحاب نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ان کو عذاب ہونے کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا ان میں ایک پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہیں کرتا تھا اور دوسرا لوگوں کی غیبت کیا کرتا تھا۔ حضورؐ نے کھجور کی ایک ٹہنی کو درمیان سے کاٹ کر دو حصوں میں تبدیل کیا اور ایک ایک حصہ دونوں قبروں پر لگا دیا اور فرمایا یہ ٹہنیاں جب تک ہری رہیں گی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی رہیں گی اور ان کے عذاب میں تخفیف ہو جائے گی۔

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض (الحدید، آیت ۱)

(زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے)

دوستو! درخت کی سبز ٹہنیاں بقولِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تخفیفِ عذاب کا باعث ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں اور اگر بندہ خود کسی قبر پر قرآنِ پاک پڑھے تو کیا عذابِ قبر کم نہیں ہو سکتا؟ لیکن اولیاء اللہ کے مزارات پر جو شب و روز قرآن خوانی ہوتی ہے وہ؟ اولیاء اللہ حق تعالیٰ کے لبادۂ رحمت میں ہیں وہ بخشے ہوئے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں، اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں جو اس کا دیدار کرنے والے ہیں، محبانِ الٰہی ہیں۔ محبوبانِ خداوندی ہیں، ان سے تو قیامت میں کسی قسم کا سوال بھی نہیں کیا جائے گا، بحکمِ الٰہی۔

لَا یَسْئَلُھُمْ (ان سے سوال نہیں کیا جائے گا)

ایک حدیث پاک میں یہ مضمون بھی وارد ہوتا ہے کہ جب روزِ قیامت اللہ تعالیٰ اپنے نوری تخت پر جلوہ فرما ہو گا اور مقربِ بارگاہ، اللہ کے ولی نوری چہروں والے نوری منبروں پر تشریف

فرما ہوں گے جبکہ ہر طرف حشر برپا ہوگا۔ ہر کوئی اپنی جان کے بارے میں وحشت زدہ نظر آئے گا لیکن اولیاء اللہ سایہ عرش میں رونق افروز ہوں گے، انبیائے سابقہ کی اُمت کے لوگ اپنے انبیاء سے پوچھیں گے یہ کون لوگ ہیں جن کے چہرے سورج کی طرح چمک رہے ہیں اور عرشِ الٰہی کے سایہ میں بے ہراس مطمئن بیٹھے ہیں، رسول ہیں؟ ملائکہ ہیں؟ شہداء ہیں؟ انبیاء جواب میں یوں ارشاد فرمائیں گے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

(یونس، آیت ۶۲)

(یاد رہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوتے ہیں)

کیا مقام ہے کہ ہر ذی نفس یا ربّ نفسی نفسی کہہ رہا ہے، تمام مخلوق خوف و ہراس میں مبتلا ہے لیکن اولیاء اللہ نوری منبروں پر، نوری چہروں کی کرنیں بکھیرتے ہوئے سراپا گواہی دے رہے ہیں اور مجسم آیۂ کریمہ ہیں لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ نہ انہیں کوئی خوف ہے اور نہ ہی کوئی غم۔

بہر حال حنّانہ کی کیفیت قابلِ غور ہے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قرب میں تھا۔ حضورؐ اس کے ساتھ لگ کر کھڑے ہوتے تھے، اس انس و محبت کی وجہ سے اس میں زندگی پیدا ہوگئی تھی محبت نے اس میں کیا کمال پیدا کیا، یہی کہ محبت نے اس میں باطنی آنکھیں پیدا کردیں، باطنی زبان پیدا کردی، باطنی دل پیدا کردیا، باطنی کان پیدا کردیئے، باطنی عقل پیدا کردی، باطنی دل پیدا کردیا، کیوں؟ اس لئے کہ حضورؐ جب اس کے قریب ہوتے تھے تو وہ لکڑی حضور کو دیکھی، سنتی اور چھوتی تھی۔ جب حضور کا ساتھ اس سے چھن گیا تو وہ رونے لگا معلوم ہوا کہ حضور کی محبت نے اس میں دل پیدا کردیا تھا پھر اس نے اپنے حال کی توجیہہ بھی بیان کی کہ اسے حضورؐ سے محبت ہے اور وہ اپنے محبوب کی جدائی میں گریہ ساماں ہے، حضورؐ نے اسے دوبارہ ہرا بھرا کرنے کی حامی بھری لیکن اس میں عقل بھی پیدا ہوچکی تھی کہ یہ دنیا عارضی ہے۔ فانی دنیا سے جی لگانا عقلمندی نہیں ہے، دنیائے فانی میں زندگی طلب کرنے کی بجائے جنّت کی نہ ختم ہونے والی دائمی زندگی بہتر ہے، اہلِ جنت ہمیشہ ہمیشہ اس کا پھل کھائیں گے چنانچہ اسے عارضی دنیاوی زندگی اور آخرت کی باقی رہنے والی زندگی میں فرق معلوم تھا، آخر وہ کونسی قوّتِ حیات بخش تھی جس نے اس میں یہ شعورِ اعلیٰ پیدا کردیا حالانکہ وہ کسی درخت کا کٹا ہوا اور خشک لکڑی کا ٹکڑا ہی تو تھا۔ اگر درخت ہرا بھرا ہوا اور ایسی حیات

آفریں محبانہ گفتگو کرے تو استدلال آسان ہے لیکن یہاں معاملہ ہی مختلف ہے کیونکہ سرسبز درخت میں روح رواں ہوتی ہے۔ درخت سوکھ جائے تو اسکی روح فنا ہو جاتی ہے دراصل محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ایک حیات آفریں قوتِ محرّکہ ہے جس نے اس میں زندگی اور شعور پیدا کیا، سماعت اور گویائی پیدا کی بلکہ ہر چیز پیدا کر دی۔

دوستو! اگر انسان میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا ہو جائے اپنے پیرومرشد کی سچی چاہت پیدا ہو جائے تو پھر یاد رکھیئے ایسے انسان کے دل میں بھی سماعت و گویائی پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (البقرہ، آیت ۲۵۷)

(اللہ تعالیٰ مددگار ہے مومنین کا جو انہیں کھینچ نکالتا ہے اندھیروں سے اور روشنی میں لے آتا ہے)

جب اللہ تعالیٰ مومنین کو نور کی جانب لے جائے گا تو اُن میں روشنی سرایت کر جائے گی۔ اگر آپ اندھیرے میں بیٹھے ہوں تو خود اپنے وجود کو بھی نہیں دیکھ پاتے، اپنے قریب ترین اشیاء کو بھی نہیں دیکھ سکتے، اپنے لباس کے رنگ تک کو نہیں دیکھ سکتے لیکن جب آپ روشنی میں آجاتے ہیں تو نزدیک اور دور کی تمام اشیاء آپ کے سامنے ہوتی ہیں، آپ دیکھ سکتے ہیں۔ فاصلے کی چیزیں بھی بینائی کے سبب قریب معلوم ہوتی ہیں، سب کچھ دیکھتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح اگر انسان کے باطن میں اندھیرا ہو۔ انسان مٹّی کے تاریک گنبدِ بدعقیدہ (زنداں) میں ہو جس میں کوئی دروازہ کوئی دریچہ نہ ہو تو آنکھیں دیکھ نہ سکیں گی۔ جس طرح ظاہری آنکھیں اندھیرے میں نہیں دیکھ سکتیں اسی طرح (بدعقیدہ) آنکھیں بھی جہالت کی ظلمت میں کچھ نہیں دیکھ سکتیں، ظاہری کان موجود ہیں باطن بہرہ ہے، آنکھیں اندھی ہیں زبانیں گونگی ہیں انہی کے لئے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (البقرہ، آیت ۱۸)

(وہ (کافر) گونگے، بہرے، اندھے ہیں اس لئے وہ کبھی (جانبِ حق) نہ لوٹیں گے)

یہ آیت باطنی حواس کی اہمیت بیان کرتی ہے، ایسا ہرگز نہیں کہ کفار اندھے گونگے بہرے تھے، ان کی ظاہری آنکھیں بھی تھیں اور کان بھی، وہ دیکھتے سُنتے بولتے تھے لیکن حق تعالیٰ نے اُنہیں گونگا بہرہ اور اندھا قرار دیا اس لئے کہ وہ حقیقت کو دیکھنے سُننے اور سچ بولنے سے محروم تھے اور اعتبار

اصلیّت اور حقیقت کا ہوتا ہے اس لئے حق تعالیٰ کے لئے وہ اندھے بھی تھے، گونگے اور بہرے بھی تھے، حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

ھ۔ ہر صورت جلوہ یار دِسّے ایپر اکھیاں نال نہ دِسّدا اے
ایہہ اکھیاں کن نے غیر سارے نور ویکھناں کم نہ جس دا اے
صورت وچہ تعیّناں نور دِسّے، اکھیں نال تعیناں دِسدا اے
نور یار والا گل و برگ عاشق جلوہ وچہ ہر صورتاں دِسدا اے

(محبوبِ حقیقی کا جلوہ ہر ایک صورت میں دکھائی دیتا ہے لیکن یہ ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتا جب تک سینے میں حق کو پہچاننے والی آنکھ نہ ہو، یہ آنکھیں یہ کان یہ تمام حواس خمسہ غیر اللہ اور مادی چیز ہیں، نور کے دیکھنے کے لئے حواس ناکارہ ہیں۔ جس طرح ظاہری آنکھیں روشنی، جہت اور فاصلے کے تعین سے منظر کو پہچانتی ہیں اس طرح نور دیکھنے کے لئے ایک باطنی تعین کی ضرورت ہے یعنی ایک تعین مراقب (اَللّٰـهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) ہے جب وہ نور وحدت کے ساتھ منکشف ہوتا ہے تو محبوبِ حقیقی کا جلوہ اس کے عاشق کو ہر پھول، ہر پتے اور ہر ایک صورت میں نظر آنے لگتا ہے)

فرماتے ہیں کہ ظاہری حواس خمسہ کی طرح باطنی حواسِ خمسہ بھی ہیں۔ محض ظاہری حواسِ خمسہ کبھی نوری تجلّیات نہ دیکھتے ہیں نہ راحت پاتے ہیں، حواسِ خمسہ نہ صرف حق تعالیٰ کے غیر ہیں بلکہ حقیقتِ روحِ انسانی کے بھی غیر ہیں اور گمراہ کُن ہیں۔ ظاہری آنکھیں باطنی چشمِ بینا کی مدد سے دیکھتی ہیں اور باطن اس وقت تک روشن نہیں ہوتا جب تک باطن میں (نورِ وحدت یا ولی اللہ کی توجہ) سے روشنی نہ پیدا ہو جائے یعنی جب تک نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نہ پیدا ہو جائے جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ مومنین کا مددگار ہے وہ اُنہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف کھینچ نکالتا ہے۔'' جب یہ نور حاصل ہو جاتا ہے تو مومن ہمیشہ اسی نور سے دیکھتا اور پہچانتا ہے یا یوں سمجھ لیجئے کہ مومن ہمیشہ روشنی کے پہلو کی جانب توجہ کرتا ہے، ہمیشہ روشن پہلو کو دیکھتا ہے، کبھی تاریک پہلو کی جانب نہیں دیکھتا۔ ہر چیز کے عموماً دو پہلو ہوتے ہیں، ایک تاریک اور دوسرا روشن۔ مومن روشنی میں رہتا ہے لہٰذا مومن وہی ہو گا جس کے ساتھ نور موجود ہو گا۔ یہ روشنی دراصل ابتداء میں محبت کی اثر آفرینی سے سامنے آتی ہے، روشنی اس وقت تک نہیں ملتی جب تک محبت پیدا نہ ہو محبت ہی اپنے کمال پر عشق کہلاتی ہے اور یہ عشق ہی ہے جو انسان کو صاحبِ مقام بناتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ولی وہی ہیں جنہوں نے محبت کے مقام کو کمال عطا کیا ہے اور بقیہ ہر چیز چھوڑ دی ہے، اُنہیں یہ مقام اللہ تعالیٰ کی محبت میں حاصل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ کا مقام عطا کیا ہے۔ اس معاملے کے نکات بہت ہیں یہاں اختصار سے گفتگو کی ہے۔

بہرحال جس سرکار کا آج عرسِ پاک ہے یہ میرے والد ماجد (مخدوم العصر حضرت خواجہ محمد کریم اللہ عباسی قادری) رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے غوث گزرے ہیں، قطبِ زمانہ ہیں۔ علم کا منتہائے کمال تھے۔ آپؒ کے سامنے دنیا کا کوئی عالم بول ہی نہیں سکا۔ آپؒ نے جو کچھ ارشاد فرمایا علمائے دین نے من وعن تسلیم کیا۔ آپؒ سے علمائے کرام نے پوچھا کہ یا حضرت! آپ کے سامنے جو بھی آئے، خواہ غیر مذہب کا ہو، غیر عقیدے کا ہو، کوئی بھی شخص آپ کی بات کا انکار نہیں کر سکتا، سب کو آپ کی رائے تسلیم کرنا پڑتی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ دوستوں کے اصرار پر آپؒ نے فرمایا ''دوستو! بات صرف یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کا ظاہر و باطن ہے:

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (الحدید، آیت ۳)

(وہی اوّل ہے وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے)

جس طرح اللہ تعالیٰ کا ظاہر و باطن ہے اسی طرح ہر چیز کا ظاہر و باطن ہے مثلاً تمہارے ہاتھ کی ہتھیلی تمہارے ہاتھ کا باطن ہے اور باہر کا حصّہ اس کا ظاہر ہے۔ فقہ میں بتایا جاتا ہے کہ آپ کی انگشت ہائے شہادت فی البطون ہیں جنہیں تم کان میں رکھتے ہو اور ہاتھوں کے انگوٹھے علیٰ ظہر البطون ہیں۔ انسان کا بھی ظاہر و باطن ہے اسی طرح ہر کلام کا بھی ظاہر و باطن ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآنِ کریم کا بھی ظاہر و باطن ہے۔ علمائے کرام ظاہریت پر نظر رکھتے ہیں اور اہلِ باطن باطنی معارف پر نگاہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے ولی کامل پر قرآن پاک کے چار باطن منکشف کرتا ہے اور مزید اس سے آگے بھی باطنوں کے مزید باطن ہیں۔ قرآنِ پاک کے کُل سات (۷) باطن ہیں جنہیں باطن در باطن کہا جاتا ہے۔ کوئی ولیٔ کامل ہو تو اس پر چار باطن شریعت طریقت حقیقت اور معرفت کے مقامات سے متعلق منکشف ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآنِ پاک کے ساتوں باطن خاص فضل و مہربانی کے ساتھ عطا فرمائے ہیں۔ مجھ سے جس عقیدے، علم یا کمال رکھنے والا کوئی شخص کچھ پوچھتا ہے میں ہمیشہ اس کے حسبِ حال مسئلہ بیان کرتا

ہوں اس لئے آج تک کسی نے میرے بیان کردہ معاملہ کو کسی دلیل یا ثبوت سے رد کرنے کی جرأت نہیں کی۔''

آپ نے میر مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی کا واقعہ سنا ہوگا جو اہلِ حدیث مکتبہ فکر کے عالم تھے اور گوجرانوالہ کے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کے استاد تھے۔ اُنہوں نے سیالکوٹ میں آپؒ کے ساتھ تین مناظرے کئے اور تینوں مرتبہ مولانا کو شکست کھانا پڑی۔ حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی بھی شخص نے جیسا بھی شریعت، طریقت، حقیقت و معرفت سے متعلق کوئی بھی مسئلہ پوچھا آپ نے تسلی بخش جواب دیا۔ آپؒ بہت بڑے فقیہہ تھے۔ مولوی محمد شریف صاحب کوٹلی لوہاراں والے مولوی بشیر صاحب کے والد، وہ بھی نامور فقیہہ تھے۔ ان کا حضور والد ماجدؒ سے خاصا دوستانہ تھا۔ آپؒ جب بھی سیالکوٹ تشریف لے جاتے مولوی شریف صاحب دو روز تک آپ کے ساتھ رہتے۔ حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی زبانِ مبارک میں اللہ تعالیٰ نے بڑی تاثیر رکھی تھی ایک واقعہ سناتا ہوں جسے محلّہ نور باوا کے پٹواری صاحب نے یہاں آ کر سنایا تھا وہ اب بھی حیات ہیں، وہ کہتے تھے کہ:

''ایک روز میں آپ کی خدمت حاضرا ہوا تو آپ کسی عالم کو کوئی مسئلہ سمجھا رہے تھے۔ میں دربار (درگاہِ معلّیٰ قادریہ غوث العصر حضرت خواجہ محمد عمر قدس اللہ اسرارہٗ) میں حاضر ہو کر سلام کر کے حضور کے پاس بیٹھ گیا۔ کافی دیر تک بحث جاری رہی۔ حضورؒ نے ہر طرح متعدد دلائل اور حوالہ جات کے ساتھ اس عالم پر معاملہ واضح فرمایا لیکن وہ بضد رہا یعنی ''لا التسلیم'' اور ''نہیں جی، نہیں جی'' کہتا رہا۔ جب ایک ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا اور آپ مسلسل اسے سمجھاتے رہے لیکن وہ نہ سمجھا آخر غلطی سے درمیان میں بول پڑا، میں نے ان مولوی صاحب سے کہا ''یار حضورؒ نے اسقدر وضاحت سے اور طرح طرح سے دلائل کے ساتھ تجھے معاملہ روشن کیا ہے لیکن تو سمجھنا ہی نہیں چاہتا؟'' جب میں نے یہ دخل در معقولات کی تو حضورؒ نے ایک گہری نظر سے میری طرف دیکھا اور فرمایا ''وہ میرے ساتھ بات کر رہا ہے، یہ شریعت کا مسئلہ ہے، تُو ہلاک مت ہو، میں پھر اسے بترتیب سمجھاتا ہوں، جب میں بے زار نہیں ہوتا اور سمجھا رہا ہوں اور وہ مجھ سے بات کر رہا ہے تو تمہارا درمیان میں دخل دینا ضروری ہے؟ تم چُپ نہیں بیٹھ سکتے؟'' اس کے بعد حضورؒ نے اور بہت سے دلائل پیش کئے بالآخر اس مولوی نے سرِ تسلیم خم کیا اور چلا گیا لیکن میری قوت گویائی جاتی رہی اِدھر اُدھر بہت علاج کرایا کہیں سے آرام نہ آیا بالآخر شرم کے مارے لجاتا شرماتا حضور کے پاس حاضر ہوا، یہ پندرھواں روز تھا میری زبان بندی کا۔ حضور کی ناراضگی دور کرنے کے علاوہ میرے پاس کوئی راستہ نہ تھا۔ اپنی

مشکل لکھ کر حضور کے آگے پیش کی اور معافی کا خواستگار ہوا۔ آپ رقعہ پڑھ کر مسکرائے اور فرمایا ''میاں! عالموں میں بیٹھ کر جاہلوں کا کوئی کام نہیں کہ بات کریں۔'' میاں! وہ عالم آدمی تھا میں اسے سمجھا رہا تھا، تمہارا کوئی کام نہیں تھا بیچ میں بولنے کا، اچھا جا، پانی لے کر آ۔'' پانی لے کر آیا، حضورؒ نے توجہ فرمائی، پانی پر بسم اللہ شریف پڑھ کر پھونک ماری اور فرمایا ''پی لے'' جب میں نے پانی پیا تو میری زبان کھل گئی۔''

آپؒ کے علم وفضل سے متعلق بے شمار واقعات ہیں:

اوّل تو ہم نے آپ کو سوتے ہوئے دیکھا ہی نہیں۔ جس وقت دنیا سو جاتی تھی تو وہ اُٹھ بیٹھتے تھے اور جس وقت دنیا اُٹھتی تھی اس وقت آپ تھوڑی دیر کے لئے لیٹ جاتے تھے۔ ساری رات عبادت میں منہمک رہنا حضورؒ کا معمول تھا۔ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف آپ کا کوئی کام، کوئی عادت نہ تھی، نہ ہی کوئی معترض ثابت کر سکا ہے۔ آپ کا اپنا ارشاد (گنجِ عرفان میں) منقول ہے۔

کیتے امر معروف دے کم سارے اتے نہی نوں کُل وساریامیں

اللہ تعالیٰ نے حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو اسقدر قرب اور شان ورفعت سے سرفراز فرما رکھا تھا کہ آپ کا وجودِ اقدس بُقعۂ نور اور چہرۂ اقدس مشکوٰۃ النور تھا۔ ملک محمد شفیع صاحبؒ، سائیں نور دین صاحبؒ سے بھی روایت منقول ہے اور بحمد للہ میں نے خود بھی اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ یہاں چند واقعات کا اعادہ کرنا چاہوں گا۔

سیالکوٹ میں آپؒ کے بہت سے مریدین ہیں۔ آپ جب بھی سیالکوٹ تشریف لے جاتے تو جہاں آپ کا قیام ہوتا تمام احبابِ طریقت وہاں جمع ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ میاں محمد شفیع صاحب مرحوم کا ایک مکان ہے، آگے ایک بڑی بیٹھک ہے جس کے اندر ایک چھوٹا سا کمرہ ہے۔ چھوٹے کمرے میں دو تین دوستوں کے لئے چارپائیاں بچھا دی گئیں اور بڑے کمرے میں انگیٹھی کے قریب آپؒ کے لئے پلنگ بچھایا گیا تھا۔ کمرے میں مہمان دوستوں ارادت مندوں کیلئے دریاں بچھائی گئیں۔ تمام احباب رات گئے تک آپ کی محفل میں آپ کے ارشادات اور فیضِ نگاہ سے مستفیض ہوتے رہے۔ نصف شب قریب بارہ بجے آپ نے دوستوں کو اذنِ رخصت عطا فرمایا اور میاں محمد شفیع سے فرمایا کہ وہ اپنے گھر جا کر آرام کرے۔ سردیوں کے دن تھے۔ آپ نے میاں شفیع سے فرمایا کہ ''بتی بجھا کے جا میاں، ہم یہ بتی نہیں جلایا کرتے نہ ہمیں اس (بجلی کے بلب) کا علم ہے، اسے بجھا دو۔'' میاں محمد شفیع بیان کرتے ہیں کہ میں چلا گیا اور جب سونے کیلئے لیٹا تو

اچانک مجھے یاد آیا کہ حضورؒ نے نمازِ عشاء ادا فرمانا تھی اور میں وضو کے لئے پانی دے کر ہی نہیں آیا، حمام گرم تھا، میں نے پانی بھرا اور چھوٹے کمرے کی جانب سے داخل ہوا کیونکہ دونوں کمروں کے درمیان کا دروازہ میں بند کر گیا تھا، میں نے چھوٹے کمرے کا درمیانی دروازہ کھول کر بڑے کمرے میں داخل ہونے کے لئے، دروازہ آہستہ سے کھولا اور اندر جھانکا، کمرے میں روشنی پھیلی ہوئی دکھائی دی۔ حضورؒ مصلےٰ پر تشریف فرما تھے، مجھے گمان گزرا شاید حضورؒ نے بتی جلائی ہو پھر مجھے یاد آیا کہ حضورؒ نے خود فرمایا تھا کہ مجھے یہ بتی جلانے کا کچھ معلوم نہیں لیکن ہر طرف روشنی ہی روشنی تھی جسے چند ساعت، میں دیکھتا رہا، حضور نماز میں مشغول تھے۔ قریب آدھا گھنٹہ میں یونہی کھڑا رہا۔ اچانک مجھے ہلکی سی کھانسی ہوئی۔ حضورؒ نے سلام پھیرنے کے بعد فرمایا ''کون ہے؟'' میں نے عرض کی ''حضور! میں محمد شفیع ہوں۔'' فرمایا ''کیا بات ہے؟۔'' عرض کیا ''حضور! میں پانی دے کر نہیں گیا تھا، میرا خیال تھا حضور نے نماز ادا کرنا ہوگی، میں پانی دے کر جانا بھول گیا تھا، سوچا پانی دے آؤں۔'' حضورؒ نے فرمایا ''جا میاں! آرام کر، میرا وضو پہلے ہی سے تھا، پانی کی ضرورت نہیں پڑی، اگر پانی لے ہی آئے ہو تو ایک طرف رکھ دو، کام آجائے گا۔''

دوسری روایت جیسر والے سے ہے۔ یہ ماسٹر محمد حسین جو بیٹھے ہوئے ہیں ان کا مکان تھا۔ یہ مالی لحاظ سے کمزور الحال ہیں، حضور بڑے خواجہ صاحب (حضرت خواجہ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ) نے ان کے مکان کی ایک چھوٹی سی کچی جھونپڑی کو پسند کر لیا تھا اور وہاں ٹھہرا کرتے تھے حالانکہ اس گاؤں میں بڑے خواجہ صاحب کے بڑے بڑے امیر کبیر لوگ بھی مریدین ہیں، یہ جو صاحبزادے بیٹھے ہوئے ہیں سیّد سبط الحسن شاہ، ہم انہیں طارق شاہ بھی کہتے ہیں، نہایت عالم فاضل آدمی ہیں، نیک سیرت ہیں، مقرر اور محرر بھی ہیں۔ ان کے دادا جان حضرت سیّد پیر شاہ زمان بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی گاؤں (جیسر والہ) کے ہیں علاقے کے رئیس اور زمیندار مریدین میں داخل ہیں اچھی اچھی بلڈنگوں اور بڑے بڑے گھروں میں رہنے والے بھی خدام میں شامل ہیں لیکن بڑے خواجہ صاحبؒ نے ان غریبوں کی کچی جھونپڑی نما کوٹھڑی کو پسند فرمایا تھا۔ ایسا کیوں کیا؟ پہلی وجہ یہ کہ جاٹ چودھریوں امیروں کے گھر جا کر پیر بیٹھ جائے تو وہ تمام لوگ جو ان کے ماتحت ہوتے ہیں جنہیں کمّیں کہا جاتا ہے انہیں بھی مجبوراً بڑے لوگوں کے پیر و مرشد کی بیعت کرنی پڑتی ہے، احترام کرنا پڑتا ہے۔ یہ سوچ کر کہ بڑے وڈیروں کے پیر ہیں یوں تمام لوگ مرید ہو جاتے ہیں اور یہ زبردستی کی بیعت اور دکھاوے کی عزت بڑے خواجہ صاحب کو سخت ناپسند تھی، کچی کوٹھڑی کو پسند کرنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ عام حالات میں امیر اور چودھری زمیندار قسم کے لوگ کسی غریب

کے گھر جانے کو اپنی بے عزتی اور کسرِ نفسی خیال کرتے ہیں اور ہرگز جانا پسند نہیں کرتے۔ آپؒ نے یہ پسند فرمایا کہ میں سب سے زیادہ غریب کے گھر جا کر ڈیرہ لگاؤں گا تا کہ جاٹ وڈیروں اور زمینداروں کی اکڑ نہ رہے اور وہ اپنے غریب پیر بھائی کے گھر اپنے پیر کو ملنے مجبوراً آئیں کیونکہ پیرومرشد جہاں بھی ڈیرہ لگائے مریدوں کو آنا ہی پڑتا ہے اور دوسرے عام لوگوں کے ساتھ دری پر بیٹھنا ہی پڑتا ہے۔ اس طرح مساواتِ محمدیؐ کی عادت پڑتی ہے۔ جب حضور قبلۂ عالم (حضرت خواجہ محمد کریم اللہ) رحمۃ اللہ علیہ جیسر والے جاتے تو وہ بھی بڑے خواجہ صاحب کی پسند کی ہوئی کچی کوٹھڑی میں قیام فرمایا کرتے تھے۔ بڑے بڑے امیر لوگوں نے آپ سے گزارش کی کہ ان کے گھر حاضر ہیں لیکن خواجہ صاحبؒ نہ مانے۔ اسی کوٹھڑی کا ایک واقعہ سائیں نوردین لاہور والے روایت کرتے ہیں جو حضورؒ کے ساتھ تھے، وہ واقعہ سناتے ہیں کہ حضورؒ کی محفل رات گئے جب برخاست ہوئی تو حضور تھوڑی دیر کے لئے لیٹ گئے اور میں بھی ایک طرف لیٹ گیا، اچانک رات کے کسی پہر میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ ساری کوٹھڑی میں روشنی پھیلی ہوئی ہے، حضور خراٹے لے رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ دن طلوع ہو چکا ہے اور دھوپ اندر آ گئی ہے۔ پہلے میں نے خیال کیا کہ حضور کو جگا دوں اور عرض کروں کہ دن نکل آیا ہے، پھر میں نے سوچا کہ مجھے حضور کو بیدار کرنے کی کیا ضرورت ہے وہ تو خود ہمیشہ سب سے پہلے بیدار ہونے والے ہیں اور ساری دنیا کو جگانے والے ہیں۔ پھر میں نے سوچا کہ باہر سے ہو آؤں، میری واپسی تک حضورؒ خود ہی بیدار ہو جائیں گے۔ جب میں نے باہر جانے کے لئے باہر کا دروازہ کھولا تو باہر بدستور سیاہ رات تھی، میں حیرت زدہ ہو کر وہیں بیٹھ گیا اور پریشان ہو گیا کہ یہ کیا ماجراء ہے؟ کمرے میں تو گیس جیسی روشنی ہے اور باہر گھپ اندھیرا ہے۔ میں نے فوراً دروازہ بند کر دیا۔ مجھے باہر جانا بھول گیا اور اس فکر میں متحیر ہو گیا کہ یہ روشنی کہاں سے آ رہی ہے؟ میں حضور کی جانب متوجہ ہوا تو میں نے دیکھا کہ حضورؒ نے سینہ مبارک تک کپڑا اوڑھا ہوا تھا اور آپؒ کا چہرہ نظر آتا تھا اور روشنی آپ کے چہرۂ انور سے صادر ہو رہی تھی اور کوٹھڑی میں پھیل رہی تھی۔ میں نے آپؒ کے چہرۂ انور کے اوپر ہاتھ رکھا تو میرے ہاتھ کا سایہ چھت پر پڑا۔ میں خاموش ایک طرف بیٹھ گیا۔ بعدازاں جب حضورؒ بیدار ہوئے تو میں نے یہ ماجراء عرض کیا۔ آپؒ نے فرمایا "میاں یہ باتیں کہنے کی نہیں ہوتیں، چپ ہو رہتے ہیں اگر ایسی کوئی چیز دیکھ بھی لیں تو۔"

بہر حال اس طرح کے چند ایک واقعات اور بھی مختلف راویوں کے روایت کردہ موجود ہیں۔ یہاں میں آپؒ کی نماز میں محویت کے بارے میں ایک واقعہ عرض کرنا چاہوں گا کہ حضرت

میانمیر رحمۃ اللہ علیہ کا عرسِ پاک تھا جو آخری چہار شنبہ کو ہوا کرتا تھا۔ میں اس وقت بارھویں جماعت میں لاہور میں پڑھا کرتا تھا۔ میں اپنے وقت کا پنجاب اتھلیٹ رہا ہوں۔ میں کھیل کا یونیفارم پہن کر نکلنے ہی کو تھا کہ سرکارؒ تشریف لے آئے۔ ان دنوں میں اندرون موچی دروازہ میں رہتا تھا جہاں میری بیٹھک تھی۔ آپ نے فرمایا ''مجھے مل لے'' میں ٹھہر گیا۔ فرمایا ''کہاں جا رہے ہو؟'' میں نے عرض کی ''جی میں کالج (دیال سنگھ کالج لاہور) جا رہا ہوں، جلد واپس آ جاؤں گا'' فرمایا ''آج کیا جانا ہے، آج ہمارے ساتھ چل ہم تجھے میانمیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ لے چلتے ہیں۔'' میں نے کہا ''جی بہتر'' میں نے ہاکی چھوڑی اور کپڑے تبدیل کر کے حضور کے ہمراہ روانہ ہو گیا۔ جب دربار شریف پہنچے تو دربار حضرت میانمیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین حضرت سید صید علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو میرے دادا جان (حضرت خواجہ محمد عبداللہ عباسی قادریؒ) کے مرید و خلیفہ تھے استقبال کے لئے اُٹھے اور سلام عرض کرنے کے بعد کہنے لگے ''حضور! آپ تشریف فرما ہوں میں ذرا گھر سے ہو آؤں۔'' آپؒ نے فرمایا ''گھر جا کر کیا کرو گے؟'' عرض کی ''حضور کی دعوت کے لئے کہہ آؤں۔'' آپ نے فرمایا ''اتنے ملازم اور خادم ہیں کسی کو بھیج دیں۔'' عرض کی ''حضور! یہ میرے اوپر فرض ہے، مرید تو دنیا کے لئے رکھتے ہیں، آپ کی دعوت کے انتظام کے لئے میرا جانا ضروری ہے۔'' آپؒ سے اجازت لے کر وہ گھر تشریف لے گئے اور آپؒ وہاں تخت پر تشریف فرما ہوئے، پانچ سات دوست آ گئے، میں آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ کچھ گفتگو چل نکلی۔ تھوڑی دیر کے بعد شاہ صاحب کھانا لے کر آ گئے۔ بچوں نے طشتریاں اُٹھا رکھی تھیں۔ کھانا تناول فرمانے کے بعد عشاء کا وقت ہو گیا اور حضور نماز کے لئے تشریف لے گئے۔ میں بھی ساتھ چلا گیا۔ نماز کے بعد گیارہ بجے تک حضورؒ اہلِ محفل کو تلقین وارشاد سے نوازتے رہے بعد ازاں مجھے فرمایا ''بیٹا تمہیں نیند آئی ہو گی سو جا میں مسجد سے ہو آؤں۔'' میں وہیں تخت پر سو گیا۔ رات قریب دو بجے آندھی اور بارش ہوئی، مجاوروں نے مجھے جگایا اور تخت کو اُٹھا کر اندر لے گئے۔ میں دوبارہ سو گیا۔ سرکار نمازِ فجر ادا کر کے تشریف لائے اور مجھے فرمایا ''بیٹا اُٹھ کر نماز ادا کر لے'' میں نماز ادا کر کے واپس آیا، گرمیوں کے دن اور ساون بھادروں کا موسم تھا۔ حضورؒ نے ململ کی قمیض پہن رکھی تھی، سفید عمامہ اور چادر رکھتے تھے اور ایک دوپٹہ ہوتا تھا، یہ آپ کا لباس تھا۔ آپؒ نے مجھ سے فرمایا ''بیٹا میری کمر پر ذرا مل دے مجھے خارش ہو رہی ہے۔ میں نے جیسے ہی کپڑا اٹھایا تو بائیں جانب سترہ (17) ڈنک تھے اور آبلے پڑے ہوئے تھے، میں نے کہا حضور یہ تو آبلے پڑے ہوئے ہیں'' فرمانے لگے ''خیر کوئی بات نہیں، آبلوں کو ذرا مسل دو'' جب میں نے آبلوں کو مسلا تو وہ دب گئے اور ساتھ ہی آبلوں

کے بہہ جانے سے تھوڑا خون نکلا اور آبلوں میں دو دو سوتر گہرے گہرے کالے رنگ کے ڈنک نظر آنے لگے۔ میں نے حضور سے کہا کہ ان میں تو ڈنک ہیں، فرمایا کوئی بات نہیں ذرا مسل دو، جب تھوڑا سا خون نکل گیا تو فرمایا اب ٹھیک ہے میری جلن کچھ کم ہوئی ہے۔ پھر فرمایا ''ذرا یہاں بھی تھوڑا سا مل دو'' اور سینہ دکھایا' وہاں سات (۷) آبلے پڑے تھے۔ لوگ ابھی تک بیٹھے ہوئے تھے اور آپ ان کے سوالوں کے جواب بھی دے رہے تھے، لوگوں نے پوچھا یا حضرت یہ کیا ہوا؟ فرمایا ''کچھ نہیں ہوا میاں! کوئی بات نہیں۔'' لوگوں نے اصرار کر کے پوچھا تو حضور نے فرمایا ''میں مسجد میں تھا اور رات بھر جاگنے کی میری عادت ہے، میں نماز میں مشغول تھا، مجھے آندھی (اور بارش) کا معلوم نہیں۔ جب سلام پھیرا تو مجھے احساس ہوا کہ میری کمر پر کوئی کیڑا چل رہا ہے، میں اسی وقت وہاں سے اٹھا، اس خیال سے کہ شاید اگر میں نے یہاں قمیض اتاری اور جھاڑی تو ہوسکتا ہے کسی اور نمازی کو تکلیف پہنچے۔ میں نے کُرتے کو وہیں سے دبا لیا اور کھیت میں جا کر قمیض اتار کر جھاڑی اور واپس آ کر پھر نماز میں مشغول ہو گیا۔ کیڑے کے ڈنک مارنے کی مجھے خبر نہیں نا جانے کب اس نے کاٹا، یا نہیں کاٹا۔ جب سلام پھیرا تو جلن کا احساس ہوا۔'' دو روز آپؒ لاہور قیام فرمانے کے بعد گوجرانوالہ تشریف لائے جہاں طارق شاہ صاحب کے دادا جان حضرت پیر شان زمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما تھے۔ جب انہوں نے یہ معاملہ دیکھا تو آپ کو لے کر جیسر والہ چلے گئے اور سنگیاں لگوائیں جس سے زہر سے متاثرہ خون نکل گیا اور تھوڑا آرام محسوس ہوا۔ جب سیالکوٹ کے ملکوں کو معلوم ہوا تو ملک افضل، ملک محمد شفیع، امام الدین کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو وہ آپ کو سیالکوٹ لے گئے وہاں انہوں نے شہر اور گردونواح کے متعدد ماندری سپیرے جمع کر لئے اور انہیں زخم دکھائے، جو بھی سپیرا دیکھتا خاموش ہو جاتا۔ ملکوں نے ان سے پوچھا کہ تم کچھ بتاتے کیوں نہیں، انہوں نے کہا کہ ہم تو یہ دیکھ کر حیران ہیں کہ سترہ زخم پیٹھ پر اور سات زخم دل پر ہیں اور جس سانپ نے انہیں ڈسا ہے وہ کرونڈیا کہلاتا ہے، نہایت زہریلا سانپ ہے، ہم حیران ہیں کہ یہ حضرت ابھی تک زندہ کیسے ہیں؟ ملکوں نے کہا یہ بات رہنے دو، جو کچھ علاج ہوسکتا ہے کرو چنانچہ سپیروں نے اپنے طریقے پر علاج کیا جس سے آپ کو پوری طرح افاقہ ہو گیا۔

یہ سب بیان کرنے کا مقصد صرف اسقدر ہے کہ اللہ والے اپنی نمازوں میں ایسے مقام پر ہوتے ہیں جہاں انہیں اپنے بدن کا ہوش نہیں رہتا، انہیں خبر ہی نہیں کہ کب آندھی اُٹھی اور کب سانپ نے ڈسا، سب واقعہ ہو گیا لیکن وہ اس سے لاعلم رہے سو آپؒ نے خود فرمایا ہے:

ذ۔ ذات صفات برباد کیتی اساں یار دی ذات صفات اندر
اساں آبرو دوجہانِ والی ڈوبی یار دے آب حیات اندر
اساں جنتاں نعمتاں بھل گئیاں اک یار دی مٹھڑی بات اندر
عاشق مست نگاہ دے ہو بیٹھے اک یار دے حُسن دی جھات اندر

(ہم نے اپنی ذات صفات کو دوست کی ذات صفات میں فنا کر دیا، دوست کے آبِ حیات میں ہم نے دو عالم کی آبرو کو غرق کر دیا۔ دوست کی ایک میٹھی بات پر ہم نے جنت کو قربان کر دیا، دوست کی ایک جھلک دیکھ کر ہم اس کے دیدار میں مست رہنے لگے اور اسی کے عاشق ہو کر ہر شے سے بیگانا ہو گئے)

فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے محبوبِ حقیقی کی ذات صفات میں اپنی ذات صفات کو فنا کر دیا ہے مطلب یہ ہے کہ جب انسان محبت میں فنا ہو جائے تو وہ خود نہیں رہتا بلکہ کسی اور مقام پر جا پہنچتا ہے جیسا کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب لوہے کا ایک ٹکڑا آگ میں رکھ دیا جاتا ہے تو وہ آگ سے سرخ ہو جاتا ہے جب اُسے باہر نکالیں تو وہ علی الاعلان کہتا ہے کہ میں لوہا نہیں ہوں انا النار۔ انا النّار۔ انا النّار (میں آگ ہوں، میں آگ ہوں، میں آگ ہوں) پیچھے ہٹ جاؤ حالانکہ وہ لوہا تھا لیکن آگ کے باعث اس میں آگ کی صفات (گرمی، روشنی و سرخی) پیدا ہو جاتی ہیں، اسی طرح انا الحق کہنے والے نے انا الحق کہا تھا، کیوں؟ اس لئے کہ اس کی ذات وصفات، خداوندِ کریم کی ذات صفات میں برباد و فنا ہو چکی تھیں، اسے ظاہر و باطن میں سوائے حق کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اس کے ہاتھ، آنکھ، زبان، خون کے ایک ایک قطرے سے انا الحق کی صدا اٹھتی تھی، اسکی بے خودی اسے کسی اور مقام پر لے جا چکی تھی، منصورؒ اپنے دعوے میں سچا تھا لیکن جاہل لوگ، اہلِ ظاہر لوگ اس کے مقام کو پہچان نہ سکتے تھے۔ انہوں سے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ لوگ پتھر مارنے لگے۔ حضرت شیخ ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ اسی شہر کے رہنے والے تھے انہوں نے ایک پھول منصور کو مارا تو منصور کی چیخیں نکل گئیں، شبلیؒ حیران ہوئے، پوچھا "اے دوست دنیا تجھے اس قدر پتھر مار رہی ہے تو سی تک نہیں کرتا، میں نے تو ایک پھول مارا ہے تا کہ تجھے تکلیف نہ ہو اور تیری چیخیں نکل گئی ہیں؟" منصورؒ نے کہا "اے شیخ شبلی! یہ لوگ اندھے ہیں، یہ صاحبِ باطن نہیں، یہ حقیقت سے ناواقف ہیں، یہ نہیں جانتے اس لئے میں ان کے پتھروں کی تکلیف محسوس نہیں کرتا لیکن تُو تو صاحبِ حقیقت ہے، صاحبِ زُہد ہے، تو صاحبِ باطن ہے، تُو تو ولی اللہ ہے۔ تم میرے مقام کو جانتے ہو، میں تمہارے مقام کو جانتا ہوں "ولی ولی را می شناختند" ولی ولی کو پہچانتا ہے۔ تم نے دوست ہو کر یہ کام

کیا ہے مجھے تیرا پھول پتھر کی طرح لگا ہے۔تو نے مجھے تکلیف دی ہے۔''

حالانکہ شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ وہ ہستی ہیں کہ سبحان اللہ۔ میں ''شبل'' کا معنی بیان کردوں۔ ''شبل'' عربی میں شیر کو کہتے ہیں۔ شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ یہ ہمارے پیرومرشد ہیں۔ اس زمانے میں بنوعباسیہ کی حکومت تھی، بادشاہ نے ایک مسئلہ پوچھنے کے لئے حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو بلایا تو شبلیؒ بھی ساتھ چلے گئے۔ بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھا بڑی تمکنت کے ساتھ گفتگو کررہا تھا جبکہ سامنے قالین پر حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ اور ان کے پیچھے شیخ شبلیؒ بیٹھے ہوئے تھے۔قریب ہی قالین پر شیر کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ حضرت جنید بغدادیؒ کی رائے بادشاہ کے حسبِ منشا نہ تھی چنانچہ بادشاہ بڑی اونچی آواز میں بات کر رہا تھا جبکہ خواجہ جنید بغدادیؒ بڑی متانت اور تحمل کے ساتھ اسکی باتوں کا جواب دے رہے تھے۔شبلیؒ نے جب یہ دیکھا تو بادشاہ کی گستاخی پر غصہ آ گیا۔شبلی نے شیر کی بنی ہوئی تصویر پر ہاتھ رکھ کر کہا قم ''اٹھ''، تصویر شیر بن گئی۔جس وقت شیر بادشاہ کی جانب ایک قدم بڑھا تو بادشاہ کا رنگ زرد پڑ گیا۔

شیخ شبلی اور شیر کی طرف خواجہ جنید بغدادیؒ کی کمر تھی۔ان کی توجہ بادشاہ کی جانب تھی جب انہوں نے بادشاہ کی حالت کو متغیر پایا تو محسوس کیا کہ شاید شبلیؒ نے کوئی حرکت کی ہے۔شیر کو دیکھ کر بادشاہ پر کپکپی طاری تھی اور پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔خواجہ جنید بغدادیؒ نے مڑ کر دیکھا تو آپؒ نے شیر کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دیا اور شیر پھر قالین کی تصویر بن گیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو تصویر کو بھی اپنی نظر سے شیر بنا سکتے تھے۔اس واقعہ کی وجہ سے انہیں شبلی کہا جانے لگا۔آپؒ کا اصل نام ابوبکر تھا۔القصہ منصور حلاجؒ کے خلاف فتویٰ دینے والے اہلِ ظاہر تھے۔ ہمارے سرکار (حضرت خواجہ محمد کریم اللہ) رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ منصورؒ کے خلاف اہلِ ظاہر نے فتویٰ دے کر ظلم کیا، اہلِ باطن پر فتویٰ اہلِ باطن ہی کا چاہیے۔ شیخ منصورؒ کے خلاف فتویٰ حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ سے طلب کیا جانا چاہیے تھا، یا پھر حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے خلاف فتویٰ دیتے تو کچھ بات تھی۔

ع۔ علامے عالم فاضل واقف علم معانی جوزی ثانی
بھاویں فتویٰ کفروں دیون اوپر عشق حقانی وصل ربانی
فتویٰ ایہناں ظاہر علموں، باطن خبر نہ جانی دل تھیں جانی
عاشق ایتھے فتویٰ جائز بغدادیؒ، جیلانیؓ، محرم جانی

(علم معانی جوزی ثانی جیسی علمِ ظاہر کی کتب پڑھنے والے فاضل اس لائق نہیں کہ عشقِ حق تعالیٰ اور وصلِ حق تعالیٰ کو کفر قرار دیں۔ یہ علمائے ظاہر باطن

کی طرف سے اندھے ہیں، یہ دنیائے دل سے ناواقف اپنی باطنی جہالت کی وجہ سے نالائق لوگ ہیں۔ اگر منصور جیسے عاشق وواصلِ حق کا مقدمہ ہوتو اے عاشق اس مقام پر صرف اہلِ حق حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ یا غوثِ پاک رضی اللہ عنہٗ کا فتویٰ ہی درست ہوسکتا ہے کیونکہ وہ محرمِ حال ہیں)

شیخ منصور حلاجؒ کے بارے میں حضور غوث پاک رضی اللہ عنہٗ کا ارشاد منقول ہے کہ اگر منصور میرے زمانے میں ہوتا تو میں کبھی اسے سزا نہ ہونے دیتا بلکہ میں اسے اور بہتر مقام پر لے جاتا۔ دراصل یہ اولیاء اللہ کے مقامات ہیں جس میں ایسے احوال پیدا ہوجاتے ہیں کہ گویا وہ اپنی ہستی میں موجود ہی نہیں (اک عالمِ بےخودی اور اللہ تعالیٰ کی خودی کا اثبات ہے) ایک ایسا واصل باللہ جسے پردۂ جسم بھی پردے میں نہیں رکھ سکتا۔ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہٗ کا ایک واقعہ ملتا ہے کہ آپ کو ایک تیر لگ گیا جسے اس وقت نکالا گیا جب حضرت علی نماز میں تھے سو آپ کو مطلق خبر نہ ہوئی کہ کب تیر نکالا گیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی ہستیاں ذاتِ حق میں فنا کردی ہیں اور وہ فنا کے بعد بقا حاصل کرکے واصل باللہ ہوچکے ہیں۔

بہرحال واقعات (حضرت خواجہ محمد کریم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ پاک سے متعلق) بے شمار ہیں میں آپ دوستوں کے سامنے دوتین واقعات پیش کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان اولیائے کرام کے صدقے میں آپ کو اور مجھے بھی اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت وعشق عطا فرمائے اور ہمارے پیرومرشد کی سچی محبت عطا فرمائے، دنیوی واُخروی سعادت ہمارے شاملِ حال فرمائے، ذکروفکر کی محویّت عطا فرمائے اور نفس وشیطان کی بُرائیوں سے محفوظ رکھے۔ ہمارے سینوں کو سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نور سے منور فرمائے، کرم فرمائے، رحم فرمائے، گھر بار جان ومال، ظاہروباطن کی خیر عطا فرمائے۔ یا الٰہ العالمین! رحم کردے، سب پر رحم فرمادے۔ یا الٰہ العالمین! از غیرتِ مصطفٰےؐ ہر چیز پر فضل وکرم فرمادے۔ انعام فرما، فضل فرما، دلوں کی نیک حاجات پر مہروکرم فرمادے، بچوں کو نیک ہدایت دے، اہلِ خانہ کر شفا عطا فرمادے، الٰہ العالمین جو نابینا ہیں اُنہیں بینا کردے۔ الٰہ العالمین! جو اہلِ ظاہر ہیں اُنہیں اہلِ باطن بنادے۔ الٰہ العالمین سب کو حقیقت کی آنکھیں عطا فرما، کرم فرما رحم فرما انعام واکرام عطا فرما، سچی محبت اور عشق عطا فرما، الٰہ العالمین کامیابیاں اور کامرانیاں عطا فرمادے:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ بِحُرْمَتِ النَّبِیُّ الْكَرِيْمُ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَسَلَّمْ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ (آمین) (۶۔اکتوبر ۱۹۷۷ء)

اَعلیٰ عِلّیینِ الُمحَمَّدِ نِ الُمصطَفٰے ﷺ

اَلحَمدُ لِلّٰہِ نَحمَدُہٗ وَنَستَعِینُہٗ وَنَستَغفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیہِ وَنَشہَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحدَہٗ لَاشَرِیکَ لَہٗ وَنَشہَدُ اَنْ غَوثِنَا وَمُغِیثَنَا وَاَولٰینَا وَمُعِینِنَا وَمَعَنَنَا وَنَذِیرِنَا وَرَسُولِنَا وَشَہِیدِنَا وَشَفِیعِنَا وَشَافِنَا وَمُشفَّنَا وَطَبِیبَنَا وَطَبِیبَ قُلُوبِنَا وَسُرُورِ عُیُونِنَا وَسَندِنَا وَنُورَ اَجسَامِنَا وَنُورَ صَلٰوتِنَا وَنُورَ سَلَامِنَا وَنُورَ قِیَامَنَا وَنُورَ قَعُودِنَا وَنُورَ جُنُوبِنَا وَنُورِ نُورِنَا وَسَیِّدِنَا وَمَولٰینَا مُحَمَّداً عَبدُہٗ وَرَسُولُہٗ اَمَّا بَعدُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ فِیْ کَلَامِہِ القَدِیمِ فِیْ القُرآنِ العَظِیمِ فَاعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ۔ **اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُم مَّیِّتُونَ** اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّونَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَاالَّذِینَ اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَیہِ وَسَلِّمُوا تَسلِیمًا اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیکَ یَارَسُولَ اللّٰہِ وَعَلٰی اٰلِکَ وَاَصحَابِکَ یَاحَبِیبَ اللّٰہِ۔

سیّد و سرور محمدؐ نورِ جاں
بہتر و مہتر شفیعِ مجرماں
بہترین و مہترینِ انبیآء
جز محمدؐ نیست در ارض و سماء

میرے دوستو! بھائیو! خداوند کریم کی حمد وثناء اور سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ عالیہ میں تحفۂ درودِ پاک پیش کرنے کے بعد آپ کے سامنے قرآنِ پاک کی آیت تلاوت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبِ پاک سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ پاک سے مخاطب ہوتے ہوئے فرماتا ہے

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُم مَّیِّتُونَ (الزمر، آیت ۳۰)

(آپؐ پر بھی موت آنے والی ہے اور تمام اہلِ دنیا پر بھی موت آنے والی ہے)

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے ''موت'' کا لفظ استعمال کیا ہے اور حضورؐ کے ماسواء مخلوق پر بھی موت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ موت کیا چیز ہے، زندگی کیا ہے۔ آیا مرنے کے بعد ہر آدمی مِٹ جاتا ہے یا مرنے کے بعد موت کسی کو زندہ کر جاتی ہے یا ایسی زندگی عطا کر جاتی ہے جس کے بعد موت نہیں ہے۔ قرآنِ پاک اور حدیث پاک نے ہر آدمی پر موت آ جانے کے بعد اسکی مختلف حالتیں بیان کی ہیں اسی لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے میّتٌ کا لفظ علیحدہ استعمال کیا ہے اور دوسری مخلوق کیلئے علیحدہ استعمال کیا ہے۔ کیوں؟ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے جیسے ہوتے، ان کی زندگی ہمارے جیسی ہوتی تو ان کی موت بھی ہمارے جیسی ہوتی تو پھر قرآن پاک کی آیت اس طرح ہوتی اِنَّکَ وَاَنَّھُم مَیِّتُوْنَ یعنی تحقیق آپؐ اور یہ بھی سب مرنے والے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور کیلئے میّتٌ کا لفظ علیحدہ استعمال کیا ہے اور دوسری مخلوق کیلئے علیحدہ استعمال کیا ہے اس لئے کہ حضور کی شانِ موت سارے جہان سے علیحدہ ہے اور سارے جہان کی موت حضور کی موت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد جس وقت انسانی روح وجود سے نکلتی ہے تو وہ کہاں جاتی ہے، آپؒ نے فرمایا۔

اَرْوَاحُ الْمُوْمِنِیْنَ فِیْ اَعْلٰی عِلِیِّیْنَ وَاَرْوَاحُ الْکُفَّارِ فِیْ اَسْفَلِ السَّافِلِیْنَ

(مومنوں کی روحیں ایک اعلیٰ مقام پر پہنچ جاتی ہیں اور کافروں کی روحیں ایک نچلے مقام پر بند کر دی جاتی ہیں)

اسی لئے حدیثِ پاک میں کافر کی قبر پر سلام کرنے سے منع کر دیا گیا ہے اور مسلمان کی قبر سے بغیر سلام کے گزرنا منع فرمایا گیا ہے۔ اگرچہ:

کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ (آلِ عمران، آیت ۱۸۵)

(ہر ایک جان کو موت کا ذائقہ چکھنا پڑتا ہے)

مسلمان ہو کہ کافر، صالح ہو کہ مشرک، مومن، ولی، شہید خواہ نبیؑ یا مرسلؑ ہو، کائنات میں ہر ایک جان کیلئے اللہ تعالیٰ نے موت لکھی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے موت کا ذکر زندگی سے پہلے فرمایا ہے:

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ
اَحْسَنُ عَمَلاً وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْر (ملک، آیت ۲)
(اُس (اللہ) نے پیدا کیا موت اور زندگی کو تا کہ چھانٹ لے تم
میں سے کہ کون ہے جو بہترین کام کرتا ہے اور وہ (اللہ) غلبے والا
اور بہت ہی بخشش کرنے والا ہے)

گویا دنیاوی زندگی سے پہلے ہی موت کو پیدا کر دیا اور موت کا اطلاق ہماری دنیاوی زندگی پر اس لئے کیا تا کہ ہماری آزمائش مکمل ہو جائے اَیُّکُم اَحْسَنَ عَمَلاً تم میں کون بہترین طریقے پر نیک عمل کرتا ہے گویا زندگی اور موت کو پیدا کر کے ہمیں مبتلائے امتحان و آزمائش کیا گیا ہے تا کہ وہ جانچ لے کہ کون سا بندہ میری اور میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری کرتا ہے، کون میرے احکامات اور رضا کے مطابق اپنی زندگی بسر کرتا ہے اور کون کیسے حالات میں کسطرح نیک عمل کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے، کوئی چیز بھی اس سے مخفی نہیں ہے۔

ہر وہ کام جو خدا کی ذات کیلئے ہوگا یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کیلئے ہوگا، یا ان احکامات کے مطابق خدا کی مخلوق کے لئے ہوگا وہ عبادت میں شامل کیا جائے گا۔ تمہارا ہر لمحہ عبادت میں شامل ہوگا اگر تم خدا اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم، اُن کی خوشنودی اور اُن کی رضا کے مطابق زندگی بسر کرو گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جن وانس کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْن (الذریات، آیت ۵۶)
(جن اور انسان کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے)

لیکن یہ نہ سمجھنا کہ پانچ وقت کی نماز پڑھ لینا ہی عبادت ہے، یا رمضان کے روزے رکھ لینا ہی عبادت ہوتی ہے۔ پانچ وقت کی نماز، روزے، حج، زکوٰۃ یہ تو ہر مسلمان پر فرض ہے، اس کے بغیر تو نجات ہی نہیں لیکن یہ گمان کرنا کہ یہ چیزیں ہی عبادت ہیں اور کچھ عبادت میں شامل نہیں، شاید مناسب نہیں۔ اگر پانچ وقت کی نماز کا وقت شمار کریں تو کتنا وقت لگے گا؟ زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے یا اڑھائی گھنٹے لگ جائیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ چوبیس گھنٹوں میں دو گھنٹے عبادت کرتے ہیں اور بائیس گھنٹے تم خدا سے منحرف ہو جاتے ہو، خدا کی طرف تمہاری توجہ ہی نہیں۔ خدا کے احکام کی طرف دھیان ہی نہیں دیتے اور دنیا کا ہر کام آزادی سے کرتے ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ چوبیس گھنٹوں میں دو گھنٹوں کی عبادت کیلئے تمہیں پیدا کیا گیا ہے اور بقیہ بائیس گھنٹے دنیا

کے کاموں کیلئے پیدا کیا ہے۔ اگر سال کے بعد روزے آتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایک مہینے کے روزے ہیں اور گیارہ ماہ تمہیں چھٹی ہے۔ روزے کیوں فرض کئے گئے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْن تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ، متقی بن جاؤ۔ پرہیزگاری محض ماہِ رمضان کیلئے مخصوص نہیں بلکہ اس کا مقصد ہے باقی گیارہ ماہ بھی تم پرہیزگاری اختیار کرو۔ یا اگر ایک بار تم زندگی میں حج کر لیتے ہو تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ باقی زندگی کے دن تمہارے لئے چھٹی کے دن ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے انسان کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، عبادت ہیں تو اپنے ماں باپ کی خدمت، اپنے ماں باپ کی عزت کو ملحوظِ خاطر رکھنا بھی عبادت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی اختیار کرنا، اُن کے احکامات کے مطابق زندگی بسر کرنا بھی عبادت ہے۔ یتیم کے سر پر ہاتھ رکھنا، کسی محتاج کی حاجت روائی کرنا بھی عبادت ہے۔ زندگی کا ہر لمحہ عبادت میں شامل ہو سکتا ہے اگر آپ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کریں۔ جن لوگوں نے مقصدِ حیات کو صحیح سمجھا ہے وہ رات کو بھی عبادت کرتے ہیں، نوافل ادا کرتے ہیں اور جو لوگ دائمی عبادت کرنا چاہتے ہیں وہ وقتی عبادت کے ساتھ ساتھ ذکرِ خداوندی ہر وقت کرتے ہیں جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ

(آلِ عمران، آیت ۱۹۱)

(یہ وہ لوگ ہیں جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہوئے کروٹوں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت اور مقصدِ تخلیقِ حیات کو وہ لوگ پورا کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کے مطابق وقتی اور دائمی دونوں عبادات کرتے ہیں۔ انسان انہی تین حالتوں میں ہوتا ہے، کھڑا، بیٹھا یا لیٹا ہوا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِن تینوں حالتوں میں اپنے ذکر کو واجب قرار دے دیا ہے۔ اس لئے مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِیْ كُلِّ الْاَحْوَالِ وَ فِیْ جَمِیْعِ الْمُقَامَاتِ وَ فِیْ جَمِیْعِ الْاَوْقَاتِ اَوْقِیَامًا اَوْقُعُوْدًا وَ اَوْجُنُوْبِكُمْ

(پس اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو اپنے تمام احوال میں، تمام
مقامات میں اور تمام اوقات میں، جب کھڑے ہو، جب بیٹھے
ہو، یا جب اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے ہو)

یہ ہے دائمی عبادت، یہ جو ہماری عبادات ہیں، ان میں کچھ فرائض، کچھ واجبات، کچھ سنتیں اور کچھ نوافل ہیں لیکن کچھ ایسی بھی عبادات ہیں جو انسان فوت ہو جانے کے بعد بھی چھوڑ جاتا ہے۔ اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ فوت ہو جاتا ہے تو اس کے تمام اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر تین اعمال ہمیشہ قائم رہتے ہیں صدقہ جاریہ: کسی نے صدقہ دیا ہو، یا مرنے کے بعد کوئی اس کی طرف سے صدقہ کرے۔ مشکوٰۃ شریف کی حدیثِ پاک ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، کی والدہ فوت ہو گئیں تو وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میری والدہ فوت ہو گئی ہیں میں ان کیلئے صدقہ کرنا چاہتا ہوں حضورؐ نے فرمایا گھر جا کر پانی صدقہ کر دو۔ انہوں نے پانی صدقہ کرنے کی بجائے کنواں کھدوانا شروع کر دیا۔ جب کنواں تیار ہو گیا تو آپ نے پوچھا یہ کس نے تیار کروایا ہے؟ جواب ملا ھٰذا بئرٌ لِاُمّ سَعَدْ یہ کنواں سعد کی والدہ کے لئے ہے حالانکہ سعد کی والدہ اس وقت فوت ہو چکی تھیں اور نبی پاکؐ نے پانی صدقہ کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ اس حدیثِ پاک میں چار مسائل غور طلب ہیں:

☆ اگر مرنے کے بعد کسی کیلئے صدقہ کرنا منع ہوتا تو آپؐ اس صحابی کو منع کر دیتے۔

☆ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا پانی صدقہ کر دو، اگر سعد کسی پیاسے کو پانی کا پیالہ پلا دیتے تو حکم پورا ہو جاتا۔ حضورؐ کے اس حکم کو انہوں نے اس رنگ میں ڈھالا کہ پانی کا کنواں تیار کروا دیا۔ معلوم ہوا کہ نبی پاکؐ کا حکم اشارۃً بھی آپ کو مل جائے تو اسکی تفصیل کے رنگ میں تعمیل کر لی جائے تو جائز ہے۔ سعدؓ نے کنواں تیار کروا دیا تو معلوم ہوا کہ صدقہ طاقت کے مطابق ہوتا ہے، چاہے کوئی ایک روٹی دے دے چاہے دس دیگیں دے دے۔

☆ جہاں صدقہ ہو وہاں پہنچنا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی سنت مبارک ہے۔ اس صدقے کو خدا کے نام سے منسوب کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جس کے لئے صدقہ کیا جا رہا ہے اس کے نام سے منسوب کیا جا سکتا ہے "لِاُمّ سَعَدْ" کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جس صدقہ پر رب تعالیٰ کا نام نہیں ہے وہ حرام ہو جاتا ہے، حدیث میں فرمایا گیا ہے ھٰذا بئرٌ لِاُمّ سَعَدْ یہ کنواں سعد کی ماں کے لئے ہے۔ رب تعالیٰ کا نام نہیں آیا اور نہ زندہ کسی شخص کا نام آیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا جب تک یہ کنواں پانی دیتا رہے گا اس وقت تک سعد کی ماں کی روح کو اس کا ثواب

پہنچتا رہے گا۔

تمہارے کندھوں کے اوپر دو فرشتے ہیں جنہیں کراماً کاتبین کہتے ہیں وہ انسان کی نیکیاں اور بُرائیاں لکھتے ہیں، وہ فرشتے تم لوگوں کو نظر نہیں آتے۔ سارا دن کام کاج کے بعد جب آپ لوگ سو جاتے ہیں تو وہ فرشتے تمہارا نامۂ اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کر دیتے ہیں۔ پھر جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو فرشتے اس کا نامۂ اعمال بند کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حتمی طور پر پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ لوحِ محفوظ میں اُسے محفوظ کر لیتا ہے اور قیامت کے روز یہ اعمال نامے نیک لوگوں کو دائیں ہاتھ میں اور بُرے لوگوں کو بائیں ہاتھ میں تھما دیئے جائیں گے۔ رب تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ لو اپنی کتاب پڑھ لو۔ برا آدمی پریشانی کی بنا پر جھوٹ بولنا چاہے گا لیکن اللہ تعالیٰ اس کا جھوٹ اس پر جتا دے گا بلکہ جن اعضاء کے ساتھ عمل کیا ہو گا وہ اعضا گواہی دیں گے۔ ہاتھوں سے گناہ کیا تو ہاتھ، پاؤں سے کیا تو پاؤں اس کے خلاف گواہی دیں گے گویا ہر عضو اس وقت اس کا دشمن بن جائے گا۔

القصّہ ہر نبیؑ رسولؑ کے لئے موت کا اطلاق کیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ''موت'' کے لفظ کی بجائے ''فوت'' کا لفظ استعمال کیا ہے، فوت، موت، نہیں ہوتی۔ موت کا فلسفہ ہے:

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتاً فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (البقرہ، آیت ۲۸)

(تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو؟ حالانکہ تم مردہ تھے، اس نے تمہیں زندہ کیا، پھر تم کو موت دے گا، پھر زندہ کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے)

یعنی موت ایک دفعہ آنی ہے پھر نہیں مارے گی، موت دوبارہ نہیں آنی لیکن جو موت کا فلسفہ ہے وہ ہے کہ

وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى

(انعام، آیت ۶۰)

(اور وہی (اللہ) ہے کہ جو رات میں تمہاری زندگی کو قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کو جانتا ہے پھر تم کو جگا کر

اُٹھاتا ہے تاکہ معیادِ معین تمام کردی جائے)

معلوم ہوا کہ جب تم رات کو سوتے ہو تو جب تک سوئے رہتے ہو فوت ہوئے رہتے ہو، موت ایک دفعہ ہی آنی ہے دوبارہ نہیں آئے گی، دوسری زندگی کے بعد موت نہیں ہے لیکن انسان کی زندگی اگر ساٹھ برس ہے تو ساٹھ برس کی تمام راتوں میں تم فوت بھی ہوتے ہو اور صبح زندہ بھی ہوتے ہو۔ معلوم ہوا کہ فوت ہونے کے معنی مرجانا نہیں ہوتا، اس دنیا سے گزرجانا نہیں ہوتا بلکہ تمام چیزوں کو چھوڑ دینا ہوتا ہے۔ سوئے ہوئے آدمی کی نہ دنیا اسکی رہتی ہے نہ کوئی اور چیز اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

اِذْقَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰىٓ اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

(آلِ عمران، آیت ۵۵)

(جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ میں تجھے پورا فوت کرنے والا ہوں اور تجھے اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں اور تجھے کافروں (کے غلبہ) سے پاک کرنے والا ہوں اور تیرے تابعداروں کو کافروں کے اوپر غالب کرنے والا ہوں قیامت کے دن تک)

متی، لوقا، یوحنا، مُرقس تمام اناجیل میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سُولی پر چڑھایا گیا۔ ہر عیسائی کا ایمان ہے اس بات پر کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی۔ اس واسطے صلیب کا نشان گلے میں پہنتے ہیں اور اُن کی اناجیل لکھتی ہیں کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھایا، اس کے بعد دفن کئے گئے، دفن کرنے کے بعد کچھ کہتے ہیں کہ تین دن کے بعد قبر پھٹی، کچھ کہتے ہیں دس دن کے بعد قبر پھٹی، کچھ کہتے ہیں چالیس دن کے بعد قبر پھٹی اور وہ آسمانوں کی طرف اُٹھالئے گئے۔ ہمارے قرآن پاک نے اسکی سخت تردید فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ، وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِىْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا (النساء، آیت ۱۵۷)

(اور یوں کہنے کے باعث کہ ہم نے رسول اللہ المسیح عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا حالانکہ نہ تو انہوں نے اُسے قتل کیا، نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ اُن کے لئے اُن کا شبیہہ بنا دیا گیا تھا۔ یقین جانو! کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کرنے والے اُن کے بارے میں شک میں پڑے ہیں۔ انہیں اس کا کوئی یقین نہیں بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے تاہم اتنا یقینی ہے کہ انہوں نے اُنہیں قتل نہیں کیا)

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا

(النساء، آیت ۱۵۸)

(بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اپنی طرف اُٹھالیا اور اللہ بڑا زبردست اور بڑی حکمت والا ہے)

واقعہ یوں ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک مکان میں بند کر دیا تھا۔ سولی تیار کر لی اور حکم دیا کہ جاؤ جا کر عیسیٰ کو پکڑ لاؤ، جس بندے کو بھیجا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس مکان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ڈھونڈتا رہا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ ملے جب وہ شخص واپس آنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ہو بہو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ بنا دیا۔ جب وہ باہر نکلا تو اہلکاروں نے اُسے پکڑ کر صلیب پر چڑھا دیا۔ عیسائی کہتے ہیں کہ ان کو صلیب دی گئی لیکن قرآن کہتا ہے کہ ان کو قتل نہیں کیا گیا اور نہ ہی صلیب پر چڑھایا گیا بلکہ ان کی شبیہہ بنا دی گئی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ
وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا (النساء، آیت ۱۵۹)

(اہلِ کتاب میں ایک بھی ایسا نہ بچے گا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے اُن پر ایمان نہ لا چکے اور قیامت کے دن آپ ان پر گواہ ہوں گے)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اُٹھائے جانے کے چھ سو (۶۰۰) سال کے بعد قرآن نازل ہوا ہے اور قرآنِ پاک نے یہ پیشین گوئی کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قَبْلَ مَوْتِہٖ ہیں، ان پر ابھی تک موت وارد نہیں ہوئی۔ اگر کوئی پوچھے کہ چھ سو سال کہاں رہے ہیں؟ تو

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے آسمانوں میں ہیں۔آج چودہ سو سال کا عرصہ مزید گزر چکا ہے وہ آج بھی قَبۡلَ مَوۡتِہٖ ہیں،اور قرآنِ پاک کی پیشین گوئی کبھی بدل نہیں سکتی اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو موت آئے گی، قیامت بھی اُسی دن آئے گی۔اب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمین پر تشریف لانے کا ذکر کرتا ہوں۔آسمان پر رہنے والوں کا موت سے کوئی تعلق نہیں،آسمان میں رہنے والوں پر اس عالمِ ناسوت کے وقت کا کچھ اثر نہیں ہوتا،وہاں کوئی شے تبدیل نہیں ہوتی اسی لئے جب سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تھے اور اٹھارہ برس کے بعد واپس آئے تھے تو وہی وقت تھا۔اللہ تعالیٰ نے معراجُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ (بنی اسرائیل،آیت ۱)

(پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی،جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے، اس لئے کہ ہم اُسے اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں،یقیناً وہی ہے سننے دیکھنے والا)

یعنی تمام سیاحتِ افلاک رات ہی میں مکمل ہوگئی معلوم ہوا کہ وہاں، دنیاوی وقت کی پابندی نہیں ہے،دنیاوی وقت کی پابندی بھی اِدھر ہی ہے،جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر نہیں آئیں گے تب تک اُن پر موت وارد نہیں ہوسکتی کیونکہ موت اہلِ زمین پر وارد ہوتی ہے وہ جب زمین پر تشریف لائیں گے تو موت کا نظارہ کریں گے۔

الغرض واپس موضوع کی طرف پلٹتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روح اُن کے جسمِ اطہر سے نکلا ہے تو اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کا اعلیٰ علیّین کون ہوسکتا ہے؟اس کا بلند مقام کیا ہوسکتا ہے؟وہ میں عرض کردیتا ہوں کہ انسان کے پاؤں کا جوتا انسان کی حفاظت کیلئے پہنا جاتا ہے اس لئے پاؤں کا درجہ جوتی سے زیادہ ہوتا ہے اور پاؤں کے مقابلے میں باقی جسم کا درجہ زیادہ ہوتا ہے۔پاؤں کے مقابلے میں ہاتھوں کا درجہ زیادہ ہوتا ہے، ہاتھوں کے مقابلے میں سینے اور چہرے کا درجہ زیادہ ہوتا ہے اور سارے جسم میں دل کا درجہ بلند ہے کیونکہ جسم کا تمام انحصار دل پر ہے۔نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر اس میں اصلاح پیدا ہوجائے تو تمام جسم میں اصلاح پیدا ہوجاتی ہے،اگر اس میں فساد پیدا ہوجائے تو

سارے جسم میں فساد پیدا ہو جاتا ہے اور وہ دل ہے۔ معلوم ہوا کہ دل مرکز ہے اور مرکز ہمیشہ اپنی اطراف سے اچھا ہوتا ہے، اور دل کے مقابلے میں روح کا درجہ بلند ہے۔ جب حضورؐ کے جسم سے روح خارج ہوتی ہے تو کس وجود سے خارج ہوتی ہے؟ وہ جسم جو اپنی پاپوش نعلین مبارک سمیت عرش پر تشریف لے جاتا ہے۔ حضور کی معراج روح و جسم دونوں کے ساتھ ہے۔ آپ نے کپڑے بھی پہنے ہوئے ہیں۔ عرشِ معلیٰ ارواح کے لئے سب سے اونچا مقام ہے۔ تمام ارواح عرش پر سکونت پزیر ہیں۔ جب کوئی روح وہاں سے آتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اُدْ خُلْ فِیْ هٰذِهِ الْجَسَدِ

(اس وجود میں داخل ہو جا)

اور وہ روح وہاں سے چل پڑتی ہے اور جسم میں آ جاتی ہے، معلوم ہوا کہ مومنین کی ارواح عرشِ الٰہی پر اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جوڑا (پاپوش نعلین) مبارک عرشِ الٰہی پر ہے۔ اب مومن کی روح کا مقابلہ کس سے ہوا؟ حضورؐ کے جوڑے پاک سے۔ قدم (پاؤں) مبارک سے بھی نہیں جوڑے پاک سے۔ معلوم ہوا کہ حضورؐ کے جسم کا ادنیٰ سے ادنیٰ حصہ قدمِ پاک بھی مومن کی روح سے بلند درجہ رکھتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ (الاحزاب، آیت ٦)

(نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مومنین پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں اور نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں)

معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مومنوں کی جانوں سے زیادہ افضل و اعلیٰ ہیں۔ وہی وجودِ پاک جو نعلین سمیت عرشِ پاک پر تشریف لے جاتا ہے، آسمانوں کی سیر کرتا ہے، جنت کا معائنہ کرتا ہے اور کرۂ نار کے اندر سفر کرتا ہے اور سدرۃ المنتہیٰ کے مقام تک جبرائیلؑ ہمرکاب ہے جس کے سات سونوری پر ہیں وہ عرض کرتا ہے کہ میں اس مقام سے آگے نہیں جا سکتا اگر ایک قدم بھی اور آگے بڑھاؤں گا تو میرے پر جل جائیں گے اور حضورؐ نے جو سوتی لباس پہنا ہے اور نعلینِ پہن رکھی ہے وہ نہیں جلے گی اور آپ لامکان میں تشریف لے جاتے ہیں اس کے بعد عالمِ بے مثال میں تشریف لے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی (النجم، آیت ٩،١٠)

(پھر دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی قریب ہو گیا اور پھر
اللہ نے اپنے بندے پر وحی کی جو بھی وحی کی)

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضورؐ پر جو وحی فرمائی وہ قرآن میں بیان نہیں کی معلوم ہوا کہ وہ راز کی باتیں تھیں اور راز کی باتیں کھلے عام نہیں کہی جاتیں۔ راز کی باتیں پہلے بھی کرتے تھے، دنیا میں بھی کرتے تھے۔ محفلوں میں بھی کرتے تھے لیکن اگر کوئی بڑی پرائیویٹ بات ہو تو بالکل علیحدہ ہو کر کی جاتی ہے اور اگر بہت ہی زیادہ پرائیویٹ ہو تو پھر یہ ہوتا ہے کہ کسی بھی شخص کو علم نہ ہو سکے کہ ہیں کدھر؟ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی حضورؐ سے باتیں کیں۔ تین قسم کی وحی حضورؐ پر نازل ہوتی تھی:

☆ ایک وحی وہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آدمی کی شکل میں تشریف لاتے تھے اور گفتگو فرماتے تھے۔

☆ دوسری وحی بغیر انسانی شکل کے صرف ''آواز'' کے ذریعے وحی سنائی دیتی تھی۔

☆ تیسری وحی دل پر القا ہوتی تھی، نہ بندہ ہوتا تھا، نہ آواز ہوتی تھی۔

لہٰذا تین طرح کی وحی تو یہ تھی جو دنیا میں نازل ہوتی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوبؐ میں ایک وحی اس طرح کی بھی کرنا چاہتا ہوں جسکی خبر عالمِ موجودات میں کسی کو بھی نہ ہو۔ نبی ہوں تو وہ آسمانوں پر رہ جاتے ہیں، زمین پر رہ جاتے ہیں، فرشتے ہوں تو وہ بھی پیچھے رہ جائیں۔ کوئی اس طرح کا مقام ہو جہاں سوائے تیرے اور میرے کوئی پہنچ ہی نہیں سکتا۔ اتنی دور لے جا کر اپنے محبوب سے بات کی تا کہ محبوب اور محبّ کا جو مقام ہے، ان کے جو راز و نیاز ہیں وہ ہرگز کسی کی رسائی میں نہ ہوں، کائنات کی کوئی چیز نبیؑ، رسولؑ، فرشتے، زمین والے، آسمان والے، مکان والے لامکان والے کوئی بھی باخبر نہ ہو۔ سو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ پاک جس مقام میں، جس لباس میں، جس حالت میں گئی تھی اسی حالت میں واپس آئی تھی۔ معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قدمِ پاک مومنوں کی ارواح سے اعلیٰ ہے لہٰذا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح جس وقت جسمِ اقدس سے خارج ہوئی ہوگی، ان کے لئے، ان سے بڑا مقام اور کونسا ہوگا سوائے ان کے روح کے مقام کیلئے اعلیٰ علیین نہ تو عرش ہو سکتا ہے، نہ فرش ہو سکتا ہے، نہ سدرۃ المنتہیٰ ہو سکتا ہے، نہ عالمِ لامکاں ہو سکتا ہے، نہ عالمِ بے مثال ہو سکتا ہے کیوں کہ ان کے وجود کا مقام ہے اور وجود سے روح کا مقام بہت بڑا ہے لہٰذا اس کے واسطے مکان یا عالمِ مکان کے اندر کوئی اعلیٰ علیین نہیں ہے سوائے حضورؐ کے وجودِ پاک کے معلوم ہوا کہ حضورؐ کا روح خارج ہو کر پھر حضورؐ کے وجود میں واپس کر دیا گیا۔ مولانا سیوطیؒ فرماتے ہیں:

اِنَّ النَّبِیَ حَیٌّ بِجَسَدِہٖ وَبِرُوْحِہٖ
(بے شک نبی اکرمؐ اپنے جسم اور اپنی روح دونوں کے ساتھ زندہ ہیں)

وَیُسِیْرُ حَیْثُ یَشَآءُ فِی الْاَرْضِ وَفِی الْمَلَکُوْتِ
(اور سیر کرتے ہیں جہاں چاہیں زمینوں اور آسمانوں میں)

یعنی جہاں بھی تشریف لے جانا چاہیں ان کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ موت ایسی ہے کہ موت ہونے کے بعد آپ کو ایسی زندگی عطا کی گئی ہے جو کہ حِسّی زندگی ہے، سرکار کے وجود میں روح پھر عود کرگئی اور ساری کائنات سے علیحدہ شان والی زندگی حاصل کرلی اور جہاں چاہیں فوت ہونے کے بعد بھی تشریف لے جاتے ہیں، یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ موت مار ہی دیتی ہے بلکہ بعض اوقات موت ایسا مقام عطا کر دیتی ہے جو کہ دنیا میں نصیب نہ ہوا ہو۔ ہماری سرکار حضرت خواجہ محمد کریم اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میاں! ولی اللہ کی ہستی خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہوتی ہے، وجود کے اندر جس وقت تک اس کا مقام رہتا ہے اس وقت تک اسکی ہستی ایسی ہوتی ہے جیسے تلوار نیام میں بند ہوتی ہے اور جب یہ وجود کو چھوڑ دیتی ہے گویا نیام سے باہر نکل آتی ہے۔ بعد از وصال ولی اللہ کی ہستی تیغِ برہنہ کی طرح کام کرتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حیات بعد الممات کا اصول تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔ واقعۂ معراج کے دوران خصوصی طور پر حضور کو اس کا مشاہدہ ہوا، ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر جو اس دنیا سے تشریف لے گئے تھے جنہیں قبروں والے کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ مسلم شریف کی روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رَاَیْتُ اَخِیْ مُوْسٰی ھُوَ یُصَلِّیْ قَائِمًا
(میں نے اپنے بھائی موسیٰ (علیہ السلام) کو دیکھا وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے)

اور سنن ابوداؤد کی حدیثِ پاک ہے:

اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ
(تمام انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں)

نماز ادا کرنا نہ تو مجرد روح کا کام ہے اور نہ روح کے بغیر وجود کا کام ہے۔ جب تک روح

وجود میں نہ ہوگی نماز ادا نہیں کرسکتی، سجدے اور رکوع نہیں کرسکتی کیونکہ حضورؐ نے فرمایا:

اَلصَّلٰوۃُ عِبَادَۃٌ فِیۡھَا الرَّکُوۡعُ وَالسَّجُوۡدُ

(نماز ایسی عبادت ہے جس میں سجدے اور رکوع کیے جاتے ہیں)

اور سجدہ ورکوع وجود کی حرکات ہیں، وجود اس وقت تک حرکت نہیں کرتا جب تک اس میں روح نہ ہو۔ معلوم ہوا انبیا علیہم السلام کے وجود میں روح ہوتی ہے اسی لئے شبِ معراج انبیائے کرامؑ نے مسجدِ اقصیٰ میں نماز ادا کی اور اس کے بعد آسمانوں کی طرف عود کر گئے۔ آسمانوں پر حضرت موسیٰؑ کے کہنے پر پچاس نمازوں میں تخفیف کرا کر حضورؐ نے پانچ نمازیں کروادی تھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ انبیاءؑ مدد نہیں کرسکتے، اگر موسیٰ علیہ السلام نے مدد نہ کی ہوتی تو پانچ کی بجائے آج ہم پچاس نمازیں پڑھ رہے ہوتے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُمّتِ محمدیہؐ کے قیامت تک آنے والے ہر فرد کیلئے نبی پاک کو مجبور کیا کہ نمازیں کم کروائیں اللہ تعالیٰ سے۔ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کے لئے بار بار خدا کے سامنے پیش ہوئے اور پچاس کی بجائے پینتالیس (۴۵) نمازیں معاف کروائیں اور پانچ رہ گئیں لیکن سبحان اللہ ان پانچ نمازوں کی ادائیگی کا ثواب پچاس کے برابر ہی ملتا ہے القصہ انبیاء کی زندگی مابعد الموت بھی اچھی ہوتی ہے جیسے کہ دنیا کے اندر موجود ہیں، اُن کے واسطے قبر کوئی رکاوٹ نہیں ہے، آسمانوں میں جانا رکاوٹ نہیں ہے۔

بعد از انبیاءؑ صدیقین کا مقام ہے۔ تمام اولیاء اللہ اِن میں شامل ہیں، سارے ولی صدیقین کہلاتے ہیں۔ اولیائے کرام کے لئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنۡ نَّجۡعَلَھُمۡ کَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحۡیَاھُمۡ وَمَمَّاتُھُمۡ سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ (جاثیہ، آیت ۲۱)

(کیا ان لوگوں کا جو بُرے کام کرتے ہیں یہ گمان ہے کہ ہم اُنہیں ان (اولیاء اللہ) جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے کہ ان کا مرنا جینا یکساں ہوجائے، برا ہے وہ فیصلہ جو وہ کررہے ہیں)

فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُدۡخِلُھُمۡ رَبُّھُمۡ فِیۡ رَحۡمَتِہٖ ذٰلِکَ ھُوَ الۡفَوۡزُ الۡمُبِیۡنُ (جاثیہ، آیت ۳۰)

(جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے تو ان کو ان کا رب اپنی
رحمت تلے لے لے گا، یہی صریح کامیابی ہے)

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان لوگوں جیسا کر دے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی آغوشِ رحمت میں لے لیا۔ مولانا ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں ۔

اِنَّ اللّٰـہَ تَعَالیٰ یُعْطِی بِاَرْوَاحِ بِقُوَّۃِ الْاَجْسَادِ
فَیَذْھَبُوْنَ حَیْثَ یَشَاءُ فِی الْاَرْضِ وَفِی الْمَلَکُوْتِ
فَیَنْصُرُوْنَ اَوْلِیَاءَ ھُمْ فَیَدْ فَعُوْنَ اَعْدَاءَ

(بیشک اللہ تعالیٰ ان ولیوں کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد
ان کی روحوں کو جسموں کی قوت عطا فرما دیتا ہے پس یہ لوگ
جہاں چاہتے ہیں زمیں میں اور آسمانوں میں جاتے ہیں، یہ لوگ
اپنے دوستوں کی مدد بھی کرتے ہیں اور ان کے دشمنوں کو دفع بھی
کرتے ہیں)

معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں قطعی شواہد سے معلوم ہے اور اولیاء اللہ کے بارے میں ہے کہ اولیاء اللہ بھی جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں اور اپنے دوستوں کی مدد بھی کرتے ہیں اور دشمنوں کو دفع بھی کرتے ہیں۔ اس کے بعد تیسرا درجہ شہداء کا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعامِ خاص فرمایا ہے۔ کل چار درجے قرآن مجید نے ارشاد فرمائے ہیں۔ ہر شخص نماز کے اندر اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے صاحبِ انعام لوگوں میں سے کر دے۔ آپ ہر نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھتے ہوئے یہی دعا مانگتے ہیں کہ ۔

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ
عَلَیْھِمْ غَیْرِالْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ

(ہمیں سیدھا راستہ دکھا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا
اور ان کا نہیں جن پر تیرا غضب ہوا اور جو گمراہ ہوئے)

جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے سورۃ النسآء کی آیت ۶۹ میں ان کا ذکر یوں فرماتا ہے:

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُوْلٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ
اللّٰـہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ

وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقاً (النساء، آیت ۶۹)

(اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے جیسے انبیاء، صدیقین شہداء اور صالحین ہیں، یہی بہترین دوست ہیں)

پہلا درجہ انبیائے کرام کا، دوسرا صدیقین کا، تیسرا شہداء کا اور چوتھا صالحین کا ہے اور جسے اس بات پر دکھ ہو کہ ان پر انعام کیوں کیا سو اس انعام کا دکھ کرنے والا خداوندِ کریم کا دشمن ہے کیونکہ انعام تو رب تعالیٰ نے فرمایا ہے، اس انعام کو دیکھ کر دکھ کرنا گناہ ہے اس لئے اس انعام کو خداوند کریم کا عطا کردہ مقام سمجھتے ہوئے اسے تسلیم کرنا چاہیے۔ حیاتِ شہداء کے بارے میں قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے صاف فرمایا:

وَلَا تَقُوْلُوْ لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّاتَشْعُرُوْنَ (البقرہ، آیت ۱۵۴)

(اور اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن (انکی زندگی کا) تم شعور نہیں رکھتے)

اور پھر اسی بات کو سورۃ آلِ عمران کی آیت ۱۶۹ میں رزق دیئے جانے کے ساتھ یوں بیان فرمایا:

وَلَاتَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتاً بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ (آلِ عمران، آیت ۱۶۹)

(ہرگز گمان بھی مت کرنا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں وہ مردہ ہیں بلکہ وہ تو زندہ ہیں اور اپنے رب کے یہاں رزق دیئے جاتے ہیں)

یہاں تقاضا تو اہلِ ایمان سے ہے کہ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ وہ شخص جس کا سر اور دھڑ الگ الگ پڑا ہے اسے مرا ہوا کہنا اور گمان بھی کرنا گناہ ہے اسے ہرگز مرا ہوا نہ کہو جسے اللہ کے راستے میں قتل کیا گیا ہے وہ زندہ ہے لیکن تم اس کی زندگی کو سمجھ نہیں سکتے شعور نہیں رکھتے حالانکہ شہیدوں کو رزق دیا جاتا ہے۔ اب اگر تیسرے درجے کا انسان انبیائے کرام علیہم السلام کے مقابلے میں زندہ ہے تیسرے درجے کا انسان جو شہید ہے جسے نبی کی وساطت سے کلمہ پڑھ کر یہ مقام حاصل ہوتا ہے تو کیا جس نبی کا کلمہ پڑھتا ہے اس کو یہ مقام حاصل نہیں ہوا ہوگا؟

چوتھا درجہ اللہ پاک فرماتا ہے کہ صالحین کا ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (النحل، آیت ۹۷)

(جو بھی نیک عمل کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ مومن بھی ہو
تو اسے پاکیزہ زندگی عطا کی جاتی ہے)

اسی لئے جب قبروں پر جاتے ہو تو حکم ہے کہ کہو:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَااَهْلَ الْقُبُوْرِ

یا یہ کہو

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ
وَالْمُوْمِنِيْنَ (الخ)

(اے اہلِ دیار تم میں سے مسلمانوں اور مومنوں پر سلام ہو، تم
نے واپس آکر ہمیں نہیں ملنا ہم ہی نے آکر تمہیں ملنا ہے۔ اور
ہم اپنے لئے اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آرام اور
عافیت مانگتے ہیں)

مطلب یہ کہ دعا مانگنا بھی درست اور سلام کرنا بھی جائز اور سلام بندہ اس پر کرتا ہے جو شخص سلام کا جواب دے اور اس کے بعد سلام سنتا بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ مومنین کو سلام پہنچاتا ہے اور وہ جواب بھی دیتے ہیں اور اس کے بعد (یعنی مومنین و مسلمین سے اوپر درجہ میں کون ہے؟) صلحاء زندہ، اولیائے کرام زندہ، انبیائے کرام زندہ اور سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان تمام کی زندگی سے اعلیٰ، اولیٰ اور ارفع زندگی رکھتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دنیا سے تشریف لے جانا یہ نہ سمجھنا کہ عام لوگوں کی طرح ہے بلکہ وہ ایسی بے مثال رفعتِ دائمی وقائمی ہے کہ کائنات میں کسی کو حاصل نہیں، حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''جمعۃ المبارک کے روز مجھ پر درود پاک پڑھا کرو کیونکہ جمعہ کے روز میری اُمّت کے تمام اعمال میرے روبرو پیش کئے جاتے ہیں۔''

دوستو! میرے تمہارے ہم سب کے اعمال حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں اور حضورؐ ان تمام اعمال کو ملاحظہ فرماتے ہیں اور (اعمال کی وجوہات و نیتوں کو تجزیۂ) دیکھتے بھی ہیں اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے آگے سفارش کرتے ہیں:

يَا رَبِّ هَبْ لِيْ أُمَّتِيْ

(یارب میری اُمت کو بخش دے)

پیدائش کے وقت بھی یہی الفاظ فرمائے تھے، دورانِ حیاتِ ظاہریہ بھی یہی دعا فرماتے تھے اور دنیا سے پردہ فرماتے وقت بھی یہی دعا فرمائی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (النساء، آیت ۶۴)

(اگر یہ لوگ جنہوں نے اپنی جانو پر ظلم کیا تھا، آپؐ کے پاس آجاتے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی ان کے لئے استغفار کرتے تو یقیناً یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور نہایت مہربان پاتے)

اسکی دو صورتیں ہیں۔ استغفار پڑھو گے تو خدا تعالیٰ بخش دیتا ہے لیکن کملی والے کے دروازے پر چلے جاؤ گے تو دو چیزیں حاصل ہوں گی:

(۱) توبہ قبول ہو جائے گی

(۲) رحم بھی نازل ہوگا

واضح ہوا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے در پر حاضر ہونا، یا آپ کی قبرِ مطہرہ پر حاضر ہونا حکمِ خدا ہے۔ اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دینا (اس لئے مبارک فعل ہے کہ وہاں انوارِ مصطفائی اور رحمتِ خداوندی حاصل ہوتی ہے) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو معراجِ پاک مکہ سے افلاک کی جانب بھی ہو سکتی تھی لیکن بیت المقدس لے جانے کا مقصد یہ تھا کہ سب سے پہلے انبیائے کرامؑ کی قبروں پر تشریف لے جائیں۔ مسجدِ اقصیٰ ایسی مسجد ہے جس کے بارے میں فرمایا کہ اس کے اردگرد ہم نے برکت رکھی ہے۔

مسجد بابرکت ہوتی ہے، مسجد کا اندرونی حصہ ہمیشہ بابرکت ہوتا ہی ہے لیکن عام مساجد کا بیرونی حصہ بابرکت نہیں ہوتا ہے کہ جہاں سے ہر طرح کے لوگ، گدھے اور ناپاک جانور بھی گزرتے ہیں لیکن مسجدِ اقصیٰ ایسی ہے جس کے چاروں اطراف میں برکت رکھی گئی ہے۔ سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کعبۃ اللہ عتیق اور مسجد اقصیٰ بیت المقدس کی اندرونی برکت کا ذکر نہیں کیا (کہ وہ تو طے شدہ ہے) جبکہ بیرونی برکت کا اظہار فرمایا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے

کہ برکت کس چیز کی تھی یعنی چہار اطراف میں انبیاء علیہم السلام کی قبور ہیں گویا معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی نبیؑ کی قبر، مساجد کے اندرونی حصوں سے زیادہ بابرکت ہوتی ہے۔

ایک اور چھوٹی سی چیز عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی زندگی کے لئے موت بنا رکھی ہے۔ مشکوٰۃ شریف کی روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ مضمون بیان فرمایا ہے کہ جس وقت بندہ مرجاتا ہے تو اس کو غسل دے کر کفن دیتے ہیں تو پھر وہ میّت باتیں کرتی ہے اگر وہ میّت نیک ہوتی ہے تو اپنے گھر والوں سے کہتی ہے کہ مجھے جلد از جلد قبر کی طرف لے چلو، اور اگر وہ غیر صالح ہو تو گھر والوں سے چیخ چیخ کر کہتی ہے کہ مجھے قبر کی طرف مت لے جاؤ۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آیا کہ روح نکل گئی ہے تو پھر بھی یہ باتیں کرتی ہے؟ فرمایا ہاں، پوچھا، کیا یہ آواز سن سکتی ہے؟ فرمایا، آواز کیوں نہیں سن سکتی؟ انسان اور جنّات کے علاوہ باقی ہر شے اس کی آواز سنتی ہے، تمام حیوان، چرند پرند اسکی آواز سنتے ہیں۔ اگر انسان یہ آواز سن لے تو ساتھ ہی خود بھی مرجائے۔ اس کے بعد ہم میّت اٹھاتے ہیں اور اس کو قبرستان لے جاتے ہیں، جنازہ ہو جاتا ہے۔ جس مسلمان کے جنازے میں چالیس مسلمان شرکت کریں تو اس کی بخشش ہو جاتی ہے (ہماری بخشش کے بہانے بنائے ہوئے ہیں) پھر اسے قبر میں اتارا جاتا ہے، دفن کیا جاتا ہے، اس پر مٹی ڈالی جاتی ہے۔ اس کے بعد دعا مانگی جاتی ہے۔ جس وقت لوگ پلٹ جاتے ہیں تو میّت ان کے جوتوں کی آواز سنتی ہے اور جب آواز کم ہونا شروع ہو جاتی ہے تو وہ گھبرانے لگتی ہے کہ میں اکیلا رہ گیا ہوں، جب اکیلے پن کی وجہ سے وہ میّت گھبرا جاتی ہے تو اس کو یوں لگتا ہے کہ جیسے وہ پانی میں غرق ہو رہی ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر جب اس کے لواحقین میں سے بھائی یا بہن اس کے لئے دعا کرتا ہے تو وہ دعا اس کے وجود سے لپٹ جاتی ہے اور اس کو اٹھا لیتی ہے، وہ سمجھتا ہے کہ میں بچ گیا ہوں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس وقت محبوب ترین شے دعا ہوتی ہے جو اس کو بچا جاتی ہے۔ اسی لئے اہلسنّت والجماعت (کا عقیدہ رکھنے والے لوگ) دفن کرنے کے بعد فوراً ہی آ کر بیٹھ جاتے ہیں دعائیں مانگنے کیلئے کیونکہ وہ وقت ہی ایسا ہوتا ہے، امتحان کا وقت ہوتا ہے، اس لئے جسقدر اس کے لئے بخشش کی دعا مانگو گے اسی قدر اس کو فائدہ ہوگا۔ اہلسنّت والجماعت اس بات کا ثبوت پیش کرتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی کسی کے لئے دعا مانگی ہے جسطرح اہلسنّت مانگتے ہیں کیونکہ بعض دوست اس دعا کے قائل نہیں ہیں۔

روایت ہے کہ حضرت ابی عامرؓ اور ان کے بھتیجے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ میدانِ جنگ میں

گئے۔ ابوموسیٰ اشعریؓ راوی ہیں، فرماتے ہیں کہ میں ایک طرف گیا تھا اور چچا کو محاذ پر چھوڑ کر گیا تھا۔ واپسی پر میں نے چچا کو لہولہان دیکھا۔ میں دیکھ کر بہت حیران ہوا، پوچھا، چچا یہ کیا ہوا؟ چچا نے اشارہ کیا، میں نے دیکھا کہ ایک کافر جا رہا تھا۔ میں اس کے پیچھے گیا اور اسے نیچے گرا کر قتل کر دیا۔ واپس آیا تو چچا پر نزع کا وقت طاری تھا۔ میں نے پوچھا، چچا آپ کی کوئی وصیت ہے؟ چچا نے کہا میری کوئی وصیت نہیں صرف ایک ہی وصیت ہے کہ جب تم مدینہ طیبہ جاؤ مجھے دفن کر کے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں میری یہ آرزو پیش کر دینا کہ حضور! ابی عامر کی یہ عرض تھی کہ میری بخشش کے لئے دعا فرما دیں۔ یہ کہہ کر جان دے دی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری اپنے چچا کو دفن کرنے کے بعد مدینہ طیبہ آئے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کی مجلس میں تشریف فرما تھے۔ ابوموسیٰ اشعریؓ عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میرے چچا ابی عامر شہید ہو گئے ہیں۔ آپؓ نے اپنی وصیت میں فرمایا تھا کہ حضور کی خدمت میں جا کر عرض کرنا کہ میرے لئے بخشش کی دعا فرمائیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو فرمایا اور دعا کے لئے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا دیئے۔ آپ نے دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَبِیْ عَامِرٍ اے اللہ ابی عامر کو بخش دے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میری بخشش کے لئے بھی دعا فرما دیں۔ آپؐ نے دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَبِیْ موسیٰ اشعری یا اللہ ابی موسیٰ اشعری کو بھی بخش دے۔ راوی کہتا ہے کہ حضورؐ نے اتنے ہاتھ اُٹھائے تھے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی بھی نظر آ رہی تھی۔ معلوم ہوا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سُنت ہے کسی کے دفن ہونے کے بعد اسکی بخشش کیلئے دعا کرنا۔ یہ سنّتِ رسولؐ ہے۔

عبادات کی کئی قسمیں ہوتی ہیں، بدنی، لسانی و مالی وغیرہ۔ کسی کی مغفرت کیلئے دعا کرنا لسانی عبادت ہے:

رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ (ابراہیم، آیت ۴۱)

(اے ہمارے رب مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور مومنین کو یوم حساب کے دن)

میں نے زبان ہلائی ہے اور تو نے کچھ نہیں کیا اس لئے سرکار فرماتے ہیں کہ یہ لسانی عبادت ہے چنانچہ تسبیح و تہلیل و تکبیر زبانی عبادت ہیں مثلاً سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص ایک مرتبہ سبحان اللہ پڑھے گا اسے دس نیکیاں ملتی ہیں، جو ایک

بار الحمدللہ کہے اسے بھی دس نیکیاں ملتی ہیں اور جو اللہ اکبر ایک بار پڑھے اسے بھی دس نیکیاں ملتی ہیں چنانچہ جو شخص نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمدللہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھے گا اسے پانچ ہزار نیکیاں ملیں گی، پانچ نمازوں کے بعد یہ پڑھنے سے پانچ ہزار نیکیوں کا ثواب مل جاتا ہے۔ جسطرح انسان کا بینک بیلنس ہو تو کبھی کام آجاتا ہے اسی طرح نیکیاں جسقدر جمع ہو جائیں تمہارے نامۂ اعمال میں تو قیامت کے دن تمہارا بیڑہ پار ہو جائے گا۔ صرف یہی نہیں بلکہ جسقدر بھی تسبیح، تقدیس، تہلیل یہ سب زبانی عبادتیں ہیں، دعا مانگنا، استغفار کرنا، تلاوت قرآنِ پاک کرنا یہ تمام لسانی عبادات ہیں۔ صرف آپ ہی نہیں عبادات کرتے فرشتے بھی زبانی ولسانی عبادات کرتے ہیں وہ مومنین کے لئے بخشش مانگتے ہیں۔

دوسری عبادات بدنی وجسمانی ہیں مثلاً نماز ادا کرنا، روزہ رکھنا وغیرہ جسمانی عبادات ہیں۔ تیسری مالی عبادت ہے صدقہ وخیرات وزکوٰۃ دینا تمام مالی عبادات ہیں کوئی عبادت تمام عبادات کا مجموعہ بھی ہوتی ہے جیسے حج بیت اللہ پانچواں رکن اسلام کا۔ اس میں جسمانی طاقت بھی لگتی ہے، مال بھی خرچ ہوتا ہے۔ جسم میں طاقت اور پس انداز میں روپیہ ہوگا تو حج کروگے۔ زبان سے تسبیحات کروگے، بھاگ دوڑ، سعی، طواف اور قربانی کروگے چنانچہ تمام عبادتیں حج میں جمع ہو جائیں گی معلوم ہوا کہ حج تمام عبادات کا مجموعہ ہے۔ تمام فرض عبادات اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کی کسی عبادت کو بطور کسی کے ایصال ثواب کے لئے کیا جائے تو شرعاً یہ بھی جائز ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیکَ وسلم میری ماں حج کرنا چاہتی تھی لیکن وہ فوت ہوگئی ہے اب میں کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا اسکی جگہ تم حج کرو۔ ایک عورت نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیکَ وسلم میری ماں نماز پڑھا کرتی تھی اب میں اسکے لئے کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا اس کے لئے نماز پڑھا کرو۔ معلوم ہوا کہ ایصالِ ثواب کے لئے جانی ومالی عبادت کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جائز فرمایا ہے اس طرح اگر صدقہ جاریہ کرے گا تو اس کا ثواب بھی ہمیشہ جاری رہے گا مثلاً حضور کے ارشاد کے مطابق وہ علم جس سے مخلوق نفع اُٹھاتی ہے اس کا بھی نامۂ اعمال بند نہیں ہوتا، اس کا عمل بھی منقطع نہیں ہوتا، یا کسی شخص نے کسی کو قرآن شریف پڑھایا ہو، سکھایا ہو اور اس نے آگے سکھایا ہو تو مخلوق نفع اٹھا رہی ہے لہٰذا تمام مخلوق جو نفع اٹھا رہی ہے ان سب کا فرداً فرداً ثواب جتنا ہوگا اس کا اجتماعی ثواب اس شخص کو ملے گا جس نے ان کو قرآن سکھایا ہوگا۔ ثواب میں کمی نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ایسا علم یا کتاب چھوڑ گیا ہے جس سے لوگ فیض یاب ہو رہے ہیں یہ علم بھی صدقۂ جاریہ ہوگا۔ جب

تک اس ذریعۂ استفادہ کا وجود رہے گا، اس پر عمل کرنے والے لوگ موجود رہیں گے، اس سے نفع حاصل کرنے والے لوگ موجود رہیں گے، اتنی دیر قیامت تک اس کا ثواب بھی جاری رہے گا۔ اسی طرح اگر کسی نے اپنے پیچھے ایسا لڑکا (نیک اولاد) چھوڑا ہے جو والدین کی وفات کے بعد ان کے لئے دعا کرتا ہے تو وہ بیٹا بھی والدین کے لئے صدقۂ جاریہ ہے۔ ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ایصالِ ثواب کیلئے کی جانے والی تمام عبادات جائز ہیں۔ لسانی، بدنی، مالی اور ان تمام عبادات کا مجموعہ حج بیت اللہ بھی ان میں شامل ہے۔

ایک طویل حدیث میں یہ مضمون آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت لوگ میّت کو قبر میں دفن کر کے پیچھے پلٹ جاتے ہیں قبر میں دو فرشتے آجاتے ہیں جن کو منکر نکیر کہا جاتا ہے، وہ سوال کرتے ہیں مَنْ ربُّکَ تمہارا رب کون ہے؟ اگر میت کہے لَا عِلْمِیْ میں نہیں جانتا تو پھر قبر تنگ ہونا شروع ہو جاتی ہے خواہ کچی ہو خواہ پکی۔ قبر کی دونوں دیواریں آپس میں مل جاتی ہیں اور مردے کو درمیان میں دبا دیتی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا دائیں طرف کی پسلیاں بائیں طرف کی پسلیوں میں داخل ہو جاتی ہیں، بائیں طرف کی پسلیاں دائیں طرف کی پسلیوں میں داخل ہو جاتی ہیں۔ یہ عذاب اس وقت تک ہوگا جب تک سوال کا جواب نہ دے گا۔ اگر وہ کہے گا ربّی اللّٰہ میرا رب اللہ ہے تو دوسرا سوال سامنے آئے گا مَا دِیْنُکَ تمہارا دین کیا ہے؟ اگر وہ جواب دے گا دِیْنِی الْاِسْلَام میرا دین اسلام ہے۔ اگر وہ مسلمانی کا دعویٰ کرے گا تو کم از کم پانچ بنا تو اس کے صاف ہونے چاہئیں۔ اگر اللہ اور اسکے رسولؐ پر ایمان نہیں لایا تو کیا مسلمان ہو سکتا ہے؟ اور اگر اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاتا ہے اور نماز نہیں پڑھتا، وہ مسلمان کہلوا سکے گا؟ وہ اپنی مسلمانی کا ثبوت کیا دے گا؟ اس واسطے اسلام کے پانچ بنا رکھے گئے ہیں۔ خدا اور رسولؐ پر سچے دل سے ایمان لانا، ان کے حکم اور بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نماز ادا کرنا، روزے رکھنا اور مال ہو تو زکوٰۃ ادا کرنا، طاقت ہو تو مالی جانی ہر قسم کی خیرات کرنا کم از کم ان چیزوں کا ثبوت دینا پڑے گا۔ زبانی زبانی کسی نے ماننا نہیں۔ ہم یہ کہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمانی کا ایک بھی کام ہمارے پاس نہ ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا اسلام صحیح معنوں میں ہم پر عملی طور پر نافذ نہیں ہو سکا (نماز کی پابندی یعنی بصدق قلب حضوری سے نورِ توحید انسان کے قلب و روح میں سرایت کر جاتا ہے اور انسان قبر میں فرشتوں کے ہر سوال کا جواب اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سبب سے صحیح صحیح دیتا ہے) بعد ازاں قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سامنے جلوہ فرما ہوں گے اور فرشتے پوچھیں گے کہ ''تم اس آدمی کو پہچانتے ہو؟'' (اگر وہ زندگی میں درود شریف پڑھنے کا عادی رہا ہوگا تو وہ مِنَ اللہ فوراً

پہچان لے گا) اگر وہ پہچان کر کہے گا کہ ھٰذا احمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ اللہ کے رسولؐ ہیں تو فرشتے اس کی قبر میں جنت کی کھڑکی کھول دیں گے۔ قبر میں دیدارِ رسولؐ ہر ایک شخص کو ہوگا خواہ مومن ہو کہ کافر، پاکستان میں مرے یا ہندوستان میں، امریکہ میں مرے یا افریقہ میں، اہلِ ایمان نورِ ایمان اور نورِ توحید کے سبب حضور کی ذاتِ گرامی کی شناخت کرلیں گے۔ حضور کی ذاتِ اقدس کی شناخت کے بعد اگر وہ قیامت تک بھی قبر میں رہے گا تو اس کو قبر کا عذاب نہیں ہوگا بس نجات ہو جائے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شناخت کا سوال سب سے آخر میں رکھا گیا ہے اور توحید کا سوال سب سے پہلے رکھا گیا ہے۔ فرشتوں کے سوالات کا جواب دینے کے بعد وہ میّت فرشتوں سے کہے گی اے فرشتو! میں اپنے امتحان میں کامیاب ہوگیا ہوں یعنی مجھے گھر سے آئے ہوئے کافی دیر ہوگئی ہے اب مجھے گھر جانے دو۔ فرشتے کہیں گے کہ گھر جانے کی ضرورت نہیں اب تو اس دلہن کی طرح سو جا جسے اس کے محبوب کے علاوہ کوئی دوسرا بیدار نہیں کرسکتا۔ جب میّت کامیاب ہوجاتی ہے تو گویا اس کی روح اس پہلی رات کی ووہٹی (دلہن) کی طرح ہوتی ہے جس کے تمام رشتے ناطے کٹ چکے ہیں۔ مثلاً جب کسی لڑکی کا نکاح ہوجاتا ہے اور وہ اپنے گھر سے رخصت کردی جاتی ہے تو اس کے گھربار ماں باپ کے تمام حقوق ختم ہوجاتے ہیں۔ اور نئی نویلی دلہن پر ابھی سسرال کے حقوق بھی عائد نہیں ہوئے ہوتے، ابھی اس کا تعلق صرف اس کے خاوند کے ساتھ جس کے ساتھ اس کا نکاح ہوا ہے، وہی اس کا محبوب ہے۔ پچھلے بوجھ ختم اور آگے ابھی کوئی بوجھ ہے ہی نہیں۔ اسی لئے اولیاء اللہ کے عرس (شادی) منائے جاتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقبول اور پسندیدہ لوگ ہیں ان کا مقام بہت بلند ہے البتہ صاحبِ ایمان کے لئے تقویٰ و خوفِ خدا لازم ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرِّجَا

(ایمان خوف اور اُمید کے درمیان ہے)

خدا کے خوف سے آدھی رات کو اُٹھ کر عبادت کرنا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار رہنا یہ مومن کی شان ہے، ایمان خوف و امید کے درمیان ہے لیکن اولیاء اللہ فائز المرام ہیں:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

(یونس، آیت ۶۲)

(اللہ کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں)

وہ نہ غم کھائیں گے نہ خوف زدہ ہوں گے، معلوم ہوا کہ جو راہِ حق میں لاخوف ہو وہ ولی

اللہ ہے۔ جو امید اور خوف کے درمیان ہے وہ مومن ہے۔ یہ مومن کی شان ہے کہ وہ خدا پر ایمان رکھتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شناخت رکھتا ہے، اعمالِ صالحہ کرتا ہے، اس کیلئے مرنے کے بعد ''عروس'' کا لفظ کہا گیا ہے گویا وہ اپنے سابقہ و آئندہ تعلقات و ذاتی معاملات سے فارغ ہو گیا ہے اس کا جینا مرنا، کھانا پینا رضائے خداوندی کیلئے ہے اللہ تعالیٰ نے اسے یقینی طور پر جنتی قرار دیا ہے۔ وہ نفسانی ترغیبات سے بچ کر نفسِ مطمئنہ بن گیا ہے، اسی کیلئے ارشادِ حق تعالیٰ ہے:

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيَ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً
مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ

(الفجر، آیت ۳۰/۲۶)

(اے اطمینان والی روح تُو اپنے رب کی طرف لوٹ چل اس طرح کہ تُو اس سے راضی وہ تجھ سے خوش پس میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا)

جب تم اللہ کے بندوں میں داخل ہو جاؤ گے تو پھر جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ اللہ کے بندے تو ہیں ہی جنتی۔ ان کا مقصود وہ محبوب ہے جس کے واسطے زندگی بسر کی ہے جس کے عشق میں اپنے دن رات گزارے ہیں۔ معبودِ حقیقی کا دیدار بھی ہوتا ہے اور قبر میں محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار بھی ہوتا ہے۔ جس وقت مومنوں کو قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار ہوتا ہے وہ وقت روحِ مومن کے لئے انتہائی راحت کا وقت ہوتا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ پاک ہے:

اَلْمَوْتُ جُسْرٌ يُوْصِلُ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ

(موت ایک پُل ہے جو ایک دوست کو دوسرے دوست سے ملا دیتا ہے)

معلوم ہوا کہ ان کی موت حبیب کی ملاقات ہوتی ہے جس وقت معبودِ حقیقی سے ملاقات ہو جاتی ہے تو پھر یومِ وصال یومِ عرس بن جاتا ہے۔ اولیاء اللہ کا وہ وقت جب وہ دنیا سے رخصت ہوتے ہیں اور اپنے معبودِ حقیقی کا وصال حاصل کرتے ہیں اس کو یومِ عرس کہا جاتا ہے۔ اس (تقریبِ عرس) میں صدقات بھی ہیں، دعائیں بھی ہیں، ہر طرح کی عبادت اور ایصالِ ثواب میں شامل ہے۔

اپنے عزیز و اقارب جو اس دنیائے فانی سے دار الآخرت کی جانب جا چکے ہیں ان کے

لئے ایصالِ ثواب ضرور کرنا چاہیے۔ احادیث میں آتا ہے کہ ارواح اپنے گھر والوں کے دروازوں پر آتی ہیں اور کہتی ہیں کہ کوئی شخص ان کے لئے دعائے مغفرت کرے یا کوئی صدقہ دے۔ جب ایسا ہوتا ہے تو وہ ارواح بہت خوش ہوتی ہیں اور جن کے لئے کوئی دعا نہیں مانگتا، کوئی قرآن پڑھ کر نہیں بخشتا تو وہ مایوس ہو کر چلی جاتی ہیں۔

روایت ہے کہ جب لوگ مرحومین کے لئے ایصالِ ثواب کرتے ہیں یا صدقہ دیتے ہیں تو فرشتے اسے لے کر قبر والے کے پاس جاتے ہیں، وہ چیز اسقدر نورانی ہوتی ہے کہ قبر والے خوش ہو جاتے ہیں۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک ولی اللہ کسی قبرستان میں رات ٹھہرا۔ اس نے وہاں بہت روشنی دیکھی۔ اس نے پوچھا کیا ہوا قیامت آگئی؟ قبرستان والوں نے جواب دیا نہیں بلکہ ہمارے گھر والوں نے ایصالِ ثواب کیا ہے اور ہم اسے آپس میں تقسیم کر رہے ہیں ختم ہی نہیں ہو رہا۔

معلوم ہوا کہ بزرگانِ دین اولیائے کرام کے عرس دراصل ایصالِ ثواب کیلئے منائے جاتے ہیں یہ شرعی چیز ہے غیر شرعی ہر گز نہیں اور گیارھویں شریف بھی ایصالِ ثواب کی خاطر بطور ختم پاک پیش کی جاتی ہے۔ ایصالِ ثواب اللہ کے بندوں کیلئے ہوتا ہے۔ ایصالِ ثواب خدا کی ذات کو نہیں ہوتا وہ حیی القیوم ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرآن کا ایک حرف پڑھے گا اسے دس نیکیاں ملیں گی۔ جو الحمد للہ کہے گا اسے ۹۰ نیکیاں ملیں گی۔ قرآن میں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیات ہیں۔ اگر آپ حروف سے دس گنا زیادہ ثواب اپنے نامۂ اعمال میں جمع کرانا چاہیں تو اسے ایصالِ ثواب کہتے ہیں۔ اتنی نیکیاں تم پوری زندگی میں نہیں کر سکتے جسقدر ایک بار تلاوتِ قرآنِ پاک سے تمہیں حاصل ہوتی ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جو سورۂ اخلاص ایک مرتبہ پڑھے گا اس کو ایک تہائی قرآن پڑھنے کا ثواب ملے گا، جو سورۂ اخلاص کو تین مرتبہ پڑھے گا اس کو پورا قرآن پڑھنے کا ثواب ملے گا۔ جو کوئی سورۂ فاتحہ ایک بار پڑھے گا اسے بھی قرآن پاک (ایک بار) پڑھنے کا ثواب ملے گا کیونکہ سورۃ فاتحہ اُمُّ القرآن ہے اور قرآن کی بنیاد بھی ہے اس لئے ایصالِ ثواب کے لئے ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص، اوّل آخر درود شریف پڑھ کر بخشنا چاہیے۔ ایصالِ ثواب میں کوئی بھی چیز رذائل میں سے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اولیاء اللہ کے در پر حاضری دینے کا شرف بخشے۔ خدا ان کے عرس کے دن خیر سے گزارے ہم کو نیک بنائے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

سِرَاجًا مُّنِيرًا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَاخْتَارَہٗ مِنْ جَمِیْعِ خَلْقِہٖ صَغِیْرٍوَّ کَبِیْرٍوَّ جَعَلَہٗ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا وَنَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَلَا مِثْلَ لَہٗ وَلَا مَثِیْلَ لَہٗ وَلَا زَوْجَلَہٗ وَلَا وَلَدَ لَہٗ وَلَا نَوْمَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ غَوْثَنَا وَغِیْثَنَا وَغَیَاثَنَا وَعَوْنَنَا وَعَیَانَنَا وَمُعِیْنَنَا وَمَلْجَانَا وَمَاوٰنَا وَسَنَدَنَا وَنَجِّیْنَنَا وَنَبِیَّنَا وَرَسُوْلَنَا وَحَبِیْبَنَا وَشَفِیْعَنَا وَشَافِنَا وَمُشْفَّنَا وَطَبِیْبَنَا وَطَبِیْبَ قُلُوْبِنَا وَسُرُوْرِ عُیُوْنِنَا وَنُوْرَ اَجْسَادِنَا وَنُوْرَ اَجْسَامِنَا وَنُوْرَ قُبُوْرِنَا وَنُوْرَ صُدُوْرِنَا وَنُوْرَ اَرْوَاحِنَا وَنُوْرَ صَلَاتِنَا وَنُوْرَ سَلَامِنَا وَنُوْرَ کَلَامِنَا وَنُوْرَ قُعُوْدِنَا وَنُوْرَ جُنُوْبِنَا وَنُوْرَ نُوْرِنَا وَسَیِّدِنَا وَمَوْلٰینَا مُحَمَّدًا عَبْدَہٗ وَرَسُوْلَہٗ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ کَلَامِہٖ الْقَدِیْمِ وَفِی الْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ **یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا۔** (الاحزاب،۴۶،۴۵)

(اے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے شک ہم نے آپ کو (حق اور خلق کا) مشاہدہ کرنے والا اور (حسنِ آخرت کی) خوشخبری دینے والا اور (عذابِ آخرت کا) ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اس (اللہ کے) اذن سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور منور کرنے والا آفتاب بنا کر بھیجا)

سیّد و سرور محمدؐ نورِ جاں
بہتر و مہتر شفیعِ مجرماں

بہترین و مہترینِ انبیآء
جز محمدؐ نیست در ارض و سماء

دوستو بھائیو! میں نے آپ کے سامنے قرآن پاک کی آیت کریمہ تلاوت کی ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سرورِ کائنات، باعثِ ایجادِ عالم کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

یَآاَیُّھَا النَّبِیُّ اے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تحقیق ہم نے بھیجا آپ کو شَاھِدًا گواہ بنا کر مُبَشِّرًا خوشخبری دینے والا نَذِیْرًا ڈرانے والا وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ اور خدا کی مخلوق کو خدا کے حکم کے مطابق دعوت حق دینے والا سِرَاجًا مُّنِیْرًا اور سورج جو ہر چیز کو روشنی دینے والا روشنی عطا کرنے والا، منور کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سرورِ کائنات کی مختلف شانیں بیان فرماتے ہوئے سب سے پہلے جو شان نبی پاک کو عطا فرمائی ہے۔ وہ شانِ نبوت ہے۔

وقت کم ہونے کی وجہ سے مختصراً بیان کرتا ہوں کہ ''نبی'' کا لفظ نَبَاء سے نکلا ہے۔ نبی کے لفظ کے لغوی معنی ہیں خبر دینے والا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ نبی کونسی خبر دینے والا ہے۔ آیا یہ خبریں عام ہوتی ہیں جو جنات دیتے ہیں، کاہن دیتے ہیں، جادوگر دیتے ہیں۔ رمل، فال نکالنے والے دیتے ہیں۔ اور اتنے ذرائع ہیں جو خبریں دیتے ہیں جیسے ذرائع ابلاغ تو کیا ان کو نبی کا نام دیا جا سکتا ہے؟

قرآن پاک میں حضرت آدمؑ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِذْقَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ
خَلِیْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِكُ
الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ
اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ، آیت ۳۰)

(اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے فرشتو! ہم زمین پر خلیفہ بنانے والے ہیں۔ آپ کی کیا مرضی ہے۔ انہوں نے عرض کی یا مولیٰ جو تو پیدا کرنے والا ہے وہ زمین پر فساد کرے گا ایک دوسرے کا خون بہائے گا۔ اگر تمہیں عبادت کی ضرورت ہے تو ہم تمہارا نام پاکیزگی سے یاد کرتے ہیں، تیری تسبیح و تعریف کرتے ہیں۔ تیری عبادت کرتے ہیں اگر تمہیں عبادت کی ضرورت ہے تو

عبادت کے لئے نئی مخلوق بالکل نہ پیدا کرنا ہم تیری عبادت کے لئے کافی ہیں۔ انسان تو فساد کرے گا۔ خون بہائے گا)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنِّیۡ اَعۡلَمُ مَالَا تَعۡلَمُوۡنَ

(جو میں علم رکھتا ہوں تم نہیں جانتے)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا (البقرہ، آیت ۳۱)

(اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو ناموں کا علم عطا فرمایا)

مفسرین کا کہنا ہے کہ جو کچھ بھی پیدا ہو چکا تھا یا جو کچھ قیامت تک پیدا ہونے والا تھا یا ماں باپ قیامت تک جو اولاد جنیں گے ان تمام چیزوں کے اسماء یاد کروا دیئے اور مفسرین نے لکھا ہے کہ ۸۰ ہزار زبانیں جو دنیا کے اندر بولی جائیں گی قیامت کے قریب، جو کچھ آپ کی یاد میں ہے آپ کا نام آپ کے ماں باپ کا نام آپ کے دادا پردادا کا نام یعنی کائنات میں جو کچھ بھی ہے یعنی ۱۸۰۰۰ ہزار عالم جو اللہ نے پیدا فرمائے ہیں۔ جس میں ایک عالم یہ جو آپ کو نظر آرہا ہے۔ جس کو عالمِ ناسوت کہتے ہیں۔ ۱۷ ہزار عالم اور بھی ہیں جن کا اللہ کے سوا کسی کو علم نہیں ان تمام عالمین میں جو کچھ بھی پیدا فرمایا ہے ان تمام کے نام آدمؑ کو یاد کروا دیئے۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا اور آدمؑ کو کُل اشیا کے ناموں کا علم عطا فرمایا: ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَی الۡمَلٰٓئِکَةِ پھر آدمؑ کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔ فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِیۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ خبر دو مجھے ان ناموں کی اگر تم سچے ہو (سورۃ البقرہ، آیت ۳۱)

انبونی امر کا صیغہ ہے انبوٗنی نباء سے بنا ہے۔

قَالُوۡا سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ (البقرہ، آیت ۳۲)

(فرشتوں نے عرض کی یا الٰہ العالمین تُو پاک ہے ہمیں کوئی علم نہیں مگر جتنا علم تو نے عطا فرمایا اس سے زیادہ نہیں جانتے)

اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ تحقیق تو ہی جاننے والا ہے، تو ہی علم رکھنے والا، تو ہی حکمت والا ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی دو صفات بیان فرمائی ہیں۔ ایک علیم کی دوسری حکیم کی صفت۔

حکمت کیا تھی؟ آدمؑ کو پیدا فرما کر تمام اشیاء کے نام سکھائے یہ حکمت تھی۔ جس وقت فرشتوں نے اپنی لاعلمی کا اظہار فرمایا اور کہا مولا جتنا علم تو نے ہمیں عطا فرمایا ہے ہم اس سے زیادہ نہیں جانتے اور جن چیزوں کے آدمؑ نام بیان کر رہے ہیں اس کا ہمیں علم نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو حکم دیا:

قَالَ يٰاٰدَمُ اَنْبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّا اَنْبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ
قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَاتُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ

(البقرہ، آیت ۳۳)

(اللہ تعالیٰ نے فرمایا) اے آدمؑ ان کو ان چیزوں کے نام بتایئے پس جب آدمؑ نے ان کو ان کے نام بتلا دیئے، (اللہ نے) کہا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا بے شک میں ہی زمین و آسمان کی چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہوں اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو)

اب دیکھنا یہ ہے آدمؑ جن کو خلیفہ کہا گیا ہے، خلیفہ کے معنی کیا ہیں؟ خلیفہ خلف سے نکلا ہے۔ مابعد آنے والا، جانشین، تمام کی غیر موجودگی میں امامت کے منصب کو عطا کرنے والا۔ جانشین بعد میں آنے والا، ہمارے نزدیک تو آدمؑ سب سے پہلے پیدا ہوئے۔ سب سے پہلے نبی ہیں۔ انسانوں میں سب سے پہلے کون پیدا ہوا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں سب سے پہلے آدمؑ پیدا نہیں ہوئے بلکہ یہ تو خلیفہ ہیں۔ ان کا امام اور ہے امام کے بغیر خلافت کبھی حاصل نہیں ہو سکتی اس واسطے سب سے پہلے بنی نوع انسان میں سے آدمؑ پیدا نہیں ہوئے بلکہ ان کے امام کو پہلے پیدا کیا گیا۔ کون امام؟ امام وہ ہیں جن کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطاب دیا گیا۔ آپؐ امام النبیین ہیں۔ آپؐ سید المرسلین ہیں۔ ابوالخلق ہیں۔ سب مخلوق میں سب سے پہلے حضور کو پیدا کیا گیا اور تمام نبیوںؑ کے امام مقرر کئے گئے ہیں۔ تمام رسولوںؑ کے سرور ہیں۔ تمام مسلمین کے تاج ہیں اور وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آدمؑ کے امام ہیں۔ اس واسطے تفصیل البیان میں لکھا ہے۔

اَوَّلُ نَائِبٌ خَلِيْفَةُ آدَمُ
سب سے پہلے اُنؐ کے نائب آدمؑ ہیں۔

حدیث بخاری شریف میں آتا ہے۔ ترمذی میں موجود ہے دو احادیث حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کی شان میں۔

صحابہ اکرامؓ نے نبی اکرام صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسولؐ اللہ آپ کب کے نبیؐ ہیں؟ آپؐ نے جواب فرمایا:

كُنتُ نَبِيًّا وَّآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ

(میں اس وقت بھی نبیؐ تھا جبکہ آدم مٹی اور پانی میں تھے)

یعنی ابھی آدمؑ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے مٹی اور پانی میں تھے میں اس وقت بھی نبیؐ تھا۔ اور بخاری شریف کی حدیث مبارک ہے:

كُنتُ نَبِيًّا وَّآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ

(میںؐ اس وقت بھی نبیؐ تھا جب آدمؑ ابھی روح اور جسم کے الگ الگ مقامات میں تھے)

یعنی ابھی آدمؑ پیدا نہیں ہوئے تھے۔ میں اس سے پہلے کا نبی ہوں۔ میں کچھ اور احادیث بیان کرتا ہوں کیونکہ بعض لوگ کچھ احادیث پیش کرتے ہوئے تم لوگوں کے ذہن کو خراب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بخاری شریف میں حدیثِ پاک ہے:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ

(سب سے پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی وہ قلم ہے)

دوسری حدیث میں آتا ہے:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِىْ

(سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا)

تیسری حدیث

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعِشْقَ

(سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عشق کو پیدا فرمایا)

چوتھی حدیث

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ

(اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا فرمایا)

یہ چار احادیث ہیں مختلف کتابوں کے اندر۔ ہمارے نزدیک سب سے مستند ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا ہے۔ یہ حدیث پیش کر کے بعض

دوست کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا اور یہ صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو پیدا فرمایا ہے یہ تم لوگوں کی اپنی بنائی ہوئی حدیث ہے نور والی حدیث مستند نہیں ہے مستند حدیث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا ہے۔

آپ لوگ ساری حدیث کو سامنے رکھ لیں اور اس کے الفاظ پڑھیں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا اور کہا اے قلم لکھ۔ قلم نے کہا یا الٰہ العالمین میں کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر چیز کی تقدیر لکھ دو۔ قلم نے ہر چیز کی تقدیر لکھنی شروع کر دی۔ (آپ سوچیں ذرا قلم اپنے آپ لکھ سکتی ہے جب تک کوئی لکھنے والا نہ ہو) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے قلم ہر چیز کی تقدیر لکھ دے۔ فرمایا جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے۔ وہ قلم نے لکھ دیا (اگر قلم کو خدا تعالیٰ علم عطا فرما سکتے ہیں جو خود محتاج ہے کسی قسم کی حرکت کرنے میں تو کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خداوندِ کریم کائنات کا علم نہیں دے سکتے جو اس کے حبیبؐ ہیں)

آگے حدیث پاک میں آتا ہے کہ قلم نے لکھا مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ حدیث پاک کے الفاظ ہیں کہ قلم نے جو کچھ پہلے ہو چکا تھا وہ بھی لکھا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا وہ بھی لکھا۔ اگر قلم سب سے پہلے پیدا کیا گیا تھا تو پھر قلم نے مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کیوں لکھا؟ یہ نقطہ غور طلب ہے کہ اگر قلم سب سے پہلے پیدا کیا گیا تھا تو پھر کیوں مَا کَان لکھا؟ قلم سے پہلے جو چیز پیدا کی گئی تھی وہ کیا شے تھی؟ اگر قلم سب سے پہلے پیدا کیا گیا ہوتا تو پھر اس کے بعد ساری مخلوق پیدا ہو سکتی تھی تو پھر قلم اُن کی تقدیر لکھتا۔

لیکن حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے کہ قلم نے مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ لکھا جو کچھ اس سے پہلے ہو چکا تھا وہ بھی لکھا اور جو کچھ مابعد ہونے والا تھا وہ بھی لکھا۔

معلوم ہوا کہ قلم سے پہلے جو پیدا ہو چکا تھا وہ کیا شے تھا؟ وہ تھا۔

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ

سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا فرمایا گیا۔ جس کو قلم نے تحریر فرمایا لہٰذا ”قلم کائنات کی تقدیر تحریر کرنے میں سب سے پہلے ہے“ یعنی قلم تحریر میں پہلے ہے اور تخلیق کے اندر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور سب سے پہلے ہے۔

قلم نے ہر چیز کی تقدیر لکھ دی۔ قلم کو علم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ تو صحابہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدمؑ پیدا بھی نہیں کیے گئے تھے۔ اس کے بعد آدمؑ کو خلیفہ

بنایا گیا۔ خلافت کا مقام عطا فرمایا گیا۔ خلیفہ کی شان بیان کی جسے اپنے محبوب کا خلیفہ بنایا۔ خلیفہ کی شان بیان کی نہ کہ اپنے محبوب کی شان بیان کی حالانکہ حضرت آدمؑ کی شان بیان کرنے میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان ہے کیونکہ جس کے خلیفہ کی یہ شان ہو گی اس کے امام کی کیا شان ہو گی۔

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اپنی مثنوی شریف کے اندر ایک حکایت بیان فرماتے ہیں اور ایک اصول بیان کرتے ہیں اور اس میں ایک قانون بتاتے ہیں فرماتے ہیں:

"کسی گاؤں کا بہت بڑا چودھری تھا۔ ذیل دار قسم کا چودھری تھا بہت سی زمین اور جانور اس کے پاس تھے۔ گھوڑیوں کا بڑا شوقین تھا۔ اردگرد کے دس گاؤں کے لوگ اس کو مانتے تھے۔ اس نے ایک گھوڑی خریدی ہوئی تھی۔ وہ سمجھتا تھا یہ دنیا میں سب سے بہترین گھوڑی ہے۔ اک دن ملازمین کو کہنے لگا اس گھوڑی پر کاٹھی ڈالو میں ذرا شہر کی سیر کرنا چاہتا ہوں۔ اچھی طرح لباس زیب تن کیا اور گھوڑی پر سوار ہو گیا۔ شہر کی طرف چل پڑا جب شہر کے دروازے پر پہنچا تو بادشاہ سلامت کی سواری نکل رہی تھی۔ بادشاہ سلامت کی سواری کے آگے اس کے نقیب تھے جن کو آپ باڈی گارڈ کہتے ہیں وہ تقریباً چالیس آدمی تھے وہ آگے گھوڑوں پر سوار تھے۔ وہ بہت خوبصورت لباس پہنے اور صحت مند جوان تھے اور وہ بادشاہ کے آگے آگے چل رہے تھے اور کہہ رہے تھے ہٹ جاؤ بادشاہ سلامت کی سواری آرہی ہے لوگ راستہ چھوڑتے جارہے تھے۔ یہ چودھری چونکہ گھوڑی پر سوار تھا اس کو بھی شہر کی دیوار کے ساتھ کھڑا ہونا پڑا آخر وہ چالیس سوار دروازے سے باہر نکلے تو اس نے اس طرف دیکھا تو بندے کا جس چیز سے پیار ہو بندے کی نظر پہلے وہیں جاتی ہے چونکہ چودھری گھوڑیوں کا شوقین تھا جب ایک جیسی چالیس شاہی گھوڑیاں شہر کے اندر سے نکلیں اس نے گھوڑیوں کی طرف دیکھا ان کو دیکھ کر جب اس نے اپنی گھوڑی کی طرف دیکھا تو ان کے مقابلے میں اپنی گھوڑی کوئی شے ہی نہ لگی۔ اس نے آگے بڑھکر ان جوانوں سے پوچھا کہ آپ لوگ کون ہیں؟ انہوں نے کہا پیچھے ہٹ جاؤ ہم غلام ہیں ہم تو نوکر ہیں، وہ پیچھے ہٹ گیا۔

چودھری بہت حیران ہوا کہ اس طرح کے غلام اتنی شانوں والے غلامؑ تو جس کے غلام اتنی شان والے ہوں گے پتا نہیں ان کا آقا کس شان کا مالک ہو گا۔ اس کے بعد بادشاہ سلامت کی سواری نکلی ہاتھی پر سوار۔ چاروں طرف ہیرے جواہرات چمک رہے تھے۔ سر پر تاج ہے۔ تاج میں ہیرے جواہرات چمک رہے ہیں۔ بڑی شان وشوکت والے بادشاہ کو دیکھا پھر اپنی طرف دیکھا اور کہا ہم تو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے ہم تو ان کے نوکروں جیسے بھی نہیں۔ تو حضرت مولانا رومؒ

ارشاد فرماتے ہیں ''کہ جس نے آقا کی شان دیکھنی ہو آقا کی شان کو پہچاننا ہو اس کا یہ حق ہے کہ سب سے پہلے اس کے غلام کی شان کو دیکھے۔ آقا کی شان اس وقت تک نظر نہیں آتی جب تک کہ غلام کی شان نہ دیکھی جائے۔ پہلے غلام کی شان کو دیکھو اور سمجھو خادم کی شان سمجھو پھر آقا کی شان سمجھ میں آئے گی۔

ہم میں ایک رواج ہو گیا ہے ہم نے کبھی کسی کو نہیں دیکھا، ہم سب سے پہلے ہاتھ مارتے ہیں تو سرکارِ دوجہان کی عزت پر ہاتھ مارتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ شان نہیں تھی۔ حضور میں یہ کمال نہ تھا۔ آپؐ حاضر و ناظر نہیں تھے۔ آپؐ ہماری طرح کے بشر تھے۔ ان میں کوئی فضیلت نہ تھی۔ (نعوذ باللہ) اور اس طرح کی چیزیں ہماری نظر میں سوائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کی تنقید کرنے کے اور کوئی حقیقت نہیں ہے۔ مولانا رومؒ کے اس سبق کو اگر سامنے رکھ لیں تو پھر ہمیں دیکھنا پڑے گا کہ اگر ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دیکھنی ہے تو پھر سب سے پہلے ہمیں رسولوںؑ کی شان دیکھنی پڑے گی، اگر رسولوںؑ کی شان کو دیکھنا ہے تو پھر نبیوںؑ کی شان کو دیکھنا ہوگا۔ اگر نبیوںؑ کی شان کو دیکھنا ہے تو پھر صحابہ کرامؓ کی شان کو دیکھنا ہوگا، یا خلفائے راشدینؓ کی شان کو دیکھنا ہوگا۔ اگر اُن کی شان کو دیکھنا ہے تو اہلبیتؑ کی شان کو دیکھیں۔ اگر اہلبیتؑ کی شان کو دیکھنا ہے تو تابعینؒ کی شان کو دیکھو۔ اگر تابعینؒ کی شان کو دیکھنا ہے تو تبع تابعینؒ کی شان کو دیکھو۔ اگر تبع تابعینؒ کی شان کو دیکھنا ہے تو غوث الاعظمؒ کی شان کو دیکھو۔ اگر ان کی شان کو دیکھنا ہے تو دوسرے اغیاث کی شان کو دیکھیں۔ اگر اغیاث کی شان کو دیکھنا ہے تو قطبوں کی شان کو دیکھو اگر قطب کی شان کو دیکھنا ہے تو اوتادکی کی شان کو دیکھو اگر اوتادکی شان کو دیکھنا ہو تو ابدال کی شان کو دیکھو، اگر ابدال کی شان کو دیکھنا ہو تو ابرار کی شان کو دیکھو، اگر ابرار کی شان کو دیکھنا ہے تو نجیب کی شان کو دیکھو، اگر نجیب کی شان کو دیکھنا ہے تو نقیب کی شان کو دیکھیں اگر ان کی شان دیکھنا ہے تو اولیائے کرامؒ کی شان کو دیکھو اولیائے کرامؒ کی شان کو دیکھنا ہے تو شہداء کی شان کو دیکھیں۔ شہداء کی شان کو دیکھنا ہو تو صالحین کی شان کو دیکھو۔ صالحین کی شان کو دیکھنا ہے تو متقیوں کی شان کو دیکھیں۔ متقین کی شان کو دیکھنا ہے تو مومنین کی شان کو دیکھیں۔ مومنین کی شان کو دیکھنا ہے تو مسلمانوں کی شان کو دیکھیں۔ اگر یہ شان نہیں دیکھ سکتے تو ۲۸ درجے ہیں مسلمان سے لیکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک انسانیت کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِتَّقُوا مِنْ فِرَاسَتِ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ

(مومن کی فراست سے ڈرو تحقیق وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے)

انسان کے اندر دو قسم کی نظریں ہیں۔ دو قسم کی آنکھیں ہیں، دو قسم کے کان ہیں، دو قسم کے وجود ہیں۔ اگر ہم صرف اس وجود کو جس کو ہم دیکھ رہے ہیں اگر اسی وجود کو سمجھیں اور اس کے علاوہ دوسرے وجود کو نہ سمجھیں تو قرآن پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (البقرہ، آیت ۶،۷)

بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے برابر ہے آپؐ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور انکی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اگر وجود ایک ہی ہو جو کہ ہم دیکھ رہے ہیں تو دنیا کا ہر کافر اندھا بھی ہو۔ بہرا بھی ہو، لیکن دیکھتے ہیں کہ ہر کافر نہ اندھا ہے نہ بہرہ ہے بلکہ دوسری جگہ قرآن پاک میں ارشاد ہوا ہے:

صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یَرْجِعُوْن (البقرہ، آیت ۱۸)

یہ بہرے بھی ہیں، گونگے بھی ہیں، اندھے بھی ہیں پس وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

معلوم ہوا ہر کافر نہ اندھا ہے، نہ بہرا ہے نہ گونگا ہے لیکن رب کہتا ہے یہ اندھے بھی ہیں، یہ گونگے بھی ہیں، یہ بہرے بھی ہیں۔ معلوم ہوا یہ آنکھیں جو ہیں وہ ابوجہل کی بھی موجود تھیں۔ ابو لہب کی بھی موجود تھیں جن آنکھوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے تھے۔ انکی وہ آنکھیں اندھی تھیں، جن کانوں سے حضور کا کلام سننا تھا ان کے ان کانوں پر مہر لگی تھی۔ اگر آنکھیں اور کان الگ الگ ہیں جن پر مہریں لگی ہوئی ہیں۔ ابوجہل کی آنکھیں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتی تھیں اور جس نے ان آنکھوں سے حضور کو دیکھا انہوں نے کہا حضور ہماری طرح کے بشر ہیں اور جنہوں نے دل کی آنکھوں سے دیکھا حقیقت کی آنکھوں سے دیکھا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرح انہوں نے کہا:

فِدَاكَ اَبِیْ وَ اُمِّیْ یَارَسُوْلَ اللّٰه (صلی اللہ علیہ وسلم)

(یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپؐ پر میرے باپ قربان)

میری زندگی (جند جان) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان۔ حضرت عمر فاروقؓ نے دیکھا تو فاروقؓ بن گئے۔ حضرت عثمانؓ نے دیکھا تو غنیؓ بن گئے حضرت علیؓ نے دیکھا تو حیدرِ کرار بن گئے۔

اور جن لوگوں نے دل کی آنکھوں سے یقین کی آنکھوں سے حضور کو دیکھا وہ مسلمان ہو گئے اور جنہوں نے ظاہری آنکھوں سے دیکھا دل کی آنکھوں سے نہ دیکھا وہ کافر کے کافر رہ گئے اور جو ربّ کے نور سے دیکھے اسے ہر چیز نظر آتی ہے۔ اندھیرے میں آپ کی آنکھیں کھلی ہوتی ہیں لیکن جب آپ اندھیرے میں دیکھتے ہیں تو آپکی آنکھیں نہ آپ کا رنگ پہچان سکتی ہیں اور نہ آپ کے کپڑوں کا رنگ پہچان سکتی ہیں اور نہ ہی نزدیک کی کوئی چیز دیکھ سکتی ہیں اور جب روشنی ہو جائے تو یہی آنکھیں آپ کا رنگ آپ کے کپڑوں کا رنگ بھی دیکھ لیتی ہیں۔ نزدیک کی چیزیں بھی دیکھ لیتی ہیں بلکہ دور دور کی چیزیں بھی نظر آنے لگتی ہیں۔ یہ روشنی کا کمال ہوتا ہے تو جب خدا کا نور سینے میں آجاتا ہے، نور دل میں چمک جاتا ہے تو پھر وہی آنکھیں اپنے آپ کو پہچان لیتی ہیں بلکہ خدا کو بھی پہچان لیتی ہیں، فرمایا۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ
(جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا تحقیق اس نے اپنے رب کو پہچان لیا)

اس کو اپنی پہچان بھی ہو جاتی ہے اور خدا کی پہچان بھی ہو جاتی ہے، دور دور کی چیزیں بھی دکھائی دیتی ہیں۔

بلکہ یہاں تک کہ جامع میں جناب سیوطیؒ نے حدیث بیان کی ہے فرماتے ہیں ایک صحابی حضور کے پاس آئے۔ آپؐ نے پوچھا؟ کیسے آئے ہو انہوں نے جواب دیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیکَ وسلم میں ایک مومن کی صورت میں آیا ہوں۔ آپؐ نے پوچھا تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے اس نے کہا یا رسول اللہ میں یہاں کھڑے ہو کر اپنے رب کے عرش کو صاف صاف دیکھتا ہوں اور جو جنت والے لوگ ہیں ان کو بھی ان آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور جو دوزخ والے لوگ ہیں ان کو بھی ان آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور یہاں کھڑے ہو کر دیکھ رہا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس تیرے ایمان کی حقیقت معلوم ہوگئی ہے۔

معلوم ہوا جن کے پاس نورِ ایمان ہوتا ہے ان کے واسطے عرش بھی بالکل صاف صاف سامنے ہوتا ہے اور دوزخ بھی ان کے سامنے موجود ہوتی ہے اور جن کے اندر اندھیرا ہوتا ہے ان کو

دیوار کے پار بھی کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ نورِ ایمان جتنا جتنا وسیع ہوگا اتنی اتنی اندر روشنی ہوگی۔ جتنا جتنا مقام بڑھتا جائے گا اتنی ہی دور دور تک نظر پھیلتی جائے گی۔ جس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا ہے اس کو چاہیے کہ مومن کے مقام کو پہچانے اور مومن کی کیا شان ہے اور مومن کے بعد ۲۸ مقامات دیکھے۔ ان ۲۸ مقامات کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام کو پہچان سکتا ہے اس سے پہلے کبھی نہیں پہچان سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو بیان کیا ہے لیکن اس رنگ میں کیا ہے کہ آپؐ کے غلام کی شان بیان کی ہے۔ آپؐ کے خلیفہ کی شان بیان کی ہے۔

بے شک حضرت آدمؑ دنیا کے حصے میں باپ تھے لیکن حقیقت میں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے پیدا ہوئے تھے اور آپؐ کے بعد آنے والے تھے اس واسطے رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (البقرہ، آیت ۳۰)

فرمایا میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں خلیفہ کی شان خداوند کریم بیان فرما رہے ہیں کہ ہم نے اس خلیفہ کو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بعد ان کی غیر موجودگی میں ان کے منصب کو ادا کر رہے تھے۔ ان کو تمام کائنات اٹھارہ ہزار عالم کے اندر جو چیزیں پیدا کی تھیں ان تمام کے اسماء کا علم اللہ نے عطا فرمایا اور فرشتوں پر پیش کیا۔ فرشتوں نے کہا مولا ہمیں کچھ بھی علم نہیں جو کچھ جاننے والا ہے تو ہی جاننے والا ہے۔ تو ہی شانوں کا مالک ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو فرمایا:

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ

اے آدمؑ تو ان فرشتوں کو ان سب ناموں کی خبر دو۔

فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ

پس جب آدمؑ نے فرشتوں کو سب اشیاء کے نام بتادیئے۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ

(البقرہ، آیت ۳۳)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا فرشتو! کیا میں نے تمہیں پہلے نہیں کہا تھا کہ میں زمین و آسمان کے غیب کو جانتا ہوں اور ہر وہ چیز جانتا ہوں جس کو تم ظاہر کرتے ہو یا جس کو تم چھپاتے ہو۔

اب اصول بھئی کیا ہے؟ اصول یہ ہے کہ ایک کلاس ہوتی ہے اس میں ۵۰ طالب علم ہوتے ہیں ان کے درمیان مقابلہ ہوتا ہے۔ تو جو فرشتوں کی جماعت تھی انہوں نے کہا یا اللہ لَا عِلْمَ لَنَا اور جس شاگرد کے بارے میں انہوں نے کہا تھا فساد کرے گا اور خون بہائے گا، رب تعالیٰ نے فرمایا سچے ہو تو بات کرو۔ آدمؑ نے اک اک کل کا نام بتایا جو کہ پیدا کیا گیا تھا۔ ہر خطے کا نام بتایا جس کا ان کو علم نہیں تھا۔

حق تو یہ ہے اس ذات کا کہ جو استاد ہے اس بچے کا۔ اس شاگرد کا جس نے تمام جماعت پر سبقت حاصل کر لی، تمام جماعت کو شکست دے دی، اس کے علم کا مقام بیان کرتا کہ فرشتو تم جو کہتے تھے کہ فساد کرے گا، خون بہائے گا، تم میں ایک بھی نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکے۔

لہٰذا اس کا مقام دیکھو اس کی شان دیکھو اس کا علم دیکھو لیکن اللہ تعالیٰ نے نہ حضرت آدمؑ کے علم کی شان بیان کی ہے نہ ان کے کمال کی شان بیان کی۔ نہ انکی ذات کی شان بیان کی ہے بلکہ فرمایا:

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَ اَعْلَمُ مَاتُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ

(البقرہ، آیت ۳۳)

کیا میں نے تمہیں پہلے نہیں کہا تھا کہ میں زمین وآسمان کے غیب کو جاننے والا ہوں اور میں اس کو بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی شان بیان کرنی شروع کر دی حالانکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کو علیم بھی سمجھتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے پھر بھی اپنی تعریف فرمائی کہ کیا میں نے تمہیں پہلے نہیں کہا تھا کہ میں زمین وآسمان کے غیب کو جانتا ہوں۔ ہر اس چیز کو جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو یا جو تم چھپاتے ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کا ذکر فرمایا ہے تو اس کا مقصد کیا ہے؟ اس کا مقصد یہ ہے کہ نبیؑ کا علم اپنا علم نہیں ہوتا بلکہ خدا کا علم ہوتا ہے بلکہ خدا کا عطا کردہ علم ہوتا ہے۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا علم خدا کا ہوتا ہے ان کو سکھانے والا کون تھا، سکھانے والی خدا کی ذات ہے نبیؑ کو آگاہ کیا جاتا ہے۔

معلوم ہوا نبیؑ کا علم اپنا علم نہیں یہ کسی اور سے پڑھ کر نہیں آتا یہ کتابوں کا علم نہیں۔ یہ استادوں کا علم نہیں یہ کس بنی نوع انسان کا علم نہیں بلکہ یہ خدا کا علم ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے خود تعریف فرمائی ہے۔ فرمایا ''میں ہی زمینوں وآسمانوں کے غیب کو جاننے والا ہوں میں جانتا ہوں جو

تم چھپاتے ہو یا جو تم ظاہر کرتے ہو حالانکہ فرشتے کہہ چکے تھے۔

اِنَّكَ اَنتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ بے شک تو ہی علیم ہے تو ہی حکیم ہے۔ حضرت آدمؑ کے علم کا ذکر ہی نہیں کیا یہاں پر اور سوال و جواب حضرت آدمؑ سے کروا رہے ہیں کہ اے آدمؑ ان کو اشیاء کے نام بتادو۔

معلوم ہوا کہ نبی کا علم خدا کا علم ہوتا ہے نبیؑ کے علم کی تعریف خدا کے علم کی تعریف ہے اور خداوند کا علم ہی نبیؑ کے پاس ہوتا ہے لہٰذا وہ کون سا علم ہے؟

اِنِّیْ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اَعْلَمُ
مَاتُبْدُوْنَ وَمَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ

یہی وہ علم ہے جو حضرت آدمؑ کو عطا کیا گیا تھا۔ یہی وہ علم ہے جو نبیؑ کو عطا کیا جاتا ہے نبی کے معنی کیا ہوئے؟ نبی کے لغوی معنی خبر دینے والا۔ لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ شیطان بھی خبریں دیتے ہیں کاہن بھی خبریں دیتے ہیں جنات بھی خبریں دیتے ہیں رملی، فالی بھی خبریں دیتے ہیں۔ ہمارے ریڈیو بھی خبریں دیتے ہیں۔ ہمارے ٹی۔ وی بھی خبریں دیتے ہیں۔ ہمارے اخبار بھی خبریں دیتے ہیں۔ جھوٹی سچی خبریں ہمیں پہنچاتے ہیں لیکن کیا ہم ان کو نبی کہہ سکتے ہیں؟ نبی اس خبر رساں کو کہتے ہیں اس خبر دینے والے کو کہا جاتا ہے جو فرش پر کھڑے ہو کر عرش کی خبر دے اور کائنات کے باہر جو چیز ہو اسکی خبر دیتا ہو۔ جو عالم ناسوت کی خبر دے عالمِ جبروت کی خبر دے۔ عالمِ لاہوت کی خبر دیتا ہو۔ کائنات کے ذرے ذرے کی خبر دے۔ عرشِ معلیٰ سے لیکر ہر چیز کی خبر رکھتا ہو۔ اس کو نبیؑ کہا جاتا ہے۔

تو نبیؑ کا معنی کیا ہوا؟ علم غیب کی خبریں دینے والا۔ اب قرآنِ پاک کی رو سے مسئلہ سمجھ لیا ہے نا۔ قرآنِ پاک میں نبیؑ کے معنی کیا ہیں؟ نبی علمِ غیب کی خبر دینے والا جو علم غیب کی خبریں نہیں دینے والا وہ کبھی نبی ہوا ہی نہیں۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ
ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن، آیت ۲۶،۲۷)

(ظاہر اور غیب کا علم جاننے والا میں ہی ہوں اور وہ اپنے غیب پر کسی (عام شخص) کو مطلع نہیں فرماتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوںؑ کے)

انہی کو مطلع علی الغیب کرتا ہے کیونکہ یہ خاصۂ نبوت اور معجزہ رسالت ہے۔ معلوم ہوا،

غیب دوقسم کا ہوتا ہے ایک غیب عام ہے ایک غیب خاص ہے۔ رب تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے ''میرا غیب''، ''غیبہ'' ایسا غیب جس کا تعلق رب کی ذات سے ہو ذاتی غیب، جس کو غیبِ حقیقی کہا جاتا ہے۔ عطائی تو ہر نبیؑ کو دیتا ہے نبیؑ کے مقام کے مطابق اس کو علم دیتا ہے لیکن رب تعالیٰ نے فرمایا جو میرا ذاتی غیب ہے وہ بھی ظاہر کرتا ہوں لیکن ہر کسی پر نہیں جس پر میری مرضی ہوتی ہے۔

مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ

جس پر میری مرضی ہوتی ہے جس پر میں راضی ہوتا ہوں۔ جس کو چاہوں اس رسولؐ یا نبیؑ کو اپنا ذاتی غیب بھی دیتا ہوں مگر عطائی غیب کسی کو بھی۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَاهُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ (التکویر، آیت ۲۴)

(اور وہ غیب بتانے میں بخل نہیں کرتا)

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ یہاں پر غیب کا لفظ استعمال کیا ہے اور وہاں پر غیبہٖ کا لفظ استعمال کیا ہے، فرق کیا ہے:

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ

معلوم ہوا غیب دو قسم کا ہے ایک عطائی غیب ہے ایک ذاتی غیب ہے۔ جو خدا کی ذات سے تعلق رکھتا ہے وہ ذاتی کہلائے گا۔ جو نبیؑ سے تعلق رکھتا ہوگا جو اس کو عطا کیا گیا ہوگا وہ عطائی کہلائے گا۔

جہاں پر خدا نے اپنے رسولؐ کو اپنا ذاتی غیب عطا کرنا ہو وہاں پر فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ کا لفظ استعمال کرتا ہے اور عام غیب کے لئے وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ کا استعمال کیا ہے۔

باقی میں احادیث بیان نہیں کرتا وقت کم ہے۔ قرآنِ پاک کی رو سے نبی کا معنی غیب جاننے والا۔ غیب کی خبریں دینے والا۔ ارشاد ہے يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا۔ اے نبیؐ غیب کی خبریں دینے والے ہم نے آپ کو گواہ بنا کر بھیجا ہے۔ شاہد کے معنی گواہ کے ہیں۔ شہید کے معنی بھی گواہ۔ گواہی اس کی سچی ہوتی ہے جو ہر چیز کا علم جانتا ہو۔ موقع پر موجود ہو آنکھوں سے سب وقوعہ کو دیکھا ہو۔ اس کی گواہی جھوٹی ہوتی ہے جس نے دیکھا کچھ نہیں ہوتا وہ جانتا بھی کچھ نہیں ہوتا۔ سب کچھ اس کے سامنے نہیں ہوا ہوتا۔

گواہ وہ سچا ہوتا ہے جس کے سامنے سب کچھ ہوا آنکھوں سے سب دیکھا ہو۔ الف سے لے کر ''یے'' تک اس کو تمام معاملات کا علم ہو اس کو شاہد کہتے ہیں اور اس کے بعد ارشاد فرمایا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطاً لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ
عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا

(البقرہ، آیت ۱۴۳)

ہم نے اِس کی امت کو وسطی مقام پر پیدا فرمایا تا کہ تم تمام لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم پر گواہ ہو جائیں۔

اے میرے محبوب کی امت ہم نے ساری امتوں کے وسطی مقام پر تمہیں پیدا فرمایا ہے یعنی افضل مقام عطا فرمایا ہے وسط کے معنی دو ہیں، سب سے اعلیٰ مقام: حدیث پاک ہے

خَيْرَا الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا

(سب سے اعلیٰ کام درمیانے ہیں)

سب کاموں کی بہتری میانہ روی ہے، وسط ہے مرکز ہے۔ ہماری امت محمدیہؐ وسط اور مرکز کی حیثیت رکھتی ہے، وسط کے اندر ہے۔ وسط کس چیز کا ہے کہ ایک طرف تمام انبیاء موجود ہیں اور ایک طرف اولیائے کرام قیامت تک موجود ہیں۔ امت وسط کا یہ خاصہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرکز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مرکز کے اندر پیدا کئے گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمَكَّةُ نَابٌ (مکہ زمین کی ناب ہے)

یعنی مکہ زمین کا مرکز ہے۔ مرکز کے اندر پیدا کئے گئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کا مرکز ہیں اسی واسطے مرکز میں پیدا کئے گئے تا کہ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ فلاں شخص حضور کو ملا ہے اور میں نہیں ملا۔ مجھ تک یہ پیغام نہیں پہنچا کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے جتنے بھی انبیائے کرامؑ تشریف لائے ہیں وہ کسی ایک بستی کے واسطے نبی ہوتے تھے۔ کوئی کسی قوم کے واسطے نبی ہوتا تھا۔ کسی شہر کے واسطے نبی ہوتا تھا کسی گاؤں کے واسطے نبی ہوتا تھا اور کسی وقت کئی کئی نبیؑ موجود ہوتے تھے لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپؐ سے پوچھا گیا کیا کہ آپؐ صرف انسانوں کے لئے رسولؐ ہیں یا جنوں کے رسولؐ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اُرْسِلْتُ اِلَى الْمَخْلُوْقِ كَافَّةً

(مجھے ساری مخلوق کیلئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے)

اگر پیغام پہنچانے والے نے پیغام نہیں پہنچایا تو یاد رکھیں وہ خدا کے دربار میں رسولؐ

نہیں رہ سکتا کیونکہ ارشادِ ربانی ہے:

یَاَیُّهَاالرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ

(المآئدة، آیت ۶۷)

(اے رسولؐ اس کو پہنچا دیجئے جو آپ کی طرف نازل کیا گیا)

نبیؐ کا فرض ہوتا ہے پیغام پہنچانا۔ معلوم ہوا ساری کائنات کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ساری کائنات میں آپؐ موجود ہیں اور ساری کائنات میں آپؐ نے پیغام رسانی فرمائی۔ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری کائنات کے رسولؐ بن کر تشریف لائے ہیں۔ اس واسطے آپؐ مرکزی حیثیت رکھتے ہیں اور سب سے پہلے مرکز ہی قائم رکھتے ہیں اور پھر اس کے اردگرد دائرہ لپیٹا جاتا ہے۔ پہلا دائرہ، دوسرا دائرہ تیسرا دائرہ اور بے شک کروڑوں دائرے مرکز کے گرد کھنچتے چلے جائیں تو دائرے بنتے جائیں گے اور اگر مرکز موجود نہیں ہے تو کوئی بھی دائرہ نہیں بنے گا۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا نہ ہوتے تو کائنات کی کوئی شے پیدا نہ ہوتی۔ اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا: حدیثِ قدسی ہے۔

لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ

(اگر آپؐ نہ ہوتے تو میں کائنات پیدا ہی نہ کرتا)

حدیثِ پاک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے جا رہے ہیں ایک قبرستان کے قریب سے گزر رہے ہیں آپ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ صحابہ اکرامؓ سے فرمایا یہ دو قبر والے عذاب میں گرفتار ہیں۔ صحابہ اکرامؓ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ان کو کون کونسا عذاب ہو رہا ہے۔ فرمایا ایک قبر والا پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہیں کرتا تھا اس وجہ سے اس کو عذاب ہو رہا ہے اور دوسرا اپنے کا گلہ کرتا رہتا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی وقت کھجور کی ٹہنی منگوائی اس کے دو حصے کئے ایک حصہ ایک قبر پر رکھ دیا۔ دوسرا حصہ دوسری قبر پر رکھ دیا صحابہ اکرامؓ نے عرض کی یارسول اللہ یہ جو ٹہنی منگوائی ہے اس کا قبر والوں کو کیا فائدہ ہوگا؟ فرمایا جب تک یہ ٹہنی سرسبز رہے گی اللہ تعالیٰ تسبیح کرتی رہے گی ان کی تسبیح کرنے سے قبر والوں کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ اللہ نے فرمایا:

یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ

(الجمعۃ، آیت ۱)

(زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے)

ان ٹہنیوں کی تسبیح کسی مردے کے عذاب میں تخفیف کرسکتی ہے۔ایک مسئلہ چھوٹا سا ذہن میں آ گیا ہے سمجھ لیں کہ ٹہنی مردے کے عذاب کو کم کرسکتی ہے تو تمہارا قبر کے پاس کھڑے ہو کر قرآن پڑھنا، تمہارا سورہ فاتحہ پڑھ کر بخشنا سورہ اخلاص ۳ دفعہ پڑھ کر بخشنی درود پاک پڑھ کر قبولیت کے واسطے پڑھنا آیا تمہارا قرآن و درود پڑھنے سے مردے کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی؟

تفسیر البیان کے اندر موجود ہے جس وقت قرآن پاک ختم کیا جاتا تھا تمام صحابہ اکرامؓ اپنے گھر والوں کو اکٹھا کر لیتے تھے۔اپنے اقرباء اور پیار کرنے والوں کو اکٹھا کر لیتے تھے اور قرآن پاک ختم کرنے کے بعد دعا مانگتے تھے۔تفسیر القرآن میں لکھا ہے:

اِذَا خَتَمَ الْقُرْآنَ ثُمَّ دَعَاءَ

جب قرآن ختم کیا جائے پھر دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ چالیس ہزار فرشتے مقرر کر دیتا ہے جو صبح سے لیکر شام تک اور شام سے لیکر صبح تک ان کیلئے استغفار کرتے ہیں۔

تم لوگ تو قرآن پاک ختم کر کے دعا پڑھ کر اور چاول کھا کر گھروں کو چل پڑتے ہو اور اللہ تعالیٰ ۴۰ ہزار فرشتوں کی ۲۴ گھنٹے کے لئے ڈیوٹی لگا دیتا ہے جو تمہارے لئے دعا کرتے ہیں۔کتنا فائدہ ہے ختمِ قرآن کی دعا پڑھنے کا اور حضور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو بندہ قرآن کا ایک حرف پڑھے گا اس کو ۱۰ نیکیاں ملیں گی'' قرآن پاک کے اندر ۶۶۶۶ آیات ہیں۔ ہر آیت کے اندر الفاظ موجود ہیں اور الفاظ کے اندر حروف موجود ہیں اور کئی کروڑ حروف موجود ہیں لہٰذا دس گناہ ثواب قرآن ختم کرنے والے کو ملے گا۔

اور وہ جو لوگ کہتے ہیں ختم کیا ہوا اور اہلحدیث لوگ مذاق کرتے ہیں کہ یہ ختم کیا ہے ختم القرآن ہے الف سے لے کر ''ے'' تک قرآن ختم کرنا، نمازِ تراویح میں قرآن پاک ختم نہیں کرتے؟ قرآن پاک تم لوگ بھی ختم کرتے ہو اور بعد میں دعا کرتے ہو۔

حضور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ختم القرآن کے بارے فرمایا ہر لفظ کے بدلے ۱۰ نیکیاں ملتی ہیں کسی کے نامۂ اعمال میں درج کروانا چاہو تو کرواسکتے ہو۔اپنے نامۂ اعمال میں درج کروانا چاہو تو کرواسکتے ہو۔کائنات کے جس بندے کے نامۂ اعمال میں کروانا چاہو تو کرواسکتے ہو اور جو سارا قرآن نہیں پڑھ سکتا ایک مرتبہ وہ سورہ فاتحہ اور ۳ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ لے کیونکہ سورہ فاتحہ قرآن کی ماں بھی ہے سورہ اخلاص قرآن کی بنیاد بھی ہے۔

صحیح حدیث شریف ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جو بندہ سورہ اخلاص ایک دفعہ پڑھے گا۔قرآن پاک کے ایک تہائی حصے کا ثواب حاصل کرے گا جو بندہ ۳ دفعہ قل

شریف پڑھ لے۔ سارے ختم القرآن کا ثواب حاصل کر لیتا ہے۔'' اس واسطے جو بندہ پورا قرآن پاک نہیں پڑھ سکتا وہ صرف سورہ فاتحہ پڑھے اور ۳ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے لیکن فرمایا بسم اللہ شریف پڑھ لے کیونکہ تعداد کی گنتی کرنی پڑے گی۔ جب ختم شریف پڑھو گے تعداد کی حیثیت سے پڑھنا ہے اس واسطے الگ الگ پڑھنا پڑھے گا الگ الگ سورتیں پڑھنے کے واسطے بسم اللہ شریف پڑھنی ضروری ہے اور ۳ دفعہ جو سورہ اخلاص پڑھتے ہو تو سارے قرآن پاک کا ثواب حاصل ہو جاتا ہے۔ اس واسطے دو قرآن پاک کا ثواب جس کے نامۂ اعمال میں جمع کرواؤ گے اس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں بڑھ جائیں گے۔ نیکیاں بڑھ جائیں گی تو عذاب میں کمی ہو گی۔

لہٰذا میّت کو دفنانے کے بعد ختم پاک پڑھنا دعائیں مانگنا ایصالِ ثواب کرنا علماء کے نزدیک بہترین عمل ہے جو کہ مرنے والے کیلئے فائدہ مند ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیکھو زمین پر چل رہے ہیں اور زمین کے اندر دفن مردوں کو دیکھ رہے ہیں۔ عذاب دیکھتے ہیں اور ان کے عذاب کی نوعیت کو دیکھ رہے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ اس کو عذاب کس گناہ کی وجہ سے ہو رہا ہے اور دوسرے کو عذاب اس گناہ کی وجہ سے ہے اور اس عذاب کے واسطے سبز ٹہنیاں لگا دیں یہ مسنون طریقہ ہے ورنہ حضور ﷺ دعا فرماتے ان کیلئے تب بھی ان کے عذاب میں تخفیف ہو جاتی۔

بلکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ آپؓ حجامت کر رہے تھے آپ کی داڑھی مبارک کا ایک بال اڑ کر قبرستان میں چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے حکم فرمایا اس قبرستان کا عذاب ختم کر دو۔ فرشتوں نے کہا یا الٰہ العالمین یہ عذاب کیوں ختم کیا گیا ہے؟ فرمایا کہ میرے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے محبوب (رضی اللہ عنہ) کا ایک بال اِدھر آن گرا ہے اس وجہ سے عذاب ختم کیا گیا

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بتانا تھا کہ یہ ٹہنیاں بھی خدا کا ذکر کرتی ہیں۔ ان کی تسبیح سے بھی عذاب میں کمی ہو جاتی ہے تو اگر تم قرآن پڑھ کر بخشو گے تو کیا تمہارے قرآن پڑھ کر بخشنے سے عذاب میں کمی نہ ہو گی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہر بات کو جانتے ہیں ہر چیز کو دیکھتے ہیں۔ وقت کم ہے اس لئے اتنا ہی بیان کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سچی اطاعت سچی محبت اور سچی عقیدت عطا فرمائے اور سچی غلامی عطا فرمائے اور ان کے غلاموں کا غلام بنائے۔ اس عقیدت پر قائم رکھے اور قیامت کو ہمارا حشر ان کے ساتھ فرمائے۔ (آمین ثم آمین) وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

برکاتِ ولایت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ غَوْثِنَا وَمُغِيْثِنَا وَاَوْلِيْنَا وَمُعِيْنِنَا وَمَعْنَنَا وَنَذِيْرِنَا وَرَسُوْلِنَا وَشَهِيْدِنَا وَشَفِيْعِنَا وَشَافِنَا وَمُشَفَّنَا وَطَبِيْبِنَا وَطَبِيْبَ قُلُوْبِنَا وَسُرُوْرِ عُيُوْنِنَا وَسَنَدِنَا وَنُوْرَ اَجْسَامِنَا وَنُوْرَ صَلٰوتِنَا وَنُوْرَ سَلَامِنَا وَنُوْرَ قِيَامِنَا وَنُوْرِ قُعُوْدِنَا وَنُوْرَ جُنُوْبِنَا وَنُوْرِ نُوْرِنَا وَسَيِّدِنَا وَمَوْلٰينَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَمَّا بَعْدُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِىْ كَلَامِهِ الْقَدِيْمِ فِىْ الْقُرْآن الْعَظِيْمِ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ **اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ** اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَاحَبِيْبَ اللّٰهِ۔

فقر روشن ضمیر ہوتے ہیں
آدمی بے نظیر ہوتے ہیں
اللہ والوں کی شان تو دیکھو
بادشہ بھی اسیر ہوتے ہیں

میرے دوستو! بھائیو! یہ سالانہ عرس ہے۔ حضور قبلۂ عالم غوثِ زماں، سلطانُ الفقراء سرتاجِ اولیاء شہنشاہِ اولیاء حضرت خواجہ محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے صاحبزادے حضور قبلۂ عالم حضرت خواجہ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ غوث زماں، سلطان الفقراء، سرتاج الاولیاء اور قطب عالم سرورِ زماں قبلہ وکعبہ حضرت خواجہ محمد کریم اللہ رحمۃ اللہ علیہ ان تینوں ہستیوں کے قدموں میں آپ بیٹھے ہیں اور آج ان بزرگوں کا عرس پاک منا رہے ہیں۔ اس سے پہلے کہ میں ولایت کی کچھ تعریف

کروں ایک بڑی خوشخبری آپ لوگوں کو سُنانا چاہتا ہوں۔

جو دوست عرس پاک میں شرکت کے لئے آئے تھے اور اپنی کم وقتی، کم ظرفی یا کم ہمتی کی بناء پر جلدی واپس جانے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور کچھ چلے گئے ہیں وہ ایک ایسی شے سے محروم ہو گئے ہیں جو شاید ان کو زندگی میں نصیب نہ ہو کیونکہ یہ بڑی نعمت ہے جس کے واسطے مجھے فخر ہے کہ وہ لباسِ پاک جو حضرت خواجہ محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ کے جسمِ پاک پر آخری وقت موجود تھا یا حضرت خواجہ محمد عبداللہؒ کے جسم پر وقتِ وصال تھا یا حضرت قبلہ وکعبہ حضرت خواجہ محمد کریم اللہؒ نے جو لباس زیب تن فرمایا تھا یا قبلہ والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا کا وہ لباس جو آپ پہنتی تھیں یا وہ لباس پاک جو صاحبزادہ حامد جلیل اصغرؒ نے آخری وقت زیبِ تن کیا ہوا تھا یہ تمام تبرکات ہمیشہ سے محفوظ ہیں۔

قبلہ وکعبہ حضرت خواجہ محمد کریم اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آخری ایام میں یعنی اپنے وصال کے چند دن پہلے یہ تبرکات جو آپؒ کے والدِ ماجد حضرت خواجہ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ اور جدِّ امجد غوث العصر حضرت خواجہ محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ کے لباس ہیں اس وقت نکلوا کر خود بھی زیارت کی اور ہم لوگوں کو بھی زیارت کروائی۔ اس وقت میں لاعلم تھا کہ آیا یہ زیارات ہمارے پاس موجود ہیں کہ نہیں لیکن سرکارؒ اس وقت یہ زیارات اور تبرکات سامنے لائے اور خود بھی اس سے برکت حاصل کی اور ہمیں بھی اس دوران سبق پڑھنے کا حکم فرمایا اور ہم بھی اس کی برکت سے مستفیض ہوئے۔ فرمایا تبرکات جو ہیں ان کی زیارت کرلو۔

اس واسطے فجر کی نماز کے بعد اگر آپ لوگ چاہیں تو آپ کو زیارات کروادی جائیں گی۔ جہاں غوث العصر حضرت خواجہ محمد عمرؒ، حضرت خواجہ محمد عبداللہؒ اور حضرت خواجہ محمد کریم اللہؒ کے معجزات اور کرامات کا تذکرہ ہوگا وہیں ان حضرات کے تبرکات جن کا ہم اپنی آنکھوں سے نظارہ کریں گے ان تبرکات کی زیارت سے اللہ تعالیٰ ہماری ظاہری و باطنی آنکھوں کو خیرہ فرمائے گا۔

بارہا اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنے خاص محبوب اور اپنے محبت والے دوستوں کا ذکر فرمایا ہے اور ساتھ ہی اعلان بھی فرمایا کہ ''خبردار ہو جاؤ تحقیق اللہ کے جو ولی ہیں ان کو ہرگز ہرگز کسی قسم کا خوف نہیں ہے اور ہرگز ہرگز کوئی غم نہیں کھائیں گے۔ لَا کا اطلاق عربی زبان میں صیغۂ نفی پر ہوتا ہے تو وہ قطعی طور پر نہی کا صیغہ ہو جاتا ہے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه

کلمہ پاک کا جب ذکر کرتے ہیں تو لَا اِلٰہ سے مراد یہ ہے کہ قطعی طور پر کسی قسم کا کسی آن کا، کسی شان کا، کسی مقام، کسی وقت کا، کوئی الٰہ نہیں، معبود نہیں ہے کوئی خدا نہیں ہے لا الٰہ کے اندر کفر کا

صیغہ ہے لا اِلٰہ قطعی طور پر کسی قسم کا کوئی الٰہ نہیں جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا ہے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (البقرہ، آیت ۲)

حضرات! اوپر ''لا'' رکھ کے فرمایا یہ کتاب ایسی ہے کہ جس میں کسی قسم کا کسی رنگ کا، کسی خیال کا کوئی شک وشبہ نہیں۔ قطعی طور پر کوئی بھی شک وشبہ نہیں اسی طرح جس طرح ''لا'' خدا پر استعمال ہوتا ہے۔ لا الٰہ کہا گیا جس کا معنی ہے کہ قطعی طور پر کسی قسم کا شک کوئی شُبہ نہیں ہے۔ خدا کی ہستی کا مدعا ہے کہ کوئی بھی چیز، چاہے مخلوق کی حیثیت سے ہو چاہے بت چاہے چاند چاہے سورج چاہے ستارے چاہے فرشتے چاہے نبی چاہے رسول چاہے تمہاری خواہشات ہیں جن کو مخلوق، معبود محبوب مانتی آئی ہے اس کے واسطے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''لَا اِلٰہَ'' قطعی طور پر کوئی معبود نہیں ہے۔ اس میں ہر چیز کی نفی ہے جب تک اِلّا اللّٰہُ نہ کہے گا اس وقت تک ایمان تازہ نہیں ہوسکتا۔ اِلَّا حرف شرط ہے اور خدا کی ذات اللہ ہے۔ یہ خدا کا ذاتی نام ہے اگر اِلَّا کا اتحاد اللہ کی ذات اپنی ذات سے آگے نہ رکھے تو خدا کی ذات اِلٰہ سے بعید ہے لہٰذا یہ سوچا جاتا ہے کہ نفی اثبات کا ذکر جس میں لا اِلٰہ نفی ہے اِلَّا اللہ اثبات ہے۔ جس وقت لا اِلٰہ کہا جاتا ہے، صرف زبان کے ساتھ پڑھنے کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے زبان کے ساتھ طوطے بھی سیکھ جاتے ہیں اور پڑھتے بھی ہیں اور بھی مخلوق پڑھ لیتی ہے۔

ایمان اس سے مختلف ہے۔ ایمان اس وقت ملتا ہے جب ہم دل سے سوچیں نکال کر دل سے کلمہ پاک کو پڑھیں گے۔ دل سے اس وقت تک پڑھا نہ جائے گا جب تک ایمان نہ لائے گا صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی یہ کلمہ نہیں لے کر آئے بلکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں نے بھی یہی کلمہ پڑھا اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو پڑھایا۔ تمام پیغمبروں نے بتایا کہ اللہ پر ایمان لانے والو! تمہارا ایمان تب کامل ہوگا جب تم اللہ کے سوا سب کو چھوڑ دو۔ اللہ کے سوا ہر چیز سے قطع تعلق کرلو، ہر چیز کی نفی کردو بلکہ تمہاری ہر چیز تمہارے خیالات، توجیہات، خواہشات، جو کچھ بھی ہے اگر تمہارے لئے معبود کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہر وقت تم انہی میں رہتے ہو۔ تو تم کو اس چیز کی نفی کرنی پڑے گی۔ بلکہ اپنی ذات کی بھی نفی کرنی پڑے گی جب بندہ اپنی ذات کی نفی کرتا ہے تو فانی ہو جاتا ہے جب تک یہ فانی نہیں ہوگا خدا کے پاس بقا حاصل نہیں کرسکتا اسی واسطے داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ

جو شخص اپنی جان کو پہچان لیتا ہے وہ اپنے رب کو پہچان لیتا ہے۔ (کچھ لوگ اس کو

حدیث ﷺ بھی کہتے ہیں) یعنی جب تک اپنے آپ کو پیچھے نہ ہٹاؤ گے اتنی دیر تک رب کی معرفت حاصل نہیں کر سکتے۔ جب کوئی کسی مقام کو دیکھنا چاہے گا، تو اتنی دیر تک اس مقام کو نہیں دیکھ سکتا جب تک اس مقام میں نہ آجائے وہ مقام اس کو نظر نہیں آسکتا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا بھئی۔ تمہارا پیر ایک مقام کو دیکھتا ہے مگر تم لوگوں کو وہ مقام نظر نہیں آتا۔ تمہارا پیر اس مقام کو کس طرح دیکھ رہا ہے لیکن مرید اس مقام کو نہیں دیکھ سکتا۔ پیر اس مقام کو کس طرح دیکھ رہا ہے؟ میں چھوٹی سی مثال پیش کرتا ہوں۔

سورج مشرق کی طرف سے نکلتا ہے مشرق کی طرف تمہاری دیوار ہے اس دیوار کا مشرق کی طرف والا حصہ سورج نے چمکا دیا۔ دوسری طرف دیوار پر سایہ تھا اندھیرا تھا یعنی دیوار کی پچھلی طرف کا سایہ تھا۔ سائے نے دیوار سے کہا اے دیوار تیری تو ہر چیز روشنی سے چمک گئی ہے۔ جس چیز کو تم دیکھ رہی ہو میں نہیں دیکھ رہا۔ میرے واسطے تم ذرا آگے سے ہٹ جاؤ تو میں بھی ذرا روشنی کا نظارہ کرلوں۔ دیوار نے جواب دیا معصوم سائے! اگر میں آگے سے ہٹ جاؤں تو تم کیسے آگے ہو سکتے ہو؟ تم میری وجہ سے ہو۔ جتنی دیر تک میں ہوں اتنی دیر تک تم ہو اگر میں نہیں تو تم بھی نہیں۔ سائے نے کہا تو پھر میں کیا کروں؟ جس چیز کو تم دیکھ رہی ہو اس چیز کو میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔ دیوار نے کہا آؤ تمہیں دیکھنے کا طریقہ بتا دوں دیوار کہنے لگی: اے سائے! جو میں دیکھتی ہوں اس کو دیکھنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ تم میرے قریب ہوتے جاؤ جب تک تمہاری ہستی مجھ میں فنا نہ ہو جائے تم اس چیز کو نہیں دیکھ سکتے جس کو میں دیکھ رہی ہوں۔ سورج قریب آتا گیا اور سایہ دیوار کے قریب ہوتا گیا جب سورج سر پر آجاتا ہے تو سایہ دیوار میں ضم ہو جاتا ہے۔ جب سایہ دیوار کی دوسری طرف آجاتا ہے جو کہ سورج کے قریب ہے تو وہ بھی چمک جاتا ہے۔

یہ بات یاد رکھنا کہ مرید اپنی ذات میں موجود رہے گا تو وہ مقام نہیں لے سکتا جو اس کے پیر کے سامنے ہے جب تک وہ اپنے پیر میں فنا نہ حاصل کر جائے۔ جس کو فنا فی الشیخ کہتے ہیں تب تک وہ کوئی مقام حاصل نہیں کر سکتا اسی طرح اگر اس مقام کو سامنے رکھ کر دیکھنا ہو کہ جس کو مقام فنا فی اللہ کہا جاتا ہے۔ اگر کسی مقام کو دیکھنا چاہو گے تو جب تک اس مقام کو حاصل کر کے اس اعلیٰ مقام میں فنا نہیں حاصل کرو گے تب تک اگلا مقام نظر نہیں آئے گا یہ اصول ہے۔

چونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تعلق براہ راست اس مقام سے ہوتا ہے، خدا ہی ان کو علم دینے والا ہوتا ہے، خدا ہی ان کو اپنے رموز سے واقف کرنے والا ہوتا ہے خدا ہی اپنے بھیدوں سے واقف کرتا ہے اور علم عطا فرماتا ہے، ان کا استاد دنیا میں کوئی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ان کا استاد

ہے، اللہ تعالیٰ ان کی ذات کی پرورش کرتا ہے۔

سب انبیاء علیہم السلام کی پیدائش عالمِ ناسوت میں نہیں ہوئی بلکہ یہ عالمِ ملکوت یا جبروت کی پیدائش ہیں۔ باقی ساری دنیا اور مخلوق عالمِ ناسوت میں پیدا کی گئی ہے۔ عالمِ ناسوت اس دنیا کو کہا جاتا ہے جس کو آپ لوگ فانی دنیا کہتے ہیں۔ ظاہری دنیا کہتے ہیں آپ کے حواس عالمِ ناسوت سے تعلق رکھتے ہیں آپ کی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں کان آواز سن سکتے ہیں زبان بات کر سکتی ہے، پاؤں چل سکتے ہیں، ہاتھ کام کر سکتے ہیں جن چیزوں کا حواس سے تعلق ہے۔ اسی کو عالمِ ناسوت کہا جاتا ہے اور مخلوق عالمِ ناسوت میں پیدا کی جاتی ہے لیکن نبیؑ کو عالمِ ناسوت میں پیدا نہیں کیا جاتا ان کو عالم جبروت یا ملکوت میں پیدا کیا جاتا ہے کیونکہ وہ پیدا ہوتے ہی وہبی چیز ہے کسبی چیز نہیں ہے نبوت خداوند کریم کی عطا ہے لہٰذا وہ مقام فنا فی اللہ کا مقام ہے اور اگر فنا فی اللہ کا مقام حاصل کرنا ہو تو جب تک وہ مقام حاصل کرنے والے کے مقام کو حاصل نہ کیا جائے یعنی جب تک فنا فی الرسولؐ حاصل نہ ہو فنا فی اللہ کا مقام نہیں مل سکتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صحابہ اکرام رضوان اللہ اجمعین کا براہ راست تعلق تھا۔ ان کی بیعت سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر تھی جس کو خدا تعالیٰ نے فرمایا ''یہ میرا ہاتھ ہے''، لیکن تابعین یا تبع تابعین یا ان کے بعد آنے والی ہستیاں یا مخلوق ان کا تعلق براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہیں ہے بلکہ بالواسطہ تعلق ہے انہوں نے ان سے ہر چیز حاصل کی جنہوں نے براہ راست نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کی۔

اس واسطے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تابعین یا تبع تابعین یا قیامت تک آنے والی ہستیوں کے لئے ایک درجہ اور بڑھ گیا یعنی فنا فی الشیخ، بیعتِ شیخ یا بیعتِ صوفیاء نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد شروع ہوئی لیکن اس کا ثبوت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت سے متعلق ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ کو خدا نے فرمایا یہ ہاتھ میرا ہے قرآن پاک میں ثبوت ہے اور واجب ہے جس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کی نیت سے تشریف لے گئے اور جب کافروں کو معلوم ہوا کہ آپ مکہ کی طرف تشریف لا رہے ہیں تو انہوں نے راستہ روکنے کی کوشش کی تو حضرت عثمان غنیؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ بھیجا کہ کافروں سے گفتگو کریں کہ ہم حملہ کرنے نہیں آئے بلکہ حج بیت اللہ کرنے آئے ہیں جب وہ گئے تو کافروں نے حضرت عثمان غنیؓ کو روک لیا اور یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمان غنیؓ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ تو آپؐ نے صحابہ اکرام کو حکم دیا کہ بیعت کریں اور سب نے بیعت کی اور اس کے بعد آپ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

هٰذِهٖ يَدِيْ وَهٰذِهٖ يَدُ عُثْمَانَ

(یہ میرا ہاتھ ہے اور یہ عثمان کا ہاتھ ہے)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھ کر حضرت عثمانؓ کی بیعت قبول کر لی حالانکہ حضرت عثمان کا ہاتھ نہیں تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذاتی ہاتھ تھا جیسے بایاں ہاتھ عثمان کا ہاتھ ہے اور دایاں ہاتھ حضور کا۔ حضورؐ کے جس ہاتھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ فرمایا تھا۔ معلوم ہوا حضرت عثمان غنیؓ نبی تو نہیں ہیں لیکن ولایت اور صدیقین میں شامل تھے لہٰذا ثابت ہوا ولی کی بیعت ہی نبیؐ کی بیعت ہوتی ہے اور نبیؐ کی بیعت ہی خدا کی بیعت ہوتی ہے۔

مختصر عرض کرتا ہوں کہ دنیا کے اندر کوئی بھی شے پیدا ہوئی ہے۔ کوئی انسان پیدا ہوا ہے، کوئی حیوان پیدا ہوا ہے۔ سب کو اللہ تعالیٰ نے کچھ نہ کچھ اختیار دیا ہوتا ہے موٹی بات سمجھانے لگا ہوں تا کہ آپ کی سمجھ میں آجائے۔

حضرت علیؓ کے پاس ایک آدمی گیا اور پوچھا یا امیر المومنین! یہ بتائیے کہ انسان بالکل مجبور ہے یا انسان کلی مختار ہے چونکہ دو فرقے ہیں، قدریہ اور جبریہ، ایک فرقہ کہتا ہے انسان مکمل طور پر مختار ہے دوسرا فرقہ کہتا ہے یہ بالکل مجبور ہے حضرت علیؓ نے فرمایا ایک پاؤں اٹھاؤ اس نے جلدی سے ایک پاؤں اٹھالیا۔ آپؓ نے فرمایا دوسرا پاؤں بھی اٹھاؤ۔ اس نے کہا جی یہ تو نہیں اٹھایا جاتا ہے۔ آپؓ نے فرمایا انسان اتنا ہی مختار ہے اور اتنا ہی مجبور ہے۔

یہ اختیار بھی عطائے الٰہی ہے جو اختیار اللہ نے آنکھوں کو دیا ہے اس کے مطابق ہم دیکھ رہے ہیں۔ جو اختیار ہمارے پاؤں کو دیا اس کے مطابق ہم چل رہے ہیں۔ جو اختیار ہاتھوں کو دیا ہے اس کے مطابق ہم کام کر رہے ہیں۔ اگر وہ نہ چاہتے تو انسان آنکھوں کے ہوتے ہوئے بھی نہیں دیکھ سکتا۔ زبان ہونے کے باوجود بول نہیں سکتا۔ اگر وہ نہ چاہے تو پاؤں ہونے کے باوجود انسان چل نہیں سکتا، ہاتھ ہونے کے باوجود کوئی چیز پکڑ نہیں سکتا۔ جو اختیارات اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیئے ہیں اس کے مطابق ہر انسان دنیا کے کام بھی کر رہا ہے، چل بھی رہا ہے، بول بھی رہا ہے۔ ایک دوسرے پر ظلم بھی کر رہا ہے۔ جہاد بھی کرتا ہے۔ ایک دوسرے کو مار کر غلط کام بھی کر لیتا ہے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں بندہ کچھ نہیں کر سکتا۔ جو کرتا ہے رب ہی کرتا ہے۔ صرف یہ نہ سمجھو کہ جو کرتا ہے رب ہی کرتا ہے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو بھی بہت اختیارات دیئے ہیں۔ بندہ بھی بہت کچھ کر لیتا ہے، گاڑیاں یہ چلا رہا ہے، ہوائی جہاز انسان اُڑا رہا ہے، بہت کچھ انسان کر رہا ہے

کارخانۂ قدرت کے نظام میں لیکن اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیار کی بناء پر ہر بندے کو کچھ نہ کچھ اختیار ہے۔ کسی کی نظر میاں جی! فرلانگ سے دیکھ سکتی ہے کسی کی ۸ فرلانگ سے دیکھ سکتی ہے، کسی کی نظر ۳ فرلانگ سے دیکھ سکتی ہے۔ اگر کسی کی نظر کمزور ہے تو وہ دیکھ ہی نہیں سکتی۔ ٹھیک ہے نا؟ اسی طرح کسی کی آواز زیادہ ہوتی ہے کسی کی کم ہوتی ہے۔ کسی کی آواز آدھے میل تک جا سکتی ہے کسی کی فرلانگ تک جا سکتی ہے۔ تو معلوم ہوا ہر ایک اختیار میں رب تعالیٰ نے فرق رکھا ہے اسی طرح یہ اختیار حیوانوں میں بھی ہے، اڑتے ہیں۔ جا کر دانہ دنکا چگتے ہیں۔ حیوانوں میں بھی ہے پرندوں میں بھی ہے انسانوں میں بھی ہے اس ذات نے ہر چیز کو کچھ نہ کچھ اختیار عطا کیا ہے اپنے اختیار کے مطابق وہ چیز عمل کر رہی ہیں۔

انبیائے اکرام وہ ہستیاں ہیں جن کو اختیار سب سے زیادہ دیا گیا ہے اور سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ ذاتِ پاک ہیں جن کو کائنات عالم کا اختیار دے دیا گیا۔ اس واسطے آپ کو مختار کہا جاتا ہے۔ جس کو کوئی اختیار دے دے وہ مختار ہوتا ہے۔ خدا کی ذات کو اگر ہم مالک ومختار کہتے ہیں تو کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو رب نے کسی سے لی ہو یا رب تعالیٰ کو کسی نے دی ہو۔ خدا کے نام کے ساتھ جو مالک ومختار کا لفظ آتا ہے تو اس کا معنی ہوتا ہے اختیار دینے والا۔ کیونکہ خداوند کریم نے کوئی صفت کسی سے حاصل نہیں کی بلکہ خداوند کریم کی صفت ذاتی اور حقیقی ہے اور مخلوق کی صفت خدا کی عطا کردہ ہے اس واسطے اگر خدا مختار ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے اختیار حاصل کیا ہے بلکہ اختیار ہم نے حاصل کیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہم مالک ومختار سمجھتے ہیں تو اس کا معنی ہے اختیار دیا گیا یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیارات عطا کئے گئے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ اختیارات عرض کرتا ہوں جو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے ہیں۔ لیکن آپؐ کے مقامات کچھ انسان کے جسم کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ کچھ انسان کے ان مقامات سے تعلق رکھتے ہیں جو مقامات اور لوگوں کے بھی ہوتے ہیں۔

جو بندہ ایم۔ اے پاس ہے جب تک بی۔ اے نہیں کرے گا ایم۔ اے کی ڈگری حاصل نہیں کر سکتا۔ اگر بی۔ اے کی ڈگری حاصل کرنی ہے ایف۔ اے کی سند حاصل کرے گا وہ میٹرک کی سند حاصل کرے گا تو ایف۔ اے کی سند حاصل کرے گا۔ جس نے دسویں جماعت پاس کرنی ہے جب تک مڈل پاس نہ کرے گا دسویں کی سند نہیں لے سکتا۔ جس نے مڈل کی سند حاصل کرنی ہے وہ جب تک پرائمری پاس نہ کرے گا مڈل کی سند نہیں لے سکتا۔ جس نے پرائمری پاس کرنی ہے

اگر وہ پہلی جماعت میں نہ بیٹھے گا۔ پانچویں تک نہیں پہنچ سکتا۔

معلوم ہوا جو شخص ایم۔ اے پاس ہے وہ پہلی جماعت سے لے کر پرائمری، مڈل، میٹرک، ایف۔ اے، بی۔ اے، بھی پاس ہوتا ہے ایف، اے کہتے ہیں بارہویں تک کلاسز کو اور بی۔ اے چودہ تک کلاسز کو اور سولہ جماعتیں اس وقت پڑھتا ہے جب پچھلی ساری ڈگریاں حاصل کر لیتا ہے سمجھے بھئی؟ صرف یہ سمجھنا کہ نبیؑ کے اندر صرف نبیؑ ہوتا ہے بلکہ جتنی نچلی ڈگریاں ہیں وہ بھی نبی کو حاصل ہوتی ہیں اور ایک انسان کی ڈگری نبی تک ۲۸ درجے رکھتی ہے۔ ۲۸ درجے موجود ہیں بنی آدمؑ جس کو کہا جاتا ہے یعنی آدمؑ کی اولاد۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آدمؑ کو ابوالبشر کہا ہے (یعنی تمام بشروں کا باپ) اور اس کے اندر ۲۸ درجے موجود ہیں انسان جو ہے وہ بشر ہے بشر کافر بھی ہے مشرک بھی ہوسکتا ہے بشر منافق بھی ہوسکتا ہے بشر مسلمان بھی ہوسکتا ہے بشر مومن بھی ہوسکتا ہے۔ بشر صالح بھی ہوسکتا ہے۔ بشر متقی، شہید، شریر، ولی بھی ہوسکتا ہے۔ نقیب، ابدال، ابرار، خدام بھی ہوسکتا ہے۔ غلام بھی ہوسکتا ہے، قطب بھی ہوسکتا ہے، غوث بھی ہوسکتا ہے، صدیق بھی ہوسکتا ہے، رسولؑ بھی ہوسکتا ہے اور خاتم الانبیاء ﷺ بھی ہوسکتا ہے یہ سب کون ہیں؟ آدمؑ کی اولاد۔

معلوم ہوا کہ بشر کا مقام ایسا ہے کہ بشر چور بھی ہوسکتا ہے، ڈاکو بھی بن سکتا ہے، زانی بھی بن سکتا ہے سب کچھ ہوسکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا آدمؑ ان کے باپ کہلوائیں گے اور یہ سب مخلوق ان کی اولاد کہلائے گی لیکن اولاد کو دیکھیں چھانیں گے اس میں نیک بھی ہیں بد بھی ہیں مومن بھی ہیں نبی بھی ہیں صحابی بھی ہیں تابعین بھی ہیں تبع تابعین بھی ہیں صدیق بھی ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور دوسرے انبیاءؑ بھی موجود ہیں یہ سب آدمؑ کی اولاد ہیں، سمجھ گئے؟ اس میں سارے درجے محفوظ ہیں اور خداوند کریم نے اپنے آپ کو ایک مقام پر مومن کہا ہے:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ
الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ
اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ (الحشر، آیت ۲۳)

اس کلامِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو مومن کہا ہے، ہم بھی مومن ہیں اور رب بھی مومن ہے کہیں رب نے فرمایا تم مومن ہو پھر خود فرماتا ہے میں مومن ہوں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے فرمایا وہ بھی مومن ہیں فرق کیا ہوا؟ جس کے مختار کے اندر فرق ہے اور جب خدا کے ساتھ تعلق رکھے گا تب دینے والے سے لیا جائے گا کیونکہ اگر کہا جائے گا کہ اس نے اختیار کس سے

لیا ہے تو رب کی خدائی ختم ہو جاتی ہے؟

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر مختار کا لفظ آئے تو کہا جائے گا، اختیار دیا گیا، ان کو رب تعالیٰ نے مختار بنایا ہے۔ اگر قانون کی کتاب میں دیکھو تو جس کو کسی چیز کا مختارِ عام بنا دیا جائے تو اس کو کلی اختیار ہوتا ہے کہ وہ اس زمین، مکان یا جائیداد کو بیچ دے یا کھا جائے اس کے ہاتھ میں مکمل اختیار ہوتا ہے جو مرضی کرلے۔ مختارِ خاص میں انسان انتظامی امور میں اختیار حاصل کرسکتا ہے لیکن اس جائیداد کو بیچ نہیں سکتا جس کو اختیار خاص حاصل ہوتا ہے جیسے ہم لوگوں کو، یہ اور کچھ نہیں کرسکتے، یہ اس جائیداد میں تصرف نہیں کرسکتے۔

لیکن جن کو عام اختیار اللہ تعالیٰ نے دیا ہوتا ہے وہ تصرف بھی کرسکتے ہیں۔ ولایت کے معنی ہیں تصرف کرنے والا۔ حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ولایت خدا کے ساتھ بھی تعلق رکھتی ہے اور خدا کے بندوں کے ساتھ بھی تعلق رکھتی ہے کیونکہ قرآنِ پاک میں فرمایا:

اَلْوَلَایَۃُ لِلّٰہِ الْحَقِّ (الکہف، آیت ۴۴)

(ولایت اللہ کے واسطے حق ہے)

ولایت کے معنی، بادشاہی، حکومت، بادشاہی اللہ کے واسطے حق ہے، قرآن پاک میں فرمایا:

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (البقرہ، آیت ۲۵۷)

(اللہ تعالیٰ ولی ہے ان کا جو ایمان لائے ان کو اندھیرے سے نکال کر روشنی (نور) کی طرف لے جاتا ہے)

اور فرمایا قرآن پاک میں:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

(یونس، آیت ۶۲)

(خبردار! بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ وغمگین ہوں گے)

اللہ فرماتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں اور کہیں فرماتا ہے اللہ ان کا ولی ہے، ولایت رب کے واسطے حق ہے یہ مختلف الفاظ قرآن پاک میں آئے ہیں۔

حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ان کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں ولایت دو طرح کی ہوتی ہے ولی ''ولایت'' میں سے اور ''ولا'' میں سے نکلا ہے یعنی ولی کا لفظ دو مادے سے نکلا ہے۔

''ولایت'' اور ''ولا'' دو مادوں سے بنا ہے۔ واؤ پر اگر زبر ہو تو ''وَلَا'' اور اگر واؤ کے نیچے زیر ہو تو ''وِلَا'' جس کا معنی ہے محبت اور اگر ''وَلا'' ہو تو اس کا معنی حکومت ہے۔

اَلْوَلَایَۃُ لِلّٰہِ الْحَقِّ

(بادشاہی یا حکومت اللہ کے واسطے حق ہے)

فرمایا ولی وہ ہوتا ہے جو اللہ کے ساتھ محبت کر کے اللہ پاک کی ذات میں فنا ہو کر خداوند کریم کی مخلوق کے اندر تصرف کر سکتا ہے۔ خداوند کریم کی مخلوق پر بادشاہی اور حکومت کر سکتا ہے اور خدا کی کائنات جو ہے اس کے اندر متصرف ہو اور جو چاہے کر سکے۔ اس کو ولی کہتے ہیں۔ مقصد صرف اتنا ہے کہ ولایت چونکہ دو مادوں سے ہے اس واسطے ہم اولیائے کرام کو اتنا با اختیار مانتے ہیں کہ خداوند کریم کی اس دنیا کے اندر اس مخلوق کے اندر وہ تصرف کر سکتے ہیں۔ اپنے اختیار استعمال کر سکتے ہیں چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساری کائنات کا، اٹھارہ ہزار عالم کا، تمام انبیاءؑ سے بھی، سب رسولوں سے بھی، ساری دنیا کی مخلوق سے زیادہ اختیار دیا گیا ہے اس واسطے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر چاند کو فرمائیں دو ٹکڑے ہو جا تو وہ کہتا ہے یا اللہ دو ٹکڑے کر دے، یہ اختیار ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔

ابو جہل نے جس وقت دیکھا کہ حالت ابتر ہو گئی ہے اس نے یمن کے حاکم کو بلا لیا کہ عقلمند ہے ہمیں کوئی راہ دکھائے گا۔ یمن کا حاکم آیا تو اس نے ابو جہل سے پوچھا کیا بات ہے؟ ابو جہل نے کہا ہمارا بھتیجا ہے ہمارے خداؤں کو جھوٹا کہتا ہے وہ کہتا ہے کہ ایک خدا سچا ہے ایک خدا کو مانو ہمارے یقین کو کمزور کر رہا ہے، ہم جو بھی معجزہ مانگتے ہیں وہ پورا کر کے دکھا دیتا ہے اگر ہم نے پوچھا کہ بتاؤ ہمارے ہاتھوں میں کیا ہے تو محمدؐ نے کہا چچا اگر جو چیز تمہارے ہاتھوں میں ہے وہ ہی بتا دے کہ میں کون ہوں؟ ابو جہل نے کہا اگر میرے ہاتھ والی چیز ہی بتا دے تو بڑے کمال کی بات ہے۔ اسؐ نے کہا تیرے ہاتھ میں کنکریاں ہیں کنکریوں سے کہا مَنْ اَنَا میں کون ہوں، کنکریاں بول پڑیں:

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اِنَّکَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

(ہم شہادت دیتی ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہم شہادت دیتی ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے سچے رسول ہیں)

الغرض ابو جہل نے جو کچھ بھی کہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورا کر دیا۔ یہ بات

احادیث میں بھی آتی ہے کہ تمام ترنا باممیوں کا ذکر کر کے کہنے لگا کہ یہ بہت بڑے جادوگر ہیں (نعوذ باللہ) ہم جو بھی معجزہ طلب کرتے ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پورا کر کے دکھا دیتے ہیں لیکن جادو کہتے ہیں زمین کی چیزوں پر ہوتا ہے کبھی آسمان کی چیزوں پر نہیں ہوتا۔ مشورہ دو ہم کیا کریں؟ ابوجہل نے یمن کے حاکم سے کہا تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ ہمیں کوئی راہ دکھاؤ اس نے پوچھا وہ آپ لوگوں کو کیا کہتے ہیں؟ ابوجہل نے کہا وہ کہتے ہیں کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ باقی سب کو چھوڑ دو۔ اس نے کہا اچھا میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جاتا ہوں تم لوگ میرے پیچھے پیچھے آؤ۔

یمن کا حاکم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے پر آتا ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے۔ پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے جواب دیا ایک بات میں آپ کو بتاؤں گا دوسری میں آپ کو نہیں بتاؤں گا۔ آپؐ نے فرمایا بتانی ہے تو بتاؤ ورنہ میں دونوں باتیں ہی تم کو بتا دیتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا کیا چاہتے ہو ہر کافر کا ایمان ہے ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ نبیؑ غیب کی خبریں بتانے والا ہوتا ہے نبیؑ غیب کی خبریں جانتا ہے کافروں کو بھی اس بات کا علم تھا اور ان کا یہ ایمان بھی تھا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا یہ چودھویں کا چاند ہے اس کو دو ٹکڑے کر دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگلی مبارک کا اشارہ فرمایا تو چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا چاند کا پہاڑی کی ایک طرف اور دوسرا پہاڑی کی دوسری طرف نظر آنے لگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا یہی چاہتے ہو کہ اور بھی کچھ چاہتے ہو؟ اس نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اب اس کو جوڑ دو۔ آپؐ نے اشارہ فرمایا تو چاند کو جوڑ دیا پھر اس سے پوچھا اور کیا چاہتے ہو؟ اس نے جواب دیا کلمہ پڑھنا چاہتا ہوں اس نے کلمہ پڑھ لیا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ ابوجہل نے جب یہ منظر دیکھا تو کہنے لگا یہ تو بہت بڑے جادوگر ہیں (نعوذ باللہ) ہماری نظروں پر جادو کر دیا ہے اس لئے ہمیں چاند دو ٹکڑے نظر آ رہا ہے حالانکہ یہ اس کا ایمان تھا کہ آسمان کی چیزوں پر جادو نہیں ہوتا ہے۔ یمنی ایمان لے آیا کلمہ پڑھ لیا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دوسری بات تمہیں اب میں بتاتا ہوں تمہاری ایک بیٹی ہے جو کہ اپاہج ہے کانوں سے بہری اور زبان سے گونگی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو شفا دے گا۔ ٹھیک ہو جائے گی جاؤ چلے جاؤ حبیب یمنی جب گھر کو جاتا ہے تو دیکھتا ہے دروازہ بند ہے۔ دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو پوچھا گیا کون ہے؟ یمنی نے جواب دیا بیٹی میں ہوں اندر سے اسکی بیٹی کی آواز آتی ہے ابا جان آپ ذرا باہر ہی

کھڑے رہیں میں وضو کر رہی ہوں۔ جب غسل و وضو سے فارغ ہو کر اسکی بیٹی نے دروازہ کھولا تو یمنی حیران رہ گیا کہ بیٹی تو میری ہے لیکن اس کے پاؤں بھی ٹھیک ہو گئے ہیں اس کے کان اور زبان بھی ٹھیک ہے وہ تو ایسے تندرست ہو گئی تھی جیسے کہ کبھی بیمار رہی نہ تھی حیران ہو کر پوچھا تم کیسے تندرست ہوئی؟

بیٹی نے جواب دیا اگر مجھ سے پوچھتے ہیں تو یہاں ایک ہستی کالی کملی والی تشریف لائی، روشن چہرہ، سیاہ زلفیں، مدھ بھری آنکھیں تھیں۔ وہ تشریف لائے اور فرمایا بیٹی اُٹھو میں نے کہا حضورؐ میں اپاہج ہوں اور لنگڑی ہوں، اندھی بھی ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک دستِ شفقت و رحمت میرے جسم پر پھیرا تو میں تندرست ہو گئی کوئی بیماری نہ رہی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اب کلمہ بھی پڑھ لو اور وہؐ مجھے کلمہ بھی پڑھا گئے ہیں۔ وہ تشریف لے گئے ہیں تو اباجان آپ آ گئے ہیں یمنی نے اپنی بیٹی سے کہا تم نے کون سا کلمہ پڑھا ہے بیٹی نے جواب دیا:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه

یمنی نے کلمہ سن کر جواب دیا، بیٹا تم نے جن سے کلمہ پڑھا ہے اسی سے میں کلمہ پڑھ کر آیا ہوں۔ سبحان اللہ، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اختیار ہے۔ یاد رکھنا اللہ کی طرف سے دیا گیا یہ اختیار ہے۔ اگر خدا کے حکم سے سورج نکلتا ہے اور اسی کے حکم سے غروب ہوتا ہے، کسی کا کہنا نہیں مانتا کسی کے روکنے سے نہیں رکتا چاہے سارا جہان روکنے کی کوشش کرے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اختیار دیکھیں کہ ابو جہل پھر آیا اور کہا کہ اگر آپؐ اللہ کے سچے رسولؐ ہیں تو بتائیں کہ جو قافلے باہر سے آتے ہیں وہ مکہ کس وقت پہنچیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سورج ڈھلنے سے پہلے پہلے۔ ابو جہل نے کہا اچھا دیکھ لیتے ہیں آپ کی سچائی۔ اس نے اپنے آدمی شہر سے باہر بھیج دیئے اور ان سے کہا کہ قافلے جب شہر کے قریب آ جائیں تو ان کو شہر سے باہر روکے رکھیں اور سورج ڈھلنے سے پہلے ان کو مکہ شہر میں داخل نہ ہونے دیں آج ہم اُن کو جھوٹا کر کے چھوڑیں گے (نعوذ باللہ) ابو جہل کے آدمیوں نے قافلوں کو شہر سے باہر ہی روکے رکھا، سورج چڑھتے چڑھتے سر پر آ جاتا ہے اس وقت کافروں کی پارٹی نے کہا کہ سورج تو سر پر آ رہا ہے اور قافلے تو شہر میں داخل ہی نہیں ہوئے۔ آج پتا چلے گا کہ محمد جھوٹے ہیں یا سچے ہیں۔ آپؐ نے سورج کو حکم دیا کہ جب تک قافلے شہر میں داخل نہ ہوں تم نے آگے چلنا ہی نہیں۔ سورج رک جاتا ہے بھئی خدا کے حکم کے مطابق چلتا ہے لیکن خدا کے محبوب کا حکم آ رہا ہے اس ہستی کا حکم آ رہا ہے جس کو رب نے ہر اختیار عطا فرمایا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورج کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم دیں گے تو کھڑا ہو جائے گا

نہیں چلے گا۔ سوآپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سورج کو حکم دیا کہ تم نے اپنی جگہ سے نہیں ہلنا، جب تک قافلے مکہ شریف میں نہ آجائیں۔ کافر اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ سورج کب ڈھلتا ہے لیکن سورج ڈھل ہی نہیں رہا تھا اور دن لمبا ہوتا گیا۔

پھر جب قافلے مکہ شریف میں آگئے تو سورج آگے چلنا شروع ہو جاتا ہے، کافر شرمندہ ہو جاتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سورج کو حکم فرمایا تب اس نے چلنا شروع کیا۔ یہ اختیار ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اور اس وقت جب سورج غروب ہوتا جا رہا ہے اور حضرت علیؓ کی ران مبارک پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سر رکھ کر لیٹے ہوئے ہیں۔ آپ کی آنکھیں مبارک بند ہیں۔ آپ خدا کے مشاہدے میں غرق ہو جاتے ہیں۔ آپ کی آنکھیں خدا کے مشاہدے میں لگ جاتی ہیں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

تَنَامُ عَیۡنِیۡ وَلَا یَنَامُ قَلۡبِیۡ

(میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا)

میری آنکھ سوتی ہے دل کبھی سوتا ہی نہیں، دل ہمیشہ جاگتا اور بیدار رہتا ہے جو دل زندہ ہوتا ہے وہ ہمیشہ زندہ ہی رہتا ہے۔

ہرگز نمیرد آں کہ دِلش زندہ شُد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

(جس کا دل عشق سے زندہ ہو جائے وہ تو کبھی مرتا ہی نہیں کیونکہ وہ دل اللہ تعالیٰ کے ہمیشگی کے دفتر میں لکھا جا چکا ہے)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث پاک ہے:

مَنۡ مَاتَ مِنَ الۡعِشۡقِ فَقَدۡ مَاتَ شَهِیۡدًا

(جو عشق میں مر گیا پس شہادت کی موت مرا)

جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں مر گیا، جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت میں مر گیا۔ وہ شہید اور زندہ ہے اسکی آنکھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ لگ جاتی ہے اور آنکھ بند ہو جاتی ہے کیونکہ جو چیز باطن میں دیکھنی ہو وہ آنکھ بند کر کے دیکھی جاتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خدا کے مشاہدے میں غرق ہو جاتے ہیں اور جب کوئی خدا کے مشاہدے میں غرق ہو تو دنیا و مافیہا سے غافل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا کہ یہودیوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آ کر سوال کیا۔ یا رسول اللہؐ ہم آپ کو سچا

نبی تب مانیں گے اگر آپ ہمیں یوسف علیہ السلام کے واقعات بتائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو سوال یہ آپ سے پوچھ رہے ہیں یہ آپ کو بتانے کی ضرورت نہیں بلکہ فرمایا:

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْآنَ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ (یوسف، آیت ۳)

(ہم آپ کو قصہ سناتے ہیں، سب سے خوبصورت قصہ جو ہم آپ پر وحی کر رہے ہیں اس قرآن میں اور اس سے پہلے آپ (اس واقعہ سے) بے خبروں میں سے تھے)

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ اس سے پہلے آپ غافلوں میں سے تھے۔ کوئی بھی شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام تو زیادہ ہے اپنے باپ کو بھی غافل نہیں کہہ سکتا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امت کا کوئی بندہ غافل نہیں کہہ سکتا لیکن یہ یاد رکھو کہ خدا اپنے محبوب کو غافل نہیں کہہ رہا کہ خداوند کریم کے محبوب ہیں محبّ کو اپنے محبوب کی ہر ادا پسند ہوتی ہے لیکن قرآنِ پاک میں فرمایا:

وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ

غافل کا لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لئے استعمال کیا گیا ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کے لئے بیان کیا گیا ہے۔ غفلت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک خدا کی طرف سے ہوتی ہے ایک خدا کے ماسوا کی طرف سے ہوتی ہے۔ جو خدا کی طرف سے غفلت ہے وہ (یعنی ذکر خدا سے غافل) گناہ ہے۔ خدا سے غافل ہونا گناہ ہے اور دنیا و مافیہا سے غافل ہو کر رب کے مشاہدے میں غرق رہنا وہ دنیا و مافیہا سے غافل رہنا ہے۔

معلوم ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس وقت اللہ تعالیٰ نے غافل فرمایا ہے تو یہ حضور کی شان بیان کی ہے۔ فرمایا کملی والے میرے محبوب آپ ہر وقت تو میری طرف دیکھتے رہتے ہیں، میری طرف متوجہ رہتے ہیں، میرے مشاہدے میں غرق رہتے ہیں اس لئے آپ دنیا و مافیہا سے اور دنیا کے لوگوں کے قصوں اور ان کے واقعات سے غافل ہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اے حبیبِ آپ کو کوئی ضرورت نہیں کہ میرا دھیان چھوڑ کر ان کی باتیں سنیں اور ان کا جواب دیں آپ جس طرف متوجہ ہیں متوجہ رہیئے ہم خود ہی ان کو جواب دے دیتے ہیں اس واسطے رب تعالیٰ نے

فرمایا:

نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡكَ

(ہم یہ قصہ قرآن میں بیان کرر ہے ہیں)

آپ کوضرورت نہیں ہماری طرف سے توجہ ہٹانے کی۔ رب تعالیٰ نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت سفر معراج پر تشریف لے جاتے ہیں:

مَازَاغَ الۡبَصَرُ وَمَاطَغٰی (النجم، آیت ۱۷)

(آپؐ نے نہ آنکھ جھپکی اور نہ ہی ادھر ادھر دیکھا)

آنکھ کا جھپکنا کھلی آنکھ پر اطلاق کرتا ہے بند آنکھ جھپکی نہیں جاتی۔ ادھر ادھر بندہ تب دیکھتا ہے جب اس کے سامنے دیکھنے کے لئے کوئی خاص چیز نہ ہو اور اگر کوئی خاص چیز اس کے سامنے ہو تو پھر اسکی طرف دیکھتا رہتا ہے بڑے شوق اور محبت سے دیکھتا ہے اور آنکھ جھپکتا ہی نہیں۔ اس لئے ارشاد فرمایا مَازَاغَ الۡبَصَرُ وَمَاطَغٰی میرا کملی والا حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) جب میرے پاس آیا تو میری طرف ہی دیکھتا رہا اور میں اسکی طرف۔ آپ نے آنکھ جھپکی ہی نہیں نہ ہی ادھر ادھر دیکھا ہے میری ذات کا مشاہدہ کرتے رہے ہیں۔ اس بات پر صحابہ اکرام کا ایمان تھا۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظاہری آنکھوں اور دل کی آنکھوں سے خدا کو دیکھا اور بے پردہ دیکھا ہے۔

اس واقعہ کی طرف آیئے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علیؓ کی ران مبارک پر سر مبارک رکھے آرام فرما جاتے ہیں، سورج غروب ہو رہا ہے ڈوب رہا ہے اور حضرت علیؓ نے نمازِ عصر ادا نہیں کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آرام پر نماز کو قربان کر دیا۔ آپؐ کے آرام پر نماز کو تو قربان کر دیا لیکن دل میں خیال آتا ہے کہ میں نے نمازِ عصر نہیں ادا کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا علی کیا بات ہے۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں نے نمازِ عصر ادا نہیں کی، آپؐ آرام فرما رہے تھے تو میں نے نماز کو آپؐ کے آرام پر قربان کر دیا ہے آپ نے فرمایا اچھا تم نے نماز کو ہمارے آرام پر قربان کیا ہے تو ہم اس قربانی کی قیمت چکا دیں گے۔ ہم آپ کی نماز قضا نہیں ہونے دیں گے۔ جب سورج غروب ہونے لگتا ہے تو سب کو پتا لگ جاتا ہے، حیوانوں، چرندوں، درندوں کو پتا لگ جاتا ہے اور کوے بھی اپنی جگہ پر واپس آجاتے ہیں۔ جانور بھی واپس آجاتے ہیں۔ گھر والوں کو بھی اور باہر والوں کو بھی پتا لگ جاتا ہے۔ نمازیوں کو بھی پتا لگ جاتا ہے کہ سورج غروب ہونے میں اتنے منٹ رہتے

ہیں۔ تیاری ہو رہی ہے کہ سورج غروب ہو رہا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لاتے ہیں اور فرماتے ہیں اے میرے علی! آپ نماز ادا کرلیں۔ انگلی کا اشارہ فرمایا اور سورج کو واپس نمازِ عصر کے مقام پر کھینچ لیا اور جب عصر کے وقت سورج آیا تو دن چڑھ گیا۔ سارے جہاں نے دیکھا ہو گا بلکہ ساری کائنات نے دیکھا کہ آپ نے انگلی کے اشارے سے سورج کو پیچھے کھینچ لیا اور حضرت علیؓ نے نمازِ عصر ادا کی اور پھر انگلی کا اشارہ فرمایا تو سورج غروب ہوگیا۔ یہ کس کو اختیار ہے جی سوائے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کے اور کوئی نہیں کرسکتا لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے حبیبؐ خدائی میری ہے مصطفائی تیری ہے جہاں میرا نام ہوگا وہیں آپ کا نام ہوگا۔ آپ کا ہاتھ رب کا ہاتھ ہے جہاں رب اس کو کھڑا کرے گا وہ کھڑا ہوگا، رب اگر چاہے تو چاند کے دو ٹکڑے کرسکتا ہے چونکہ آپ کا ہاتھ رب کا ہاتھ ہے یہ انگلی وہ کام کرسکتی ہے جو ربّ کرتا ہے لہٰذا آپ کی انگلی کے اشارے سے بھی چاند دو ٹکڑے ہوسکتا ہے یہ اختیار ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔

اب دوسرے انبیاء علیہم السلام کے اختیارات بیان کرتا ہوں ان کے پاس اختیار کتنا ہے حضرت سلیمانؑ بنی اسرائیل میں نبیؑ بنا کر مبعوث کئے گئے۔ قرآن فرماتا ہے کہ آپؑ کا اختیار انسانوں پر بھی تھا، جنوں پر بھی تھا، پرندوں پر بھی تھا، ہواؤں اور بادلوں پر بھی تھا اور تمام مخلوق پر بھی تھا۔ جنات آپؑ کا تخت اٹھا کر ہواؤں میں چلتے تھے اور تخت ساڑھے ۳ میل کے فاصلے پر اڑ رہا تھا اور لشکر زمین پر چل رہا تھا آگے ایک ایسا میدان آگیا جس میں بہت سی چیونٹیاں تھیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قَالَتْ نَمْلَةٌ يَّاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ
لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ
(النمل، آیت ۱۸)

(یہاں تک کہ جب وہ (لشکر) چیونٹیوں کے میدان پر پہنچے تو ایک چیونٹی کہنے لگی: اے چیونٹیو! اپنی رہائش گاہوں میں داخل ہو جاؤ کہیں سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر تمہیں کچل نہ دیں اس حال میں کہ انہیں خبر نہ ہو)

ایک چیونٹی دوسری کو کہنے لگی اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ کا لشکر ہمیں اپنے پاؤں تلے روند ڈالے اور تم مر جاؤ اور ان کو پتا بھی نہ چلے کہ تم ان کے پاؤں تلے

روندی گئی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چیونٹی آواز سے دوسرے چیونٹیوں سے بات کر رہی ہے کبھی آپ نے بھی چیونٹی کی آواز سُنی ہے۔ سائنسدان بھی چیونٹی کی آوازنہیں سُن سکے بے شک ان کے پاس کتنے آلات ہیں اس کا وجود دیکھ سکتے ہیں لیکن اسکی آوازنہیں سن سکتے۔ حضرت سلیمانؑ کا لشکر ساڑھے تین میل کے فاصلے پر اُڑ رہا ہے اور چیونٹی چیونٹیوں سے بات کر رہی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّن قَوْلِهَا (النمل، آیت ۱۹)

(تو وہ یعنی سلیمانؑ چیونٹی کی بات پر ہنسی کے ساتھ مسکرائے)

حضرت سلیمانؑ چیونٹی کی آواز سن کر مسکرانے لگے تبسم فرمانے لگے یہ وہ اختیارِ خاص ہے جو ساڑھے تین میل کے فاصلے سے چیونٹی کی آواز سن لیتا ہے اور چیونٹی ہمارے قریب ہو بلکہ ہمارے وجود کے اوپر ہو پھر بھی ہم اسکی آوازنہیں سن سکتے بلکہ جب تک وہ ہمیں کاٹ نہ لے ہمیں پتہ ہی نہیں چلتا کہ وہ ہمارے وجود پر ہے۔ ساڑھے ۳ میل کے فاصلے سے چیونٹی کی آواز سننا ایک ایسا مقام ہے جو عام انسانوں اور خاص انسانوں کو عطانہیں کیا گیا اس واسطے یہ اختیار انبیاءؑ کو عام مخلوق سے زیادہ ہوتا ہے۔

دوسرا اب دیکھیں حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں آتا ہے آصف سلیمانؑ کے دور کے ولی تھے۔ ہُد ہُد ملک سبا جاتی ہے اور وہاں جا کر ملکہ بلقیس کا تخت دیکھتی ہے وہاں اس کی حکمرانی موجود ہے۔ حضرت سلیمانؑ اپنا لشکر لے کر نکلتے ہیں۔ ہُد ہُد ایک ایسا پرندہ ہے جو ہوا میں اڑتا جاتا اور بتاتا ہے کہ فلاں جگہ پانی ہے۔ جب سلیمانؑ کا لشکر میدان کی طرف نکلتا ہے تو ہُد ہُد موجود نہیں تھا۔ حضرت سلیمانؑ نے پوچھا ہُد ہُد کہاں ہے؟ سب نے کہا ہمیں پتانہیں آپؑ نے فرمایا اچھا ہُد ہُد آئے تو سہی اگر اس نے صحیح وجہ بیان نہ کی تو اس کو سخت سزا دوں گا۔ چنانچہ جب وہ واپس آیا تو آپؑ نے پوچھا کدھر گئے تھے؟ ہُد ہُد کہنے لگا میں ایک ایسے ملک گیا تھا جسکی آپؑ کو خوشخبری دینے لگا ہوں جس کا آپ کو بھی علم نہیں یہ یاد رکھو جو شخص بھی یہ کہے نبیؑ کو پتانہیں علم نہیں اور مجھے علم ہے اس کا دماغ اس جانور جتنا ہے جس کا نام ہُد ہُد ہے۔ حالانکہ نبی کے معنی ہی علم غیب کی خبر جاننے والا، علم غیب کی خبر دینے والا ہُد ہُد ہے۔ نے جب صحیح وجہ بیان کی تو آپؑ نے فرمایا اگر تم اپنی بات کی تصدیق کرتے ہو تو ہم تمہیں رقعہ لکھ کر دیتے ہیں۔ ہُد ہُد نے وہ رقعہ جا کر ملکہ بلقیس کے سینے پر رکھ دیا جو کہ لیٹی ہوئی تھی جب اٹھی تو اس نے رقعہ دیکھا اور اپنے وزیروں کو بلا کر کہا:

اِنَّـهٗ مِنۡ سُلَيۡمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ اَلَّا تَعۡلُوۡا عَلَىَّ وَاۡتُوۡنِىۡ مُسۡلِمِيۡنَ (النمل، آیت ۳۰، ۳۱)

(ملکہ بلقیس وزیروں سے کہتی ہے بے شک وہ خط سلیمان کی جانب سے آیا ہے اور اللہ کے نام سے شروع کیا گیا ہے جو بے حد مہربان رحم فرمانے والا ہے اس کا مضمون یہ ہے کہ تم لوگ مجھ پر سر بلندی کی کوشش مت کرو اور فرمانبردار ہو کر میرے پاس آجاؤ)

جب ملکہ بلقیس وزیروں سے یہ بات کہتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس بہت مال وطاقت ہے۔ سلیمانؑ ہمارا کیا بگاڑ سکتے ہیں لیکن ملکہ کہتی ہے تمہیں پتا نہیں جب بادشاہ تباہ وتاراج کرتے ہیں تو کتنا نقصان ہوتا ہے۔ میں نہیں چاہتی کی میری وجہ سے تم لوگوں کا نقصان ہو یا ملک کا نقصان ہو۔ اس کے بعد اس نے سلیمانؑ کو تحائف اور ہیرے جواہرات بھیجے۔ جب یہ جواہرات وتحائف حضرت سلیمانؑ کے پاس پہنچے تو آپ خاموش ہو گئے اور فرمایا میں جواہرات کا گاہک نہیں ہوں۔ اس سے زیادہ جواہرات مجھ سے لے جاؤ جب ملکہ کے آدمی جواہرات لے کر واپس چلے گئے اور کہا سلیمانؑ تو یہ سب کچھ نہیں چاہتے تو ملکہ گھبرا گئی اور حضرت سلیمانؑ کے پاس آنے کے لئے وہاں سے چل پڑی اور ہُد ہُد نے آکر اطلاع دے دی کہ ملکہ بلقیس چل پڑی ہے۔ آپؑ اپنے دربار میں تشریف فرما تھے۔ آپؑ کی حکومت انسانوں پر بھی تھی جنات پر بھی تھی پرندوں پر بھی تھی۔ آپؑ نے اپنے دربار میں اعلان فرمایا:

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَؤُا اَيُّكُمۡ يَاۡتِيۡنِىۡ بِعَرۡشِهَا قَبۡلَ اَنۡ يَّاۡتُوۡنِىۡ مُسۡلِمِيۡنَ (النمل، آیت ۳۸)

(سلیمانؑ نے فرمایا اے دربار والو! تم میں سے کون اس ملکہ کا تخت میرے پاس لا سکتا ہے اس سے پہلے کہ وہ لوگ فرمانبردار ہو کر میرے پاس آجائیں)

فرمایا اے میرے سردارو! تم میں سے کون بلقیس کا تخت لے کر میرے پاس آئے گا اس سے پہلے کہ وہ مسلمان ہو کر میرے پاس آئے اس سے پہلے میں اس کا تخت ادھر چاہتا ہوں قرآن پاک میں ہے:

قَالَ عِفۡرِيۡتٌ مِّنَ الۡجِنِّ اَنَا اٰتِيۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ تَقُوۡمَ

مِنْ مَّقَامِكَ وَاِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ (النمل، آیت ۳۹)

(ایک قوی ہیکل جن نے عرض کیا میں اس تخت کو آپ کے پاس لا سکتا ہوں قبل اس کے کہ آپؑ اپنے مقام سے اٹھیں اور بے شک میں اس (کے لانے) پر طاقتور ہوں (اور) امانتدار ہوں)

جنوں کے سردار نے کہا اے جنابِ سلیمانؑ میں وہ تخت آپ کو لا کر دے دیتا ہوں اس سے پہلے کہ آپ اپنی نشست برخاست کریں۔ اپنی نشست سے اٹھیں اور میں اس تخت کے لانے کے لئے بڑی طاقت رکھتا ہوں اور میں امین بھی رہوں گا کیونکہ اس میں جواہرات لگے ہوئے ہیں۔ جن نے ابھی یہ بات کی ہی تھی کہ ایک شخص اٹھا جس کے پاس کتاب کا علم تھا، کتاب کے علم کو جانتا تھا اٹھا اور کہنے لگا۔

اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ (النمل، آیت ۴۰)۔

(میں اسے آپ کے پاس لا سکتا ہوں قبل اس کے کہ آپ کی نگاہ آپ کی طرف پلٹے (یعنی پلک جھپکنے سے بھی پہلے))

میں اس سے پہلے وہ تخت آپ کو لا دیتا ہوں کہ آپ اپنی طرف دیکھنے کا ارداہ کریں یعنی آنکھ جھپکنے سے پہلے اور آنکھ پھیرنے سے پہلے میں وہ تخت آپؑ کو لا کر پیش کر دیتا ہوں۔ آنکھ جھپکنا بھی ایک وقت ہوتا ہے ایک سیکنڈ یا اس سے کم وبیش لیکن آصفؒ نے کہا کہ میں اس سے بھی پہلے آپؑ کو وہ تخت لا کر دیتا ہوں ادھر بیٹھے ہی ابھی آنکھ بھی نہیں جھپکی گئی (آنکھ جھپکنا کوئی زیادہ وقت نہیں ہوتا) کہ تخت حضرت سلیمانؑ کے دربار میں موجود تھا۔

اگر زمین کو پھاڑ کر تخت لایا جاتا تو زمین پھٹ جاتی اور زمین سے تخت نکلتا تو باقی لوگ بھی دیکھتے، آسمان سے گرتا تو سب لوگ تب بھی اس کو دیکھتے۔ ابھی آنکھ بھی نہیں جھپکی گئی تھی کہ بلقیس کا تخت دربار میں موجود تھا اور وہ تخت اتنا بوجھل اور بھاری تھا کہ عفریت جنوں کے سردار نے کہا کہ میں آپؑ کو تخت لا کر دیتا ہوں اس سے پہلے کہ آپ اپنی نشست برخاست کریں اور یہ تخت سات برجوں کے اندر بند تھا وہ بندہ وہ ولی تو سلیمانؑ کے دربار میں بیٹھ کر ملک سبا سے وہ تخت لے آئے اور ہمارے تو کمروں میں چیزیں پڑی ہوں رکھی ہوں تو ہمیں پتا نہیں چلتا اور جو بندہ سلیمانؑ کے دربار میں بیٹھ کر ملک سبا کی طرف دیکھ رہا ہے ملک سبا کے محلوں کو دیکھ رہا ہے ان دروازوں، محرابوں اور برجوں کو دیکھ رہا ہے جن میں وہ تخت بند تھا معلوم ہوا ولی کی نظر دیوار کے پار بھی دیکھتی ہے ملک سبا تک چلی جاتی ہے اور جس کو یہ پتا ہو کہ چیز فلاں جگہ پڑی ہے لا تو وہی سکتا ہے نا۔

ولی اللہ ادھر بھی موجود ہے جہاں آنکھ نہیں جھپکی جاتی پوچھو کہ تخت کیسے آیا۔ پتا ہی نہیں چلا کہ کیسے آیا ہے جب ان سے پوچھا گیا تو آصفؓ نے جواب دیا ۔

قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ (النمل، آیت ۴۰)

(یہ تو میرے رب کا فضل ہے)

یعنی مجھ پہ رب کا فضل ہے جسکی وجہ سے میں یہ تخت لے آیا ہوں جن پر رب کا فضل ہوتا ہے ان کو ہی ایسی طاقتیں نصیب ہوتی ہیں اور آصف بن برخیاؒ حضرت سلیمانؑ کی امت کے ولی ہیں جس کا قرآن شاہد ہے اور وہ ولی جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت سے تعلق رکھتے ہیں ان کا درجہ ان ولیوں سے ہزار درجہ بلند ہے کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْعُلَمَآءُ اُمَّتِيْ كَاَنْبِيَآءِ بَنِيْ اِسْرَائِيْل

(میری امت کے ولی بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہوں گے)

یعنی میری امت کے علمائے حق، علمائے باطن بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں جن کو قرآن میں اولیاء کہا گیا ہے آپ کو ایک واقعہ بتاتا ہوں جس سے آپ کو پتا چل جائے گا کہ آیا اولیائے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی اسرائیل کے انبیاءؑ کی طرح طاقت بھی دی گئی ہے کہ نہیں

قرآن پاک شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ سے فرمایا عیسیٰؑ (۱) ہم آپؑ کو اجازت دیتے ہیں کہ آپؑ مٹی لے کر پرندہ بنالیں اور پھونک مارو گے تو اصل پرندہ بن جائے گا۔ (۲) یہ بھی اختیار عطا فرمایا کہ اندھے کی آنکھوں پر آپؑ ہاتھ رکھیں گے تو وہ اندھا ٹھیک ہو جائے گا۔ مادر زاد اندھا بھی ٹھیک ہو جائے گا کوڑھی، مرض والے کو بھی شفا مل جائے گی۔ (۳) اے عیسیٰؑ جس مردے کو فرمائیں گے زندہ ہو جا وہ زندہ ہو جائے گا اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے نبی عیسیٰؑ کو یہ اختیارات عطا فرمائے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ نے آکر اعلان فرمایا:

اَنِّيْ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ
فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ
وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ (آل عمران، آیت ۴۹)

(بے شک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل جیسا (ایک پتلا) بناتا ہوں پھر میں اس میں پھونک مارتا ہوں وہ اللہ کے حکم سے فوراً اُڑنے والا پرندہ ہو جاتا ہے اور میں

مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو شفایاب کر دیتا ہوں اور
میں اللہ کے حکم سے مُردے کو زندہ کرتا ہوں)

فرمایا اے لوگو میں مٹی سے ایک پرندہ بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں ''فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ'' اور وہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیار کی بناء پر اللہ کے دیئے ہوئے علم اور اجازت کی بنا پر اصل طائر یعنی پرندہ بن جاتا ہے۔ ویسے تو کوئی مچھر کا پر بھی نہیں بنا سکتا یہاں مٹی کے بنائے ہوئے پرندے کو پھونک ماری جاتی ہے اور اصل پرندہ بن جاتا ہے اور ویسے پھونک بہت بڑی چیز ہوتی ہے کہتے ہیں پیر پھونکیں مارتے ہیں پھونک تو پھر رب نے بھی ماری ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (الحجر، آیت ۲۹)

(اور ہم نے آدمؑ کے وجود میں روح پھونک دی)

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ سے بھی ''فانفخ'' ثابت کیا ہے پس وہ پھونک مارتے ہیں تو اصل جانور بن جاتا ہے:

وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ

(سفید داغ والے کو شفایاب کر دیتا ہوں اور اللہ کے حکم سے
مردے کو بھی زندہ کرتا ہوں خدا کی دی ہوئی اجازت کے ساتھ)

''حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا'' جو ماں کے پیٹ سے اندھا ہے اس کو بھی شفا دیتا ہوں، میں مردے زندہ کرتا ہوں، جو کوڑھی ہے اس کو بھی شفا دیتا ہوں، خدا کی دی ہوئی اجازت کے ساتھ۔ اس کے اذن کے ساتھ۔ حضرت عیسیٰؑ کو خداوند کریم نے بہت بڑے معجزات عطا فرمائے۔ بہت بڑے اختیارات عطا فرمائے تھے۔ معجزہ اس کو کہتے ہیں جہاں انسان کی عقل عاجز آجائے۔ کرامت اور معجزہ ایک ہی چیز ہوتا ہے ولی کے واسطے کرامت اور نبیؑ کے واسطے معجزے کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ معجزہ وہ جہاں انسان کی عقل عاجز آجائے کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے عقل سے ماوراء جو چیز ہو اسے معجزہ کہتے ہیں۔ اس واسطے نبیؑ کو کوئی نہ کوئی معجزہ عطا کیا جاتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تین معجزے عطا فرمائے گئے۔ (۱) مٹی میں پھونک مارنی یعنی مٹی کا پرندہ بنا کر پھونک مارتے تو وہ اُڑنے لگتا۔ (۲) اندھے، کوڑھے کو شفا عطا فرماتے۔ (۳) مُردوں کا زندہ کرنا۔ اب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے ولی کا ذکر کرتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے اولیاء کا بہت مقام ہے۔ حضور غوث پاکؒ جو تمام اولیاء کے سردار ہیں۔ جن کے سلسلے

سے ہمارا تعلق ہے۔ ہمارے پیر ہیں بلکہ صرف ہمارے ہی نہیں سب کے پیر ہیں۔

حضور غوث پاکؒ کے پاس کچھ عیسائی آئے انہوں نے آپؒ سے کہا کہ عیسیٰؑ ہمارے نبی تھے ان کو رب تعالیٰ نے بڑے اختیارات عطا فرمائے تھے وہ مُردوں کو کہتے تھے زندہ ہو جا تو وہ زندہ ہو جاتے تھے وہ کوڑھی اور اندھے کو شفا بخشتے تھے وہ مٹی کے پرندے میں پھونک مارتے تو وہ اصلی پرندہ بن جاتا تھا۔ حضور غوث پاکؒ نے فرمایا یہ کیا مشکل ہے تم اپنے نبی کا کمال سمجھتے ہو وہ تو مردہ سامنے پڑا ہوتا تھا تو اس کو زندہ کرتے تھے میں ہزار سال کا مردہ جس کی ہڈیاں گل سڑ گئی ہوں اس کو بھی زندہ کر سکتا ہوں انہوں کہا اچھا ذرا کر کے تو دکھائیں۔ آپؒ ان کے ہمراہ قبرستان کے اندر تشریف لے گئے انہوں نے ایک قبر کی طرف اشارہ کیا کہ اس قبر والے کو زندہ کریں حضور غوث پاکؒ نے فرمایا تمہیں بتاؤں یہ کتنی پرانی قبر ہے یہ نوسو سال پرانی قبر ہے یہ ایک میراثی کی قبر ہے وہ ساز بجایا کرتا تھا، سارنگی بجایا کرتا تھا، اسکی نہ ہڈیاں رہی ہیں نہ پسلیاں رہی ہیں۔ کوئی شے باقی نہیں ہے لیکن یہ قبر اس کی نوسو سال پرانی قبر ہے۔ عیسائیوں نے کہا آپؒ اگر اس کو زندہ کر دیں تو ہم آپؒ پر ایمان لے آئیں گے مسلمان ہو جائیں گے۔ حضور غوث پاکؒ نے فرمایا میراثی کو زندہ کروں کیا سارنگی بھی ساتھ ہو اور وہ سارنگی بجاتا ہوا باہر آجائے انہوں نے کہا اگر سارنگی بجاتا ہوا باہر آئے تو پھر تو بڑی بات ہے۔ حضور غوث پاکؒ نے حکم دیا:

قُمۡ بِاِذۡنِ اللّٰہِ

(اللہ تعالیٰ کے دیئے اختیار کی بناء پر میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ زندہ ہو جا)

قبر پھٹ جاتی ہے۔ مردہ باہر نکل آتا ہے سارنگی کندھے پر لگی ہوئی اور وہ بجاتا ہوا باہر آجاتا ہے۔ پوچھا بات کرو کب کے مرے ہوئے ہو، مردے نے جواب دیا یہ تو مجھے پتا نہیں لیکن پتا ہے کہ وہ وقت حضرت عیسیٰؑ کے پہلے کا تھا، میں تو حضرت موسیٰؑ کی امت میں تھا۔ نوسو سال پرانا مردہ زندہ کر کے دکھا دیا تو وہ عیسائی لوگ حضرت غوث پاکؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔

حضور قبلہ سخی احمد یار عباسیؒ جن کا روضہ پاک تعمیر ہو چکا ہے اور اس کا دوبارہ نقش و نگار شروع کیا گیا ہے۔ جو موجود ہیں یہاں ان کو میں یہ ضرور کہوں گا میں آپ لوگوں سے سرکارؒ کے روضے کیلئے پیسے نہیں مانگتا ہوں، مجھے رب نے سب کچھ دیا ہوا ہے، میں تمہاری خدمت اور ڈیوٹی لگانا چاہتا ہوں۔ کم از کم ہر انسان ۳ دن ڈیوٹی دے اور دوستوں کے لئے بھاری کام نہیں صرف ڈیوٹی ہے کہ آپ نے کاریگروں کے پاس کھڑے رہنا ہے۔ کاریگر کہے پانی پلا دو تو پانی پلا دیں،

کاریگر کوئی اور چیز مانگے تو اس کو وہ دے دیں۔ ہر بندے کو ۳ دن کی ڈیوٹی ضرور دینی چاہیے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں علم کا شہر ہوں، ابوبکر صدیقؓ شہر کی بنیادیں ہیں، حضرت عمر فاروقؓ شہر کی دیواریں، عثمانِ غنیؓ اس شہر کی چھت ہیں اور حضرت علیؓ اس کا دروازہ ہیں۔''

تو جس نے اس شہرِ علم میں جانا ہے اس کو کیا کرنا پڑے گا؟ اس کو دروازے میں سے گزرنا پڑے گا، جو شخص دروازے کو چھوڑ کر دیوار پھانگ کر جائے وہ چور ہوتا ہے اور جو صحیح طریقے اور ادب سے دروازے میں سے گزرے وہ شخص صائب کہلوائے گا۔ دروازے کو چھوڑ کر شہر میں داخل ہونے والا چور کہلائے گا اور اوپر خیر سے چھت بھی پڑی ہے۔

ہماری سرکارؒ نے ایک جگہ لکھا ہے ''عاشق علم دے شہر جے جاونائیں پہلے علی دی چُم دہلیز میاں'' کیونکہ جب تک دروازے میں داخل نہیں ہوں گے شہر میں داخل نہیں ہو سکتے جیسے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنا ہے، علم حاصل کرنا ہے رسول سے استفادہ کرنا ہے رسول کے شہر جانا ہے۔ وہ جب دروازے پر نہ پہنچے گا، تب تک شہر میں داخل نہیں ہو سکتا، معلوم ہوا ولی جو ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ للعالمین کے دروازے ہیں، اگر حضور کی رحمت حاصل کرنی ہے تو ان دروازوں پر جانا پڑے گا، اگر ان دروازوں کو چھوڑ دیں گے تو حضور کی رحمت سے مستفیض نہیں ہو سکتے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت اس پر ہو جاتی ہے، جو ولیوں کے دروازوں پر چلے جائیں خدا اس کو ملتا ہے جو اولیائے کرامؒ کے دروازے پر چلا جائے اسی واسطے مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا
اُو نشیند در حضورِ اولیاء

اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں خداوند کریم کے ساتھ مل کر بیٹھ جاؤں خدا کا ہمنشین ہو جاؤں جہاں رب بیٹھا ہے میں بھی اس کے ساتھ بیٹھ جاؤں اس کو کیا کرنا چاہیے؟ جس نے رب کے پاس بیٹھنا ہے اس کو چاہیے کہ اولیاء کے حضور پہنچ جائے۔

اولیاء را ہست قدرت از الٰہ
تیرِ جستہ باز گردانند ز راہ

معلوم ہوا مخلوق کا مرکز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ پاک ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک خدا کی تمام کائنات کا مرکز ہے۔ اس مرکز کے اوپر اٹھارہ ہزار عالم پیدا کر دیا گیا ہے، اٹھارہ ہزار دائرہ دنیا کا پیدا کیا گیا ہے، تو جب بھی دائرے میں دیکھو گے تو سب سے پہلے دائرے میں مرکز کو سامنے لاؤ گے۔ اک مرکز ہی نظر آئے گا اس دائرے کے اندر اور کوئی چیز نظر

نہیں آئے گی۔ لا کا، یعنی توحید کا، خدا کی خدائی کا جو دائرہ ہے اس کے اندر مرکز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ پاک ہے، خدا کی توحید میں جب بھی دیکھو گے تمہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نظر آئیں گے۔ یاد رکھنا اگر مرکز نہیں تو دائرہ کوئی شے نہیں، اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نگاہ میں نہیں ہیں تو خدا نظر نہیں آتا، خدا کے اس دائرۂ توحید کے اندر، دائرۂ وحدت کے اندر، دائرۂ احدیت کے اندر صرف ایک ہی مقام ہے گھر کے مہمان ایک ہی ہیں، جب بھی دائرے میں جاؤ گے اک وہی نظر آئے گا اور کوئی چیز نظر نہیں آئے گی، اس واسطے خدا کی ذات کو ملنا ہو تو جب تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے نہیں ملو گے تو خدا کو نہیں مل سکتے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کائنات میں جس کو حق ڈھونڈنا ہو وہ ایک ہی ذات ہے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات۔ تو جب تک ولی کے دروازے پر نہیں جاؤ گے تو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں پا سکتے۔ ولی کا آستانہ خدا کی رحمت کا دروازہ ہے اور جب رحمت کا دروازہ کھل جائے تو جو اس میں سے نہ گزرے وہ بدبخت کہلاتا ہے اور بات کوئی نہیں۔ خدا بخشنا چاہے تو وہ ایک رات ایسی دے سکتا ہے جس کا ثواب ہزار مہینے سے زیادہ ہے۔ تمہاری بخشش کا سبب بنایا ہوا ہے، لوگ ۸۳ سال ۴ ماہ کھڑے ہو کر بیٹھ کر عبادت کریں مگر اپنے محبوب کی امت کی بخشش کا سبب خدا نے بنا لیا ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ○ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ○ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ○ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ○ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ○

(بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں اتارا ہے اور آپ کیا سمجھتے ہیں (کہ) شب قدر کیا ہے، شبِ قدر (فضیلت وبرکت اور اجر وثواب میں) ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس (رات) میں فرشتے اور روح الامین (جبرائیلؑ) اپنے رب کے حکم سے (خیر وبرکت کے) کے ساتھ اترتے ہیں۔ یہ رات طلوعِ فجر تک (سراسر) سلامتی ہے)

اے حبیبؐ کے امتیو! تم بالکل نہ گھبراؤ نہ فکر کرو میں نے قرآن کو عزت والی رات میں نازل کیا تم کیا سمجھتے ہو عزت والی رات کیا ہے عزت والی رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ فرمایا میرے محبوب کی امت کا کوئی بندہ ایک رات کھڑا ہو کر عبادت کرے گا۔ ۸۳ سال ۴ مہینے سے زیادہ

عبادت اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جائے گی۔ جو بندہ اک رات بیٹھ کر عبادت کرے گا تو ۸۳ سال ۴ مہینے سے زیادہ عبادت کا اجر اس کو ملے گا۔ یہ سب رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کی امت کی بخشش کے واسطے بہانہ ڈھونڈ ھ لیا۔ خداوند کریم نے یہ چیزیں رحمت و بخشش کا بہانہ بنا رکھی ہیں حدیث ہے ''جس بندے نے دنیا میں مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا ہو، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں مکان تیار کر دیتا ہے۔ محل تیار کر دیتا ہے۔ اولیائے کرام کے واسطے ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ ان ولیوں کے ارواح کو جسموں کی قوت عطا فرما دیتے ہیں۔''

فَيَذْهَبُوْنَ حَيْثُ يَشَآءُ فِي الْاَرْضِ وَفِي الْمَلَكُوْتِ

(اور یہ اپنے جسموں سمیت زمین و آسمان میں جاتے ہیں جہاں چاہیں چلے جاتے ہیں ان کو کوئی رکاوٹ نہیں ہے)

وَيَنْصُرُوْنَ اَوْلِيَاءَ هُمْ

(اور یہ اپنے دوستوں کی امداد بھی کرتے ہیں)

اور يَدْفَعُوْنَ اَعْدَائَهُمْ اور ان کے دشمنوں کو دفع بھی کرتے ہیں۔ یعنی قبروں کے اندر بھی دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی اولیاء اللہ امداد کرتے ہیں اپنے دوستوں کی۔

اس سے پہلے حافظ محمد اسحاق نے حضور قبلہ خواجہ محمد عمر صاحب کا واقعہ بیان کیا ہے کہ آپؒ کے وصال کو کئی سال ہو چکے تھے کہ راولپنڈی کے حاجی محمد جنہوں نے مکے میں حضور خواجہ صاحبؒ کی بیعت کی تھی۔ حج کے دنوں میں انہوں نے دیکھا کہ ایک ایسی ہستی ہیں جن کے ارد گرد ہر وقت مخلوق بیٹھی رہتی ہے اور ہزار ہا آدمی آپؒ کی بیعت کر رہے ہیں۔ اس نے بھی محفل میں حاضری دی معیت کی اور بیعت کر لی۔ اس کے بعد جب وہ حج سے واپس آیا اور حضور خواجہ محمد عمر صاحب کو ملنے آیا حضور قبلۂ عالم خواجہ محمد کریم اللہ صاحبؒ موجود تھے۔ جب ان کے پاس آیا سارا واقعہ عرض کیا انہوں نے فرمایا ان کے وصال کو تو کئی سال ہو گئے ہیں اور یہ آپ کا مزار ہے۔ حاجی محمد نے حیران ہو کر کہا یہ آپ کیا بتا رہے ہیں میں تو ابھی حج پر ان کی بیعت کر کے آیا ہوں۔ آپؒ فرما رہے ہیں کہ کئی سال ہو گئے ہیں ان کے وصال کو۔

حضور خواجہ محمد کریم اللہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میں غلط نہیں کہہ رہا، آئیں آپ میرے ساتھ اندر روضہ پاک چلیں، اندر جا کر فرمایا آپؒ کے وصال کی تاریخ آپ خود پڑھ لیں۔ انہوں نے وصال کی تاریخ پڑھی تو رونے لگے کہ یہ کیا دیکھتا ہوں چنانچہ خواجہ کریم اللہ صاحبؒ نے فرمایا

کہ میں نے تو تمہیں پیش کر دیا ہے۔اب خواجہ صاحبؒ جانیں اور آپ جانیں اور خود باہر تشریف لے آئے۔ حاجی محمد صاحب خواجہ محمد عمر صاحبؒ کے پاس بیٹھے رہے اور روتے روتے ان کی آنکھ لگ گئی۔ خواجہ محمد عمر صاحبؒ نے خواب میں ان سے ملاقات کی اور گفتگو بھی فرمائی اس کے بعد یہ باہر نکلے، خواجہ کریم اللہ صاحبؒ فرمانے لگے بابا جی یہ تو بتائیں حضور خواجہ صاحبؒ نے آپ کو سبق کیا دیا تھا کہنے لگے:

صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍوَّ آلِهٖ وَسَلَّمْ

یہ درود پاک اور اللّٰہ کا ذکر دل سے پڑھنے کا بتایا تھا۔آپؒ نے فرمایا بات تو آپ کی ٹھیک ہے یہی وہ سبق ہے جو انہوںؒ نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔ معلوم ہوا یہ لوگ دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی مکے میں بھی جا کر رہتے ہیں اور مدینے شریف بھی جا کر رہتے ہیں اور مابعد موت بھی دنیا ان سے فیض حاصل کرتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ فوت ہو گئے ہیں لیکن حقیقت میں یہ ان کا گھر ہے اور یہ اس گھر میں رہیں یا باہر رہیں توجہ ان کی آنے والے پر ضرور ہوتی ہے۔فیض اس کو مل جاتا ہے۔ بے شک زندہ بندے کے پاس چار لوگ آکر بیٹھتے ہیں مردہ کے پاس بھی کبھی دیکھا ہے کوئی جا کے بیٹھتا۔

مابعد موت ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیئے ہوئے ہیں۔ دنیا میں بھی اور مابعد آخرت میں بھی لاتعداد اختیارات اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائے ہوئے ہیں۔ اب میں عرض کرنے لگا ہوں فخرِ اسخیاء حضرت سخی احمد یار صاحبؒ کی ذات مبارک اور غوث العصر حضور خواجہ محمد عمر صاحبؒ جا رہے تھے کہ راستے میں ایک گالڑ مردہ دیکھا۔ حضور سخی صاحبؒ آپ کے بڑے بھائی تھے اور پیرومرشد بھی تھے۔ عرض کی حضورؒ یہ گالڑ مردہ پڑا ہے پتا نہیں کس نے اس کو مار دیا ہے۔ حضور سخی صاحبؒ نے اس کو پاؤں سے ٹھوکر لگائی اور فرمایا او پلید تو یہاں کیوں پڑا ہے؟ وہ زندہ ہو کر چڑ چڑ کرتا درخت پر چڑھ گیا۔ اب حضور خواجہ محمد عبد اللہ صاحبؒ کا واقعہ عرض کر رہا ہوں کہ آپ حضورؒ میرے جدامجد ہیں۔ سیالکوٹ پل ایک پر ملک علم دین مرحوم کی دوکان پر آپ تشریف فرما تھے لیکن آپؒ کی محفل کا اصول تھا کہ آپؒ کی محفل کے اندر کوئی شخص اونچی آواز سے گفتگو نہیں کرتا تھا۔ اتنی آپؒ کی جلالیت تھی کوئی عالم ہو یا فاضل کسی کی اتنی جرأت نہیں ہوتی تھی کہ اونچی آواز میں گفتگو کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنا اختیار دیا تھا کہ جب کوئی شخص دل میں ابھی بات سوچتا ہی تھا تو آپ کو معلوم ہو جاتا تھا اور جواب فرما دیتے تھے کہ میاں تو یہ کام اس طرح کر لے یا اس طرح کر لے کیونکہ ارادے کے ہونے سے بھی آپ واقف ہو جاتے تھے اس لئے ہر شخص ڈرتا تھا۔ جانتا تھا

کہ آپ کا مقام کیا ہے۔ ایک مرتبہ حضور خواجہ صاحبؒ سیالکوٹ تشریف لے گئے تھے اور آپؒ کے پیر بھائی مستری رمضان دین فرمانے لگے اپنے پیر بھائیوں سے کہ دوستو! میری طرف بھی آیئے تو خواجہ صاحبؒ دوستوں کے ساتھ میانہ پورہ تشریف لے گئے میانہ پورہ لائن کے پاس ہی لاہوری شاہ مقیم تھے۔ آپ دوستوں کے ہمراہ لاہوری شاہؒ کے پاس گئے وہ مست وار تھا اور آپؒ جس وقت گئے تو وہ اپنی مستی میں بیٹھا ہوا تھا لوگ آتے اور اس کے گھٹنوں کو ہاتھ لگا کر واپس چلے جاتے۔ آپؒ کے آنے کی اس نے کوئی پروانہ کی۔ آپؒ نے گھٹنوں کو ہاتھ لگایا اور واپس آ گئے۔ جب آپ پیچھے ہٹے تو لاہوری شاہؒ کی فقیری چلی گئی لاہوری شاہؒ عام انسان بن گیا وہ اُٹھ بیٹھا۔ آپؒ رمضان صاحب کے گھر واپس آ جاتے ہیں۔ ڈیڑھ دو سو دوست بھی آپؒ کے ہمراہ تھے آپؒ چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ بڑا کمرہ تھا۔ لاہوری شاہؒ آ کر آپؒ کے پاؤں پڑ گیا۔ ہاتھ جوڑنے لگا، رونا شروع کر دیا۔ منت سماجت شروع کر دی۔ آپؒ نے پوچھا لاہوری شاہؒ ہوا کیا ہے؟ ہم نے تو تمہیں کچھ نہیں کہا۔ لاہوری شاہؒ کہنے لگے حضور! مجھ پر کرم فرما دیں۔ مجھے معافی دے دیں۔ مہربانی فرمائیں آپؒ فرمانے لگے دنیا تمہاری عزت کرتی ہے اور تمہارے گھٹنوں کو ہاتھ لگاتی تھی ہم نے بھی تمہاری عزت ہی کی تھی تمہارے گھٹنوں کو ہاتھ لگایا کہنے لگا حضور! مجھ پر کرم فرمایئے کچھ دیر اسی طرح منتیں کرتا رہا پوری محفل کے دوست لاہوری شاہؒ کے مقام سے واقف تھے ساری محفل نے حضورؒ کے آگے اسکی سفارش کی اور منت کی آپؒ نے ان تمام دوستوں کی سفارش کو قبول فرمایا جلالیت میں آ گئے اور فرمایا:

''میرے باپ نے تمہیں ہندوستان کی چپڑ اس عطا فرمائی تھی اور تم اس چپڑ اس میں اتنے مغرور ہو گئے اتنے غافل ہو گئے تمہیں اتنا پتا بھی نہیں چلا کہ شہنشاہِ ہندوستان تمہارے پاس آ رہا ہے کہ تو نے اس کی تعظیم کرنی تھی جاؤ میرے باپ کا دیا ہے میں نہیں چھینتا تم سے لیکن آئندہ ایسی غلطی نہ ہو۔

حضور خواجہ محمد عبداللہ صاحبؒ نے اس وقت لاہوری شاہؒ کے لئے فرمایا کہ میرے باپ نے ہندوستان کی چپڑ اس اس کو عطا فرمائی تھی اس کو ہندوستان کا چپڑ اسی فرمایا اور اپنے لئے شہنشاہِ ہندوستان کا لقب فرمایا آپ شہنشاہِ اولیا ہیں۔ حضور خواجہ محمد عبداللہ صاحبؒ کا واقعہ بیان کرتا ہوں کہ آپ علم دین کی دکان پر بیٹھے تھے کہ دو عالم آ گئے انہوں نے مسئلہ دریافت کیا کہ کیا اولیاء مردے زندہ کر سکتے ہیں آپؒ نے فرمایا ہاں بھئی مُردوں کو زندہ کر سکتے ہیں حضورؒ نے حضور غوث پاک کا واقعہ سنایا اور شمس الدین نظامی کا واقعہ سنایا اور ولیوں کے واقعات سنا کر فرمایا بھئی ولی ایسا کر ہی

لیتے ہیں۔ انہوں نے کہا حضور کیا آپ بھی ایسا کر سکتے ہیں۔ آپؒ پہلے تو خاموش رہے پھر فرمانے لگے ہاں بھئی میں بھی ایسا کر لیتا ہوں کیونکہ شریعت کی حد ٹوٹتی تھی اس لئے خاموشی اختیار فرمائی ان عالموں نے کہا حضورؒ کر سکتے ہیں تو ہمیں مُردہ زندہ کر کے دکھائیں۔ سامنے سے اک دوست آ رہا تھا۔ آپؒ کی چار پائی والا حصہ ہمیشہ خالی رہتا تھا جو دوست آپ کے پاس آتا وہ سیدھا آپؒ کے پاس آتا، درمیان سے راستہ خالی ہوتا تھا اطراف میں صفیں ہوتی تھی۔ آپؒ نے آنکھیں کھول کر اس دوست کی طرف توجہ فرمائی، وہ دھڑام سے ادھر ہی گر گیا اور تڑپ کر جان دے دی، لوگ گھبرا گئے۔ آپؒ نے فرمایا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے یہاں پر کوئی حکیم، عقل مند شخص ہے جو اس کی نبض دیکھے، پانچ، چھ، اشخاص نے ۱۵، ۲۰ منٹ ان کو چیک کیا اچھی طرح سے دائیں بائیں نبض، دل کی دھڑکن، دماغ، ہاتھ، پاؤں سب کچھ چیک کیا۔ نہ نبض تھی نہ حرکت، لوگ کہنے لگے حضورؒ اب تو یہ ٹھنڈا ہو گیا ہے یہ تو فوت ہو گیا ہے۔ اب مسئلہ مردہ کو زندہ کرنے کا تھا آپؒ نے اس کو حکم دیا ''اٹھ جا'' پنجابی میں اٹھ جا اور عربی میں ''قُم'' کہتے ہیں۔ وہ شخص کلمہ پڑھتا ہوا اٹھ گیا کہنے لگا حضورؒ مجھے واپس نہیں بلانا تھا مجھے آواز کیوں دی ہے۔ سرکارؒ نے پوچھا کیا بات ہے؟ کہنے لگا میں تو جنت میں پہنچ گیا تھا کہ حضورؒ نے واپس بلا لیا۔ آپؒ نے فرمایا میاں میں تو مسئلہ سمجھا رہا تھا ابھی تمہارا وقت نہیں آیا۔ رب تعالیٰ نے تمہیں اب جنت دی ہے تو پھر بھی مل جائے گی۔ آپؒ نے فرمایا دوستو! یہ نہ سمجھنا کہ ولی مردے کو زندہ کر سکتا ہے بلکہ وہ زندہ کو مردہ اور مردہ کو زندہ بھی کر سکتا ہے دونوں کام کر سکتا ہے۔ ایک اور واقعہ آپؒ (سلطان العصر حضرت خواجہ محمد عبداللہؒ) کا سُنا دیتا ہوں میاں محمد دین صاحب کا ایک ٹال تھا اڈہ، پسروریاں کے ساتھ جہاں اب بچوں کا سکول ہے کبھی وہ ٹال ہوتا تھا وہ جب فارغ ہوتے تو وہاں پر کام کیا کرتے تھے۔ ان کا ایک مستری ہوتا تھا جس کا نام اللہ بخش تھا میں نے اپنے بچپن میں اسے دیکھا تھا وہ حضور کا خادم ہے ایک دن آپؒ وہاں تشریف لے گئے اور اس مقام پر قیام کیا۔ اللہ بخش آپؒ کے پاس بیٹھ گیا وہ بڑا پیار والا شخص تھا آہستہ آہستہ اس نے آپؒ کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنا شروع کر دیں اور مسئلہ مسائل پوچھنے لگا اس نے آپؒ سے پوچھا حضورؒ یہ جو فنا ہے کیا ہوتی ہے موت کیا ہوتی ہے۔ آپؒ نے فرمایا موت یہی ہوتی ہے کہ دنیا سے قطع تعلق ہو گیا تو موت ہو گئی جس کو حدیث پاک میں فرمایا:

مُوتُوا قَبلَ اَنتَ مُوتُوا

(مرنے سے پہلے مر جاؤ)

خواجہ صاحبؒ نے فرمایا موت دو قسم کی ہوتی ہے ایک موت بالقضاء ایک موت بالرضا۔

موت بالقضاء کُلُّ نَفسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے اس سے کوئی بندہ نہیں بچ سکتا۔ یہ موت قضا سے آتی ہے لیکن موت بالرضا اللہ کے ولی اللہ کے نیک بندے مرتے ہیں۔ موت بالقضاء خدا کی رضا کے ماتحت ہوتی ہے جو رضا کے ماتحت قضا ہوتی ہے۔ جو قضا کی موت سے مرے وہ رضا کی موت پر غالب نہیں آسکتا اور جو رضا کی موت مرتے ہیں اس کو یہ موت نہیں مارسکتی وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ جو رب کی مرضی کے مطابق نہیں مرتے ان پر یہ موت غالب آجاتی ہے۔

وہ مفصل یہ طریق پوچھنے لگا۔ آپؒ نے فرمایا! چلو بھائی جب وقت آئے گا تو تمہیں سمجھا دیں گے۔ ابھی تو اس قابل نہیں، ابھی چُپ کر کے رب رب کرتے جاؤ۔ وہ باز نہ آیا پھر آپ کھانا کھانے کے لئے تشریف لے گئے جب آپ کھانا کھا کر واپس تشریف لائے تو جو دوست آپؒ کے ہمراہ تھے ان کا کھانا وہیں آ گیا۔ آپؒ نے فرمایا سارے بیٹھ جاؤ اللہ بخش مستری اندر آپؒ کے پاس تھا اس نے حضور خواجہ صاحبؒ کے بازوؤں کو زور سے پکڑ لیا اور آپؒ کے ساتھ چمٹا رہا۔ اصرار کرتا رہا پھر آپؒ لیٹ گئے وہ بھی آپؒ کے ساتھ لیٹ گیا۔ آپ خواجہ صاحبؒ اپنے آپ کو فنا کے مقام پر لے گئے اور اللہ بخش مستری کی طرف توجہ کی اور وہ بھی فنا ہو گیا۔ جس وقت وہ مر گیا اور ہاتھ چھوٹ گئے اور آپؒ اٹھ کر باہر تشریف لے گئے وہ وہیں مرا پڑا رہا۔ باقی دوستوں نے کھانا کھایا آپؒ نے فرمایا اللہ بخش تم کس مصیبت میں پڑ گئے ہو۔ آرام سے کھانا کھاتے اور ربّ ربّ کرتے۔ اب جو مرے ہوئے ہو۔ آخر آپؒ کے دل میں رحم آ گیا فرمانے لگے اللہ بخش تُو ہمارا یار تھا لیکن کس طرف چل پڑا؟ دوست اندر گئے اس کو ہلاتے جلاتے رہے لیکن وہ نہ اُٹھا۔ لوگوں نے آپؒ سے عرض کی سرکار وہ تو بالکل ہی مر گیا ہے۔ فرمایا اچھا بھئی اس نے ایسے کسی کی آواز نہیں سُننی ۔ آپؒ خود اندر تشریف لے گئے وہ بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ آپؒ نے اس کو گلے سے لگا لیا۔ پھر آپؒ فنا کے مقام پر چلے گئے فنا کے مقام کے بعد پھر آپؒ نے زندگی کی طرف عود کیا وہ بھی زندہ ہو گیا اور آپؒ بھی فرمانے لگے۔ لو بھائی ہم تو کہتے تھے تم ہمارے دوست ہو چند دن ہمارے ساتھ رہو۔

میں نے خود اس (اللہ بخشؒ) کو اپنی زندگی میں دیکھا ہے حالانکہ حضور (سلطان العصر حضرت خواجہ محمد عبداللہؒ) کا وصال میرے پیدا ہونے سے پہلے ہو چکا تھا۔ مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ یہ لوگ عطائے الٰہی سے مردوں کو زندہ کرنے والے ہیں ان کے اختیارات وہ ہوتے ہیں جو عام انسانوں کے اختیارات سے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ ہماری آنکھ دیوار سے پار نہیں دیکھ سکتی۔ لیکن حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ساریہ کو محاذ پر بھیجا۔ ادھر محاذ پر حضرت

ساریہؓ نے پہاڑ کے اوپر چڑھ کر دیکھا آپ کو دشمن نظر نہیں آیا پہاڑ سے نیچے اترے تو دشمن پیچھے سے نکل آیا۔ دشمن حملہ کرنے ہی والا تھا۔ جمعہ کا دن تھا۔ خطبہ کا وقت ہے حضرت عمر فاروقؓ مدینہ پاک کے اندر مسجد نبوی کے اندر خطبہ دے رہے تھے۔ خطبہ دیتے ہوئے توجہ نہاوند کے محاذ پر پہنچ جاتی ہے۔ نہاوند مدینہ پاک سے ساڑھے تین سو میل کے فاصلے پر ہے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت ساریہؓ کی فوج پہاڑ سے آگے نکل جاتی ہے اور دشمن ان پر پیچھے سے حملہ کرنے لگا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے مدینہ پاک سے خطبہ دیتے آواز دی:

یا ساریه اِلیَ الجبَل

(اے ساریہ! پہاڑ کی طرف ہو)

صحابہ اکرامؓ نے پوچھا کہ یا امیر المومنین یہ ساریہ کون ہیں جن کا خطبہ میں نام لیا جا رہا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا میں اس کا جواب اپنی زبان سے نہیں دینا چاہتا۔ تم لوگوں کو خود ہی پتہ چل جائے گا کہ کیا ہو رہا تھا اور کیا ہو رہا ہے حالانکہ خدا اور رسولؐ کا نام لیتے لیتے خطبہ پڑھتے پڑھتے آواز دینے لگتے ہیں۔ "یا ساریہ الی الجبل" اے ساریہؓ پہاڑ کی طرف ہو۔ حضرت عمر فاروقؓ کی آواز اور نظر ساڑھے تین سو میل دور نہاوند کے مقام پر پہنچ رہی ہے جس وقت آواز جاتی ہے ساریہ پلٹتے ہیں اور مجاہدوں کو لے کر پہاڑ کی جانب بڑھتے ہیں اور بالآخر دشمن کو شکست دے کر مدینہ میں داخل ہوتے ہیں اور اصحاب کو یہ واقعہ خود سناتے ہیں جب حضرت عمر فاروقؓ کے کشف کا یہ عالم تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان تو وہم و قیاس سے بھی بالا ہے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

سیرِ انفس و آفاق

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ اَنِیْسِ الْغَرِیْبِیْنَ رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی اَحْمَدَ نِ الْمُجْتَبٰی نُوْرٌ مِّنْ نُوْرِ اللّٰهِ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالتَّحِیَّاتُ وَالثَّنَآءُ عَلٰی جَمِیْعِ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی كُلِّ مَلٰٓئِكَتِهِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعَلٰی كُلِّ عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ وَ فِی الْقُرْآنِ الْعَظِیْمِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ **وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ وَفِیْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ** اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا — عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ
مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْكَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ — وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عَرَبٍ وَمِنْ عَجَمِ
هُوَالْحَبِیْبُ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتُهٗ — لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَ حْوَالِ مُقْتَحِمِ
یَااَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِیْ مَنْ اَلُوْذُبِهٖ — سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْاَمَمِ

دوستو بھائیو! آپ کے سامنے قرآنِ پاک میں سے دوستوں کے کہنے کے مطابق آیت کریمہ تلاوت کی۔

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ (الذریات، آیت۲۰)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ زمین میں صاحبِ یقین لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ وَفِیْ اَنْفُسِكُمْ اور تمہاری جانوں کے اندر اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ کیا تم نہیں دیکھتے؟

پہلی چیز یہ ہے کہ اس آیت کریم میں ہر انسان کو مخاطب نہیں کیا گیا بلکہ ''موقنین'' کا لفظ فرمایا ہے۔ یہ صاحب یقین لوگوں کے لئے ہے عام لوگوں کے لئے جو صاحبِ یقین نہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد ان سے نہیں فرمایا۔ یقین کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) علم الیقین (۲) عین الیقین (۳) حق الیقین

(۱) **علم الیقین**: ایسے یقین کو کہا جاتا ہے جو پڑھ پڑھا کر یا سُن سُنا کر علمی رنگ میں اس پر یقین کرے۔

(۲) **عین الیقین**: وہ یقین ہے جس طرح علمی رنگ میں اس کا یقین ہے اسی طرح اپنی آنکھوں سے دیکھ لے اور اس پر یقین کرے۔

(۳) **حق الیقین**: یقین کے اس مرتبے کو کہا جاتا ہے کہ آنکھوں سے دیکھنے کے بعد اس چیز کو اپنا لے اور اس پر یقینِ کامل کا نمونہ بن جائے جس طرح علم کے ذریعے علمی رنگ کے اندر انسان کو یقین ہوتا ہے۔ جہاں آگ لگتی ہے وہاں سے دھواں بھی نکلتا ہے اس پر یقین کیا ہے علمی رنگ میں واقعی بھئی جہاں آگ جل رہی ہوگی وہاں سے دھواں ضرور نکلے گا اور دیکھا کبھی نہ ہو، نہ آگ لگتی دیکھی ہو نہ دھواں نکلتا دیکھا ہو بس اس بات پر یقین کر کے بیٹھ گیا ہو اس کو عین الیقین کہتے ہیں۔

اب اس نے اپنی آنکھوں سے دھواں نکلتا دیکھا اور جب دھواں نکلتا ہوا آنکھوں سے دیکھ لیا تو اس کا یقین پختہ ہو گیا۔ کہیں آگ لگی ہے یہ حق الیقین ہے۔

پھر وہ وہاں پہنچ جاتا ہے جہاں آگ لگی ہے اور آنکھوں سے یہ منظر دیکھ لیتا ہے کہ آگ لگی ہوئی ہے اس کو عین الیقین کہا جاتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے جس طرح یقین کی ۳ قسمیں فرمائی ہیں اس طرح خدا اور مخلوق کی صورتیں فرمائی ہیں مراتب فرمائے ہیں۔ خداوندِ کریم ہر چیز کا خالق ہے اور تمام اٹھارہ ہزار عالم جس میں ایک عالم یہ ہے جو ہمیں نظر آتا ہے۔ اس کو عالمِ ناسوت کہا جاتا ہے جس کا تعلق حواس خمسہ سے ہے اس کو عالمِ دنیا بھی کہا جاتا ہے۔ عالمِ فانی بھی کہا جاتا ہے، عالمِ اسباب بھی کہا جاتا ہے عالمِ نابود بھی کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سواء ہر شے چاہے وہ کسی مخلوق کے ساتھ تعلق رکھتی ہو وہ خدا سے تعلق نہیں رکھتی وہ غیر اللہ ہے۔ یہ درخت درخت ہے، انسان انسان ہے، حیوان حیوان ہے، فرشتہ فرشتہ ہے، سورج سورج ہے، اس طرح کائنات کی ہر شے اپنے اندر ایک مقام رکھتی ہے لیکن وہ مقام جو مخلوق

کو عطا کیا گیا ہے اس کا بظاہر اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق کوئی واسطہ معلوم نہیں ہوتا لہٰذا اللہ کے سوا ہر چیز غیر اللہ کہلائے گی اور جو چیز غیر اللہ ہے اس میں سے اللہ تعالیٰ کا سمجھنا، دیکھنا اللہ کے متعلق حقائق حاصل کرنا اسرار و رموز حاصل کرنا ناممکن ہے۔

یہ درخت جو ہے اس کے فوائد بظاہر جو ہماری نظر میں ہیں وہ یہ ہیں کہ ہم اسکی چھاؤں میں بیٹھتے ہیں اس کا پھل کھا سکتے ہیں اس کو ذاتی استعمال میں لا سکتے ہیں اس کا ایندھن بنا سکتے ہیں اور لکڑی کی صنعت یعنی فرنیچر وغیرہ یا اور چیزیں بنا سکتے ہیں اس کو جلا کر کوئلہ بھی حاصل کیا جا سکتا ہے اور اس کا کوئی فائدہ یا اس میں سے کوئی شے نظر نہیں آتی سوائے مذکورہ مفاد کے۔ اگر اس درخت کو ہم وہ مقام دیں جو مقام صاحبِ یقین کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوقِنِیْنَ وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (الذریات، آیت ۲۰، ۲۱)

زمین میں صاحبِ یقین لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں اور تمہاری جانوں میں بھی نشانیاں ہیں۔

اس سے پہلے کہ میں آپ کو اس درخت کو اللہ کی نشانی بنا کر بتاؤں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہاں ''آیت'' کا لفظ آیا ہے۔ حامل دو چیزیں ہیں۔ فِی الْاَرْضِ اور اَنْفُسِکُمْ۔

زمین میں اور تمہاری جانوں میں کیا ہیں ''اٰیٰتٌ'' نشانیاں ہیں اگر زمین میں اور ہماری جانوں میں نشانیاں علیحدہ علیحدہ ہوتیں تو اللہ تعالیٰ زمین کے لئے ''اٰیٰتٌ'' کا لفظ علیحدہ استعمال کرتا اور جانوں کے لئے ''اٰیٰتٌ'' کا لفظ علیحدہ استعمال کرتا لیکن اللہ نے اس آیت پاک کے اندر ''اٰیٰتٌ'' کا ایک ہی لفظ استعمال کیا ہے اور حامل دو چیزیں ہیں (۱) زمین میں (۲) اور تمہاری جانوں میں۔ یعنی زمین میں بھی نشانیاں ہیں اور تمہاری جانوں کے اندر بھی نشانیاں ہیں۔ معلوم ہوا کہ زمین کے اندر جو کچھ ہے وہی کچھ انسان کی جان کے اندر موجود ہے۔ ہماری سرکارِ عالیہ قطب زمانہ حضرت خواجہ محمد کریم اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف کلام عاشق (گنجِ عرفان) میں فرماتے ہیں۔

ر۔ روئے ریا دی گل ناہیں ایہہ عجیب طلسم انسان ہے دے

ایہدے وچ نے دو جہان یارو شکل ایس دی وچ جہان ہے وے

فرماتے ہیں انسان اس طرح کی جامع چیز ہے کہ اس میں دونوں جہان موجود ہیں اور اسکی شکل و صورت دو جہانوں کے اندر پھیلی ہوئی ہے۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ نے اس وقت پیدا فرمایا جبکہ اللہ تعالیٰ اٹھارہ ہزار عالم پیدا کر چکا تھا۔ عرش، کرسی، لوح و قلم، جنت دوزخ، عالمِ

ناسوت، عالمِ ملکوت، عالمِ جبروت، عالمِ لاہوت ہر قسم کا عالم خدا پیدا کر چکا تھا۔ فرشتے بن چکے تھے۔ حوریں بن چکی تھیں، غلمان بن چکے تھے، نباتات، جمادات، حیوانات، سب پیدا ہو چکے تھے۔ زمین و آسمان موجود تھے۔ سورج، چاند موجود تھے۔ کائنات کی ہر شے ذرہ ذرہ موجود تھا۔ اور اس کے بعد آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا گیا۔ حقیقت میں آدمؑ کے اندر پوری کائنات کا عطران کے اندر پیدا کر دیا اور اس وجود کے لئے ہر چیز پیدا کی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس زمین کے اندر جو کچھ بھی ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ (الحج، آیت ۶۵)

(اور زمین کے اندر ہر چیز ہم نے تمہارے لئے مسخر کر دی)

اب انسان کا اور ہاتھی کا کیا مقابلہ؟ ایک چھوٹی سی حکایت یاد آ گئی کہ ہاتھی نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی یا اللہ تو نے مجھے بہت طاقت بخشی ہے بہت جسیم بنایا ہے اور ایک چھوٹا سا بندہ میرے اوپر سوار کر دیتے ہو۔ اس کے ہاتھ میں سُوا ہوتا ہے اور میرے دماغ میں مارتا ہے کہ میری چیخیں نکل جاتی ہیں۔ وہ بالکل میرا لحاظ نہیں کرتا اور کبھی مولا تیرا حکم نہ ہوتا تو میں انسان سے کبھی مار نہ کھاتا، میں تو تیرے حکم کا بندھا ہوا اس سے مار کھاتا ہوں اور اگر کبھی تم نے مجھے انسان کا غلام نہ بنایا ہوتا تو میں اس کو سونڈھ کے ساتھ پکڑ کر فرلانگ کے فاصلے پر پھینک سکتا ہوں میں انسان کو اپنے پاؤں کے نیچے دے کر اپنی سونڈھ سے چیر کر دو ٹکڑے کر سکتا ہوں میں اسکی ہر چیز ختم کر سکتا ہوں لیکن میں تمارے حکم کا بندھا ہوا انسان سے سُوئے کھاتا ہوں اور چیختا ہوں اور آگے سے ہائے ہائے کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ہاتھی بات یہ ہے کہ میرے بندے ظالم تو نہیں۔ ہاتھی کہنے لگا مولیٰ بندہ بڑا ظالم ہے مجھ پر اتنا ظلم کرتا ہے کہ میری چیخیں نکل جاتی ہیں آخر اس نے کہا یا اللہ تو ٹھیک کہتا ہو گا لیکن تیرا بندہ مجھ پر بہت ظلم کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے پانچ اوقات میں میری عبادت کرتے ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں۔ سجدے کرتے ہیں دعائیں کرتے ہیں میرے آگے روتے ہیں۔ اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں رکوع کرتے ہیں آرزو کرتے ہیں۔ دعائیں کرتے ہیں۔ یہ روز میرے پاس آتے ہیں۔ یہ بڑی اچھی مخلوق ہے اور مر کر بھی میرے پاس آتے ہیں اور ہمیشہ کے لئے میرے دربار میں آ جاتے ہیں۔

ہاتھی کہنے لگا! تیرے پاس تو بندے مر کر آتے ہیں لیکن میرے اوپر مرا ہوا نہیں زندہ بندہ

بیٹھا ہوتا ہے اور اے اللہ اگر تمہیں بھی کوئی زندہ بندہ ٹکر جائے، زندہ سے تمہارا واسطہ پڑے تو تمہیں بھی مزہ چکھا دے۔ مقصد یہ ہے کہ ہاتھی اتنا زور آور جانور ہے لیکن انسان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ شیر ہے، چیتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر چیز انسان کے لئے مطیع بنا دی ہے اس کی غلام بنا دی ہے یہ صرف انسان کی فضیلت کا باعث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''اے انسان میں نے کائنات کی ہر چیز تمہارے لئے پیدا کی ہے لیکن تمہیں اپنے لئے پیدا کیا ہے۔ فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذریٰت، آیت ۵۶)

(اور نہیں پیدا کیا گیا جن اور انسان کو لیکن صرف اس لئے کہ میری عبادت کریں)

فرمایا اے میرے بندے! اگر تو میرا بن جائے تو ساری کائنات تمہاری بن جائے گی کیونکہ میں نے تمہیں اپنے واسطے پیدا کیا ہے۔ کائنات تمہارے لئے پیدا کی ہے تو میرا بن جاتا کہ کائنات تیری بن جائے۔ لیکن اگر اے انسان! تو میرا نہیں بنتا تو کائنات تیری نہیں بنے گی۔

انسان کے اندر یہ دونوں جہان سمو کر رکھ دیئے گئے ہیں اور اس انسان کی صورت سارے جہان میں ظاہر کر دی گئی ہے اور اب میں اس پر تھوڑی گفتگو کرتا ہوں۔

یہ زمین پانی کے اوپر قائم کی گئی اور انسان کا وجود بھی اللہ نے پانی سے قائم کیا جسے خون کہتے ہیں پانی زمین کو سیراب کرتا ہے۔ دریا، نہریں، سوئے، نالے یہ سارا پانی زمین کو سیراب کرتا ہے تو زمین کے اندر سے نباتات پیدا ہوتی ہیں۔ تمہاری فصلیں پیدا ہوتی ہیں۔ تمہارے درخت پیدا ہوتے ہیں۔ انسان کے جسم کے اندر، رگ، ریشہ، اور وریدیں پیدا کی گئی ہیں اور جسم اس پانی اور خون سے سیراب ہو رہا ہے اور اسکی وجہ سے تمہارے وجود میں نباتات پیدا ہوتی ہیں نباتات کونسی؟ ''بال'' یعنی تمہارے وجود کے اوپر بال پیدا ہوتے ہیں یہ تمہاری نباتات ہے، یہ تمہاری فصل ہے۔ جو خون کی گردش سے پیدا ہوتی ہے اور جہاں خون کی گردش رک جائے وہاں بال گر جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کلامِ پاک میں فرمایا:

''ہم نے اس زمین میں پہاڑ نصب کئے ہیں اور اس زمین کو قیام دیا ہے۔'' جس طرح پہاڑ کیل کی طرح زمین میں ٹھونکے گئے ہیں نصب ہو گئے ہیں اس طرح ہمارے وجود کے اندر ہڈی پیدا کر دی ہے ہمارے وجود کے قیام کیلئے اور دوسری بات یہ ہے کہ فرشتہ کے اندر اللہ تعالیٰ نے عقلِ معرفت پیدا کی ہے، خواہشِ نفس پیدا نہیں کی۔

انسان کو دونوں چیزوں کا جامع کر دیا۔ اگر فرشتے کو عقل، معرفت، جو انسان کو عطا کی گئی

ہے، اس کے ساتھ خواہشِ نفس بھی عطا کی جاتی تو فرشتے بھی گنہگار ہو سکتے تھے۔ فرشتے معصوم ہیں بے گناہ ہیں کیونکہ ان کو خواہشِ نفس نہیں دی گئی۔

قرآن پاک میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت کا ذکر ہے کہ دونوں فرشتوں ہاروت و ماروت نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یا اللہ آپ ہر وقت ہماری مجلسوں میں اپنے بندوں کا ذکر کرتے ہیں۔ اپنے بندوں کی عظمت بیان کرتے ہیں یا اللہ ہمیں کبھی دنیا میں بندہ بنا کر بھیجیں تو ہم آپ کو بتائیں گے کہ عبادت کس طرح کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم بھی اپنا شوق پورا کر لو اور ان دونوں کو انسانی شکل دے کر زمین پر بھیجا اور جس وقت زمین پر اترے تو ایسی جگہ پر اترے جہاں ایک زہرہ نامی عورت ناچ رہی تھی اور بھی لوگ وہاں پر موجود تھے کچھ اس کا گانا اور ناچ دیکھ رہے تھے اور کچھ گزر رہے تھے یہ دونوں فرشتے اس زہرہ نامی عورت کو دیکھ کر اس پر عاشق ہو گئے اور اتنے مبہوت ہو گئے کہ وہ گانے اور ناچ کے بعد وہاں سے چلی گئی باقی دنیا بھی چلی گئی لیکن یہ دونوں وہیں کھڑے رہے ان کو اپنے تن بدن کا ہوش نہ رہا۔ اے فرشتو! تم تو دنیا میں عبادت کرنے گئے تھے اور میرے بندوں میں سے کچھ ایسے تھے جنہوں نے اسکی طرف دیکھا بھی نہیں اور کئی وہ جو پاس سے گزر گئے تھے اور کئی وہ جو اس کے ناچ گانے کے لئے کھڑے ہوئے اور وہ بھی واپس جا کر میری عبادت کر رہے ہیں اور تمہیں تو اپنا ہوش ہی نہیں رہا۔ تم تو اس عورت کے خیال میں اسی کی محبت میں مبہوت ہو گئے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو القا فرمایا اور ان کو ہوش آ گیا اور انہوں نے سوچا کہ ہم تو کسی کام کے لئے آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے عرض کرنے لگے یا اللہ ہمیں واپس لے جا، ہم تیرے بندوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں میں نے جس وجود کے ساتھ تمہیں بھیجا تھا وہ وجود ناپاک ہو گیا ہے، ناپاک وجود میرے دربار میں نہیں آ سکتا اس لئے تمہیں اپنے کئے کی سزا بھگتنا پڑے گی۔ اللہ تعالیٰ نے بابل شہر میں ایک کنواں جو کہ بابل کے نام سے مشہور تھا اس کنوئیں میں انسانی شکل میں ان کو لٹکا دیا، اسی لباس میں عذاب کے اندر گرفتار کر دیا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر اللہ فرشتوں کو خواہشِ نفس دے دیتا تو وہ بھی گنہگار ہو سکتے تھے۔ دوسری طرف حیوان کو لیں، حیوانوں کو خواہشِ نفس دی گئی ہے عقلِ معرفت نہیں دی گئی۔ خواہشِ نفس کے ساتھ عقلِ معرفت نہ دی گئی ہو تو اس کا مواخذہ نہیں ہے۔ اگر ایک جانور آپ کو ٹکر مار دے تو قیامت کے دن آپ اس سے بدلہ نہیں لے سکتے اور اللہ تعالیٰ بھی اس کو نہیں پوچھے گا کیونکہ ان کو عقلِ معرفت نہیں دی گئی جس طرح ایک چھوٹا سا معصوم بچہ جس کا آپ پیار سے منہ

چوم رہے ہیں اور وہ آپ کو تھپڑ مارتا ہے۔ آپ جواب میں اس کے منہ کو چومتے جاتے ہیں۔ اس کو تھپڑ نہیں لگاتے کیونکہ بچہ معصوم ہے عقل نہیں رکھتا اس کے برعکس اگر ایک بڑا بچہ جو کہ عقل رکھتا ہے اپنے باپ کو تھپڑ لگاتا ہے تو وہ سزا کا حق دار ہے۔ باپ اس کو معاف نہیں کرے گا کیونکہ وہ بچہ صاحبِ عقل ہے۔

حیوانوں کو عقلِ معرفت نہیں دی گئی۔ لہٰذا ان کے کسی فعل پر سزا جزا نہیں۔ اگر ان کو عقلِ معرفت دی جاتی تو وہ بھی خواہشِ نفس سے پرہیز کرتے اور خدا کی طرف رجوع کرتے چونکہ ان کو عقلِ معرفت نہیں دی گئی لہٰذا ان پر مواخذہ بھی نہیں۔ انسان کو عقلِ معرفت اور خواہش نفس دونوں کا جامع بنایا گیا ہے۔ جو انسان اپنی عقلِ معرفت کو چھوڑ دے۔ پہچاننے والی عقل چھوڑ دے اور خواہشاتِ نفس کا غلام بن جائے تو وہ جانوروں سے بھی بدتر ہے، فرمایا قرآن پاک میں:

أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (الاعراف، آیت ۱۷۹)

(ایسے لوگ جانوروں کی مثل ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں)

کیونکہ جس حیوان کو مالک چار دن چارا ڈالے وہ جانور مالک کو دور سے دیکھ کر (اڑنگنا) بلبلانا یا بولنا شروع کر دیتا ہے اس کو پہچان جاتا ہے۔ تو جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے ہر نعمت عطا کی ہے کائنات کی ہر چیز اس کے لئے مطیع کر دی ہے، اس کے واسطے پیدا کی ہے، ہر چیز اس کو دی ہے، اس کے باوجود انسان اپنے مالک کو نہیں پہچانتا۔ اسکی عبادت نہیں کرتا۔ اس کا حکم نہیں مانتا۔ اپنے رب کو یاد نہیں کرتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حیوان سے بھی بدتر ہے۔ جو بندہ اپنی خواہشِ نفس کی قربانی کرلے اور عقلِ معرفت کی طرف رجوع کرلے وہ فرشتوں سے افضل ہے۔

ہر بندہ جو آدمؑ کی اولاد کہلاتا ہے وہ اشرف المخلوق نہیں ہے۔ اشرف المخلوق وہی انسان کہلاتا ہے جو خواہشاتِ نفس سے پرہیز کرے اور اللہ کے حکم کے مطابق اس کی پہچان کرے۔ ہر چیز کا مقام پہچانے، ماں باپ ہیں تو ان کے مقام کی پہچان کرے۔ بیوی ہے تو اس کے مقام کی پہچان کرے۔ بیٹی ہے تو اس کے مقام کی پہچان کرے اور اپنے خدا کی پہچان کرے اور اپنی پہچان کرے اور جس بندے کو اپنی پہچان نہیں ہے وہ خدا کی پہچان کیا کر سکتا ہے؟ اس لئے فرمایا:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ

جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا تحقیق اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

حضور داتا صاحبؒ کشف المحجوب میں اس کے بارے میں بیان فرماتے ہیں۔ اس کے معنی یہ نہ سمجھو بلکہ حقیقت میں اس کے معنی یہ ہیں:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ بِالْفَنَآءِ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ بِالْبَقَآء
(جس نے اپنے نفس کو فنا کے ساتھ پہچان لیا تحقیق اس نے اپنے رب کو بقا کے ساتھ پہچان لیا)

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ بِالذِّلِّ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ بِالْعِزِّ
(جس نے اپنے نفس کو ذلت کے ساتھ پہچانا تحقیق اس نے اپنے رب کو عزت کے ساتھ پہچان لیا)

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ بِالْعُبُوْدِيَّةِ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ بِالرَّبُوْبِيَّةِ
(جس نے اپنے آپ کو عبودیّت کے رنگ میں پہچانا تحقیق اس نے اپنے رب کو ربوبیّت کے ساتھ پہچانا)

اگر تم اس (رب العزت) کے غلام ہی نہیں بنے وہ تمہارا آقا کیسے بن سکتا ہے؟ اگر تو اس کا عبد نہیں بنا عبادت کنندہ نہیں بنا۔ وہ تیرا آقا وہ تیرا معبود کیسے بن سکتا ہے؟ اگر تم اپنے آپ کو حقیر نہیں سمجھتے تو اس اللہ کی عزت کیسے کر سکتے ہو؟

معلوم ہوا جو بندہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہو وہ دوسرے کو ذلیل سمجھتا ہے، وہ دوسرے کی عزت نہیں کر سکتا اور جو اپنی طرح کا سمجھے وہ بھی عزت نہیں کر سکتا۔ عزت وہ کر سکتا ہے جو اپنے آپ کو چھوٹا سمجھے، اپنے آپ کو حقیر سمجھے، اپنے آپ کو ذلیل سمجھے، اپنے آپ کو غلامی میں سمجھے پھر وہ دوسرے کو مالک سمجھتا ہے، آقا سمجھتا ہے مولا سمجھتا ہے اور دوسرے کی عزت کر سکتا ہے۔ اس واسطے اہلحدیث فرقہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی مثل بشر سمجھتا ہے اپنی طرح کا بندہ سمجھتا ہے اس کا مطلب ہے اس کی نظر میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت کوئی نہیں (نعوذ باللہ) عزت تو تب ہو جب وہ ان (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو آقا و مولا سمجھیں۔ اپنے آپ کو ان کے (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قدموں کی خاک سمجھیں گویا پھر وہ ان کی عزت کرتے ہیں اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی مثل سمجھیں اگر وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی طرح کا سمجھیں تو پھر وہ عزت کا باعث نہیں ہیں۔ اس واسطے ہمارے نزدیک وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب نہیں کرتے کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مثل بشر سمجھتے ہیں لہٰذا اگر کسی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی خاک سمجھے، ان کو اپنا آقا و مولا سمجھے تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب ملحوظ رہ سکتا ہے قرآن پاک میں فرمایا:

لَاتَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضاً (النور، آیت ۶۳)

(اے مسلمانو!) تم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کو بلانے کی مثل نہ قرار دو)

جب رسول کو بلانا تمہارے باہمی بلانے کی مثل نہیں تو خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی تمہارے مثل کیسے ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے لوگو! تم میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارو مگر پکارنے کا طریقہ یہ نہ اپناؤ جس طرح تم میں سے بعض بعض کو پکارتے ہیں، کسی کو بھائی کہتے ہو، کسی کو اپنی طرح کا کہتے ہو، کسی کو چاچا کہتے ہو، کسی کو بابا کہتے ہو، کسی کو چھوٹا سمجھتے ہو، کسی کو بڑا سمجھتے ہو، یعنی فرمایا جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو اس طرح میرے رسول کو مت پکارو فرمایا جو میں نے اپنے نبی کو پکارنے کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ وہ یہ ہے، میں نے کبھی يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ کہا ہے يَآاَيُّهَا الرَّسُوْلَ کہا ہے يَآاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ کہا ہے يَآاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ کبھی یٰسین کہا ہے۔ میں نے تو ''یا محمدؐ'' کہہ کر بھی نہیں پکارا، نام لے کر بھی نہیں پکارا، آپ صلی اللہ علیہ سلم نے کملی اوڑھی تو کملی والا فرمایا، چادر اوڑھی تو ''اے چادر اوڑھنے والے'' فرمایا ہے، میں تو ان کی شانیں بیان کرتا ہوں اور تم میرے نبی صلی اللہ علیہ سلم کو اپنی طرح کا سمجھنے لگے ہو؟ ایسے محبوب کو نہ پکارنا جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تمام نبیوںؑ کو ان کے نام سے پکارا ہے اور آدمؑ سب کے باپ ہیں ان کو فرمایا:

وَقُلْنَا يٰآدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ (البقرہ، آیت ۳۵)

(اے آدمؑ تو اور تیری بیوی جنت میں سکونت اختیار کرو)

ابراہیمؑ جو میرے محبوب کے باپ ہیں جنکی ملت میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کو بھی میں نے نام لے کر پکارا ہے فرمایا:

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰآاِبْرٰهِيْمُ (الصافات، آیت ۱۰۴)

(اور ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیمؑ)

داؤد علیہ السلام کو فرمایا:

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ (ص، آیت ۲۶)

(اے داؤدؑ ہم نے تمہیں زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے)

نوح علیہ السلام کو ''یا نوحؑ'' فرمایا موسیٰ علیہ السلام کو ''یا موسیٰ'' فرمایا عیسیٰ علیہ السلام کو ''یا عیسیٰ'' فرمایا ہے لیکن اپنے محبوب کا نام میں نے محبت کی وجہ سے نہیں پکارا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ایسی ہے جو کائنات کے اندر میں نے کسی کو نہیں دی۔

میں تھوڑا سا اُنؐ کے نام کا ترجمہ عرض کرتا ہوں تاکہ تھوڑی اور وضاحت ہو جائے۔ آپ کا اسم گرامی نامِ نامی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم ہے لیکن آپؐ نے فرمایا ہے کہ میرے دو نام ہیں۔ میرا ایک نام ''احمدؐ'' ہے ایک نام ''محمدؐ'' ہے آسمانوں پر بھی میری حکومت ہے زمین پر بھی میری حکومت ہے۔ آسمان پر میرے دو وزیر ہیں، زمین پر بھی دو وزیر ہیں، بھئی آج بھی حکومت وزیروں سے چلتی ہے فرمایا آسمان پر میرے دو وزیر ہیں۔ حضرت جبرائیلؑ اور میکائیلؑ ہیں۔ اور زمین پر دو وزیر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ ہیں۔

فرمایا ''زمین پر بھی میری حکومت ہے آسمان پر بھی میری حکومت ہے'' اور قیامت تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کی ہی حکومت ہے کیونکہ جب تک جس حکومت کا سکہ ہوتا ہے تب تک اسی کی حکومت ہوتی ہے، پاکستان بننے سے پہلے انگریز کا سکہ تھا تو انکی حکومت سمجھی جاتی تھی۔ آج پاکستان کا سِکّہ ہے تو پاکستان کی حکومت سمجھی جاتی ہے اور حکومت بغیر حاکم کے کبھی نہیں ہوسکتی، حاکم موجود ہوگا تو حکومت ہوگی اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ سلم سے لیکر قیامت تک جو سکہ رائج ہے وہ ہے

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ

اگر حکومت موجود ہے تو حاکم بھی موجود ہے اس واسطے کسی بھی عالم سے اس کلمہ کا ترجمہ کراوٴ۔ ''لا الہ الا اللہ'' نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے ''محمدؐ رسول اللہ'' محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں۔'' فعل حال میں ترجمہ کیا جائے گا کبھی کوئی عالم یا مولوی یہ ترجمہ کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا کہ محمدؐ اللہ کے رسول تھے۔ بلکہ ''محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں'' آج بھی وہ اللہ کے رسول ہیں۔ ''پہلے بھی اللہ کے رسول تھے۔'' ''ہمیشہ اللہ کے رسولؐ ہوں گے۔'' جس زمانے میں بھی ہوں گے وہ اللہ کے رسولؐ ہیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کی رسالت ابدی ہے ازلی ہے ہمیشہ سے جاری ہے ہمیشہ رہے گی۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کی رسالت موجود ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حضور بھی موجود ہیں اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ترجمہ بھی یہی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

یعنی کائنات کے اندر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت ہے، اس کا ہی سکہ جاری

ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کے معنی ہیں سب سے بڑھکر تعریف کیا گیا کیونکہ اس میں مفعول تفضیلی کا صیغہ ہے خداوند کریم کا بھی نام ہے ''محمودؔ'' وہ مفعول کے وزن پر ہے۔اس کا معنی ہے حمد کیا گیا۔محمدؐ کے معنی سب سے بڑھکر تعریف کیا گیا۔اس میں مفعول تفضیل پائی جاتی ہے خداوند کریم نے اپنا دوسرا نام رکھا '' حامدؔ'' تعریف کرنے والا اور نبی اکرمؐ کا نام رکھا ''محمدؐ'' سب سے بڑھ کر تعریف کرانے والا خدا نے فرمایا میں محمود ہوں حمد کیا گیا۔ یہ مفعول کا صیغہ ہے پڑھا لکھا طبقہ جانتا ہے جب تک فاعل نہ ہو وہ فعل نہ کرے مفعول کے اوپر اثر انداز نہیں ہوتا یعنی مفعول پیدا ہی نہیں ہوتا پہلے فاعل ہوگا وہ فعل کرے گا پھر مفعول پیدا ہوگا۔ چونکہ خدا خالق ہے فاعل ہے پیدا کرنے والا ہے اس نے خلق کیا تو مخلوق پیدا ہوئی اگر خالق نہ ہوتا تو مخلوق بھی نہ ہوتی کبھی ظاہر نہیں ہوسکتا تھا اس طرح خداوند کریم نے ''معبودؔ'' کی صفت اپنے لئے ظاہر کرائی ہے اور جب تک اس نے اپنا فاعل پیدا نہیں کرلیا اس نے عمل نہیں کیا تب تک خدا کی معبودیت کی صفت ظاہر نہیں ہوئی۔ معلوم ہوا اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنا عبد پیدا کیا پھر اس عبد نے عبادت کی۔ پھر معبود کی صفت ظاہر ہوئی۔ پھر خدا معبود کہلایا۔ اس طرح خداوندِ کریم نے سب سے پہلے ''احمد'' کو پیدا کیا۔ انہوں نے حمد کی پھر خدا ''محمودؔ'' کہلایا معلوم ہوا خداوندِ کریم جب سے معبود بنا ہے تب سے ہی حضور کو پیدا کیا ہے۔ عابد پیدا ہو پھر عبادت کرے تو پھر معبود بنتا ہے۔ احمد حُمد کرے تو پھر محمود کہلاتا ہے۔ اگر فاعل نہ ہوتو مفعول ہوتا ہی نہیں۔

معلوم ہوا جب خداوندِ کریم نے اپنی حمد کرانی چاہی تو احمد کو پیدا کیا معلوم ہوا کائنات میں سب سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ سلم کی ذات کو پیدا فرمایا تو پھر اللہ تعالیٰ کی صفات ظاہر ہوئیں۔ اس سے پہلے صفات ظاہر نہیں ہوئی تھیں حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

الف لام عربی زبان میں تب آتا ہے جب خصوصیت پیدا کرنی ہو معنی اس کا ہے ہر اک حمد، ہر اک شان، ہر اک صفت، چاہے وہ صفت چھوٹی ہے، چاہے وہ صفت بڑی ہے، چاہے وہ ظاہر ہے، چاہے وہ باطن ہے، چاہے وہ اِس جہاں کے لئے ہیں، چاہے اُس جہاں کے کیلئے ہے، وہ ہمارے علم میں ہے، چاہے وہ ہمارے علم میں نہیں ہے، جس طرح کی بھی ہے ہر اک صفت ہر اک حمد اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے ہے۔

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تمام کائنات میں جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے اس کی ربوبیت میں ہے سب کی

پروردگاری کرتا ہے۔ پروردگاری کے معنی یہ نہیں سمجھنا چاہیے، روٹی کھانا، پانی پینا، یا ہوا کا استعمال کرنا اور خدا صرف ہماری ہی پرورش کر رہا ہے، نہیں وہ صرف ہمارا پروردگار نہیں ہے بلکہ رب العالمین ہے۔ تمام جہانوں کا پروردگار ہے سارے جہانوں میں چاند بھی، سورج بھی ہے، فرشتے بھی ہیں۔ حیوان بھی ہیں، انسان بھی ہیں، جمادات بھی ہیں، نباتات بھی ہیں، ہر چیز موجود ہے، عرش و کرسی، لوح و قلم بھی ہیں۔ فرشتے تو کچھ بھی نہیں کھاتے ان کو کیا کھلاتا ہے سورج، چاند، ستارے بھی کچھ نہیں کھاتے، پتھر بھی کچھ نہیں کھاتے اور بھی چیزیں ہیں جو نہیں کھاتیں پروردگاری کا معنی کھانا دینا ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے جس مخلوق کو پیدا کیا ہے سب جہانوں میں جو چیزیں پیدا کی ہیں، ان کی ضرورت کے مطابق ان کی حاجت کے مطابق ان کے مقام کے مطابق اللہ تعالیٰ ان کی پرورش کرتے ہیں۔ سورج کسی اور شے کا محتاج نہیں صرف روشنی کا محتاج ہے اور وہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا کر دی ہے۔ یہ اس کی پروردگاری ہے اور روشنی رب دینے والا ہے اور سورج سارے جہان کو روشن کرتا ہے سارا جہاں مستفیض ہو رہا ہے۔ یہ سمجھ لو کہ خداوند کریم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر کچھ عطا کرتا ہے تو نبوت عطا کرتا ہے رسالت عطا کرتا ہے اسکی شان کے مطابق اس کو اختیار دیتا ہے اور نبیؐ ہمارے جہان کو فیض یاب کر رہا ہے تو اس سے مانگنا شرک نہیں ہے کیونکہ فیضیابی اس کے ہاتھ سے ہو رہی ہے۔ اسی واسطے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے فرمایا:

وَاللّٰهُ مُعْطِیْ وَاَنَا قَاسِمٌ

(میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے)

رب تعالیٰ دیتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ سلم تقسیم کرتے ہیں ہر چیز تقسیم کرتے ہیں تو جہاں تقسیم ہو رہی ہو وہاں ہاتھ پھیلانے پڑتے ہیں ان سے مانگنا پڑتا ہے اور کسی سے مانگ نہیں سکتے۔ اس واسطے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دینا خدا کا دینا ہے اور جس طرح سورج سارے جہان کو روشن کر رہا ہے۔ فیضیاب کر رہا ہے۔ منور کر رہا ہے اور ہماری غلاظتوں کو دور کر رہا ہے ہمارے پھولوں میں رنگ بھر رہا ہے ہمارے پھلوں کو مٹھاس عطا کر رہا ہے ہماری نجاستوں کو دور کر رہا ہے۔

لیکن کس رنگ میں؟ گھر گھر تو سورج نہیں پھر رہا ہے کس رنگ کے اندر؟ لاہور جاؤ تو یہی سورج پشاور جاؤ تو یہی سورج امریکہ جاؤ تو یہی سورج، جرمنی جاؤ تو یہی سورج، روس جاؤ تو یہی سورج، کائنات میں جہاں بھی جاؤ گے یہی سورج ہے جو ہر جگہ نظر آتا ہے اس کا مطلب ہے پوری دنیا میں جلوہ گر ہے لیکن اسکی جلوہ گری کس رنگ میں ہے؟ وہ شعاعوں کی صورت میں ہے۔ اس میں سے شعاعیں نکل رہی ہیں وہ شعاعیں اک روشنی ہیں وہ روشنی اگر سارے جہان کو روشن کر رہی

ہے اور ہر کرن کا ایک مقام ہے ہر کرن کا اک وجود ہے چاہے وہ چھوٹی ہے یا بڑی ہے۔ سورج سے جو کرنیں نکل رہی ہیں ان کا اپنا اپنا وجود ہے، اپنا ذاتی مقام ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے فرمایا:

اَنَا مِنۡ نُوۡرِ اللّٰہِ وَ کُلُّ خَلَائِقِ مِنۡ نُوۡرِیۡ

(میں اللہ کے نور سے ہوں اور کُل مخلوق میرے نور سے ہے)

اور قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔

سِرَاجًا مُّنِيرًا

(میرا نبی روشن سورج ہے)

روشنی عطا کرنے والا ہے، منور کرنے والا ہے، روشن کرنے والا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود سورج ہیں تو سورج کو عطا کرنے والی خدا کی ذات ہے اور اس کے مقام کے مطابق اس کو نور عطا فرمایا گیا اور اس سورج کی کرنیں جو ہیں، اک کرن اک اک عالم ہے، اک اک دنیا ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا فرمائے ہیں یہ اسی سورج کی کرنیں ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ سورج کی فیضیابی جو ساری کائنات کے اندر ہے ان کرنوں کی صورت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا مقام ''امام النبیین، خاتم المرسلین، رحمۃ اللعالمین ہے'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ اللعالمین ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کی رحمت کس رنگ میں ہو رہی ہے کرنوں کی صورت میں ہو رہی ہے روشنی کی صورت میں ہو رہی ہے۔ یہ اولیائے کرام جنہوں نے جا بجا خدا کے عشق ومحبت کا مرکز قائم کئے ہوئے ہیں۔ یہ تمام اس نبوت کی شمعیں ہیں کرنیں ہیں۔ ولایت ظلِ نبوت ہے اور اِسی ذریعے سے فیضِ نبوت جاری وساری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَنَا خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ لَا نَبِیَّ بَعۡدِیۡ

میں نبوت کو ختم کرنے والا ہوں۔ میرے بعد قطعی طور پر کوئی نبی نہیں۔ آپ ﷺ کے بعد قطعی طور پر کوئی نبی نہیں ہے اگر ہے تو ولایت ہے اور ولی سے ولی ہی ولی ہو سکتے ہیں۔ ہر جگہ ولیوں کے ڈیرے ہیں ان میں بھی وہی نور چمکتا ہے جو اس دنیا کو فیضیاب کرنے کے لئے آیا ہے۔

تو جس طرح کی مخلوق ہو اس کے عین مطابق اسکی حاجت روائی کرنی، اس کو صفت عطا کرنی یہ ہے رب کی پروردگاری۔ معلوم ہوا نبیؐ کو جو کچھ عطا کیا ہے رب نے عطا کیا ہے لہٰذا رب کی عطا کو تقسیم کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے۔ رب تعالیٰ نے مومن کی صفت بیان فرمائی ہے

بِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ اُن کورب دیتا ہے مومن آگے تقسیم کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم قاسم ہوں گے تو سارے جہان کے کیونکہ سارے جہان کے رسولؐ بن کر آئے ہیں کوئی زمانہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کی رسالت سے خالی نہیں رہ سکتا جب تک کائنات ہے تب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت بھی زندہ ہے۔

اب ہم کو اللہ تعالیٰ فرمائیں وَلِلّٰہِ الْحَمْد اور حمد تو اللہ ہی کے لئے ہے یعنی حمد کے لائق صرف اللہ ہے ہم کہتے ہیں یا مولا برحق تو ایسی ذات ہے کہ سوائے تیرے حمد کے لائق کوئی نہیں ہو سکتا۔ تو ہی حمد کے لائق ہے لیکن جب ہم اللہ کی طرف دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے وہ اپنے محبوب کی توصیف کر رہا ہے۔ اپنے محبوب کی حمد کر رہا ہے۔ فرمایا کملی والے میں حامد ہوں میں تیری حمد کر رہا ہوں اور آپ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں سب سے بڑھ کر میں حمد کر رہا ہوں اس لئے سب سے بڑھ کر تعریف کروائی ہے اور جس کی سب سے بڑھ کر تعریف کی جائے اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا ہے اور سب سے بڑھ کر حمد اسی ہستی کی کی جاتی ہے جو حمد کے لائق ہو شانوں کے لائق ہو صفات کے لائق ہو جس شخص میں کوئی عیب ہو کجی ہو کوئی نقص ہو برائی ہو وہ شان کے لائق تو نہیں ہوتا حمد اور صفت کے لائق نہیں ہوتا۔

حضرت حسان بن ثابتؓ سے صحابہ اکرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے عرض کی کہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی شعر سنائیں چار شعر انہوں نے فرمائے ایک عرض کرتا ہوں

وَشَقَّ لَہٗ مِنْ اِسْمِہٖ لِیُجِلَّہٗ
ذُوالْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَ ھٰذَا مُحَمَّدٌ
(اللہ تعالیٰ نے اپنے نام پاک میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا
نام شق کیا تا کہ وہ بھی روشن ہو جائے عرش کا مالک محمود ہے اور یہ
محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں)

حضرت حسان بن ثابت حضور کے درباری شاعر اور نعت خواں ہیں۔ تعریف کر رہے ہیں فرمایا عرش کا مالک محمود ہے اور اس کے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ خدا کا سب سے پہلا نام کیا ہوا جس میں سے حضور کا نام نکالا گیا وہ ہے ''مُحَمِّدُ'' سب سے بڑھ کر تعریف کرنے والا مفاعل کے وزن پر اور اس میم کی زیر کو زبر سے تبدیل کر کے ''مُحَمَّدُ'' حضور کا نام پیدا کیا، سب سے بڑھ کر تعریف کیا گیا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ گرامی کا مطلب ہے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن۔

چار مبارک راتیں

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ربِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِالْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمُ النَّبِیّٖنَ شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰینَا مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی اَحْمَدَنِ الْمُجْتَبٰی عَلَیْہِ تَحِیَّۃٌ وَالسَّلَامُ وَآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ عِبَادِہِ الصَّالِحِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ کَلَامِہِ الْقَدِیْمِ قُرْآنِ الْعَظِیْم بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ **وَالْفَجْرِ وَلَیَالٍ عَشْرٍوَّ الشَّفْعِ وَالْوَتْرِ وَالَّیْلِ اِذَا یَسْرِ** صَدَقَ اللّٰہُ عَلِیُّ الْعَظِیْم

اللہ تعالیٰ قرانِ پاک کی سورۃ الفجر میں ارشاد فرماتا ہے کہ قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور رات کی جب وہ چلنے لگے۔

قرآنِ پاک میں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک چار راتیں ایسی ہیں جو سب سے زیادہ بزرگ اور برتر ہیں، ان میں سے ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معراجِ پاک کی رات ہے۔ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

> سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَاالَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ
>
> (بنی اسرائیل، آیت ۱)
>
> (پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو سیر کرائی مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک جس کے چہار اطراف کو ہم نے برکت دے رکھی ہے، تاکہ انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں بے شک وہ (اللہ)

دیکھنے والا اور سننے والا ہے)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واقعۂ معراج کے حوالے سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان وعظمت بیان فرمائی ہے۔ اس رات سے متعلق تھوڑا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دو فرشتوں حضرت جبرائیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ جا کر میرے محبوب کو لے آؤ، عرض کی جبرائیل علیہ السلام نے کہ یا مولیٰ! آپ نے تو ہمیں اُنؐ کے گھر میں بغیر اجازت کے داخل ہونے کی اجازت نہیں دی:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ
حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ
لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (النور، آیت ۲۷)

(اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ
جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور وہاں کے رہنے والوں کو سلام نہ
کہہ لو، یہی تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو)

ہمارے بعض دوستوں کو یہ معلوم نہیں خواہ پیروں کا گھر ہو، خواہ ہمسائے ہوں، خواہ چچا تایا کا ہو، بغیر آواز دیئے اندر داخل ہو جاتے ہیں، یہ بہت سخت گناہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے گھر کے سواء چاہے کسی کا گھر ہو، خواہ آپ کے باپ کا ہو، خواہ آپ کی بیٹی کا ہو، خواہ کسی مرید کا گھر ہو، کسی کا بھی گھر ہو۔ کسی کے گھر میں اچانک نہ داخل ہو جایا کرو بلکہ اطلاع دو، اگر اجازت ملے تو داخل ہو جاؤ، نہ ملے تو واپس آجاؤ، جس وقت اجازت مل جائے پھر ان سب گھر والوں پر سلام بھیجو۔ اسی واسطے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر مبارک کے اندر مسلمان انسان تو کجا فرشتوں کو بھی داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیل ہو جاتے ہیں، بی بی سیّدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا حضور کی تیمارداری کر رہی ہیں اور حضرت عزرائیل علیہ السلام حضور کی تیمارداری کیلئے تشریف لاتے ہیں اور انسانی شکل میں آتے ہیں، ایک ضعیف بزرگ کی شکل میں آتے ہیں اور حضورؐ کے حجرے کے باہر ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے، آواز نہیں دے سکتے۔ آواز دینا بھی اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہوا ہے ''حجروں کے باہر سے حضور کو آواز نہ دیا کرو'' اس لئے وہ خاموش کھڑے ہیں۔ بی بی سیّدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کسی کام سے باہر تشریف لاتی ہیں اور دیکھتی ہیں کہ ایک بزرگ ہاتھ باندھے کھڑا ہے، پوچھا، بابا جی کیوں کھڑے ہیں؟ جواب دیا بیٹا میں نے آپ کے ابا جان سے ملنا ہے کیونکہ وہ بیمار

ہیں۔ پوچھا آپ کون ہیں؟ میں آپکی اطلاع کردوں؟ عزرائیلؑ نے عرض کی، بی بی جی میرے نام کی ضرورت نہیں، آپؑ مجھے جانتے ہیں۔ حضرت بی بی سیّدہ فاطمہؓ اندر تشریف لے جاتی ہیں۔ حضور کی بارگاہ میں عرض کرتی ہیں کہ باہر ایک بابا جی ہاتھ باندھے کھڑے ہیں، میں نے ان کا نام پوچھا تو انہوں نے کہا کہ آپ صرف جا کر اطلاع کردیں، ان کو میرا پتا ہے، آپؐ نے جواب دیا بیٹا مجھے پتا ہے۔ پوچھا ابا جان وہ کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا وہ عزرائیل علیہ السلام کھڑے ہیں۔ آپ کے باپ کی جان لینے آئے ہیں۔ بی بی سیّدہ فاطمہؓ یہ بات سن کر رونے لگیں اور عرض کی ابا جی میں اس کو اندر آنے کی کبھی اجازت نہ دوں گی۔ آپؐ نے فرمایا بیٹا وہ خدا کے حکم سے آئے ہیں ویسے تو کبھی نہیں آتے۔ حضرت بی بی سیّدہ فاطمہؓ نے کہا کہ بے شک رب کے حکم سے آئے ہیں لیکن میں ان کو اندر نہیں آنے دوں گی، میں اجازت کبھی نہیں دوں گی۔ حضورؐ نے فرمایا بیٹی ذرا قریب آؤ، آپؐ کے کان میں کوئی بات فرمائی تو حضرت سیّدہ فاطمہؓ خوش ہوگئیں اور رونا چھوڑ دیا، مسکرانے لگیں، کیا فرمایا؟ بعد میں حضرت سیّدہ فاطمہؓ سے پوچھا گیا، آپؑ نے بتایا کہ حضورؐ نے فرمایا ''اے بیٹی اگر آپ ان (حضرت عزرائیل علیہ السلام) کو اندر آنے کی اجازت دے دیں تو میں آپ کو ایک انعام دیتا ہوں:

يَافَاطِمَةَ اَنْتَ سَيِّدَةُ نِسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ

(صحیح بخاری، باب المناقب)

(اے فاطمہؓ آپ تمام جنت کی عورتوں کی سردار ہیں)

بابا جی (حضرت عزرائیل علیہ السلام) اندر تشریف لے آئے۔ بی بی فاطمہؓ فرماتی ہیں کہ جب وہ اندر آئے تو میرا دل بھر آیا۔ میں نے کہا ابا جان آپ کی جدائی مجھ سے برداشت نہیں ہو گی، میں کیا کروں گی، آپؐ نے فرمایا بیٹی میرے اہلبیت میں سے سب سے پہلے آپؑ ہی مجھ سے ملو گی لہٰذا چھ ماہ بعد سیّدہ فاطمۃُ الزَّہرہ سلام اللہ علیہا کا وصال ہوگیا۔ یہ واقعہ بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ خواہ حضرت عزرائیل علیہ السلام ہی ہوں وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں بغیر اجازت داخل نہیں ہوں گے۔ مسئلہ یہ تھا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ یا اللہ آپ نے تو فرمایا کہ میرے محبوب کو لے آؤ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت آرام فرما رہے ہوں گے اور ہمیں ان کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونے سے منع فرمایا ہے تو ہم کیسے لے کر آئیں گے؟ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''اے جبرائیلؑ میرا محبوبؐ اس وقت اپنے گھر میں سوئے ہوئے نہیں ہیں''، یعنی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت اپنی پھوپھی اُمِّ ہانیؓ کے گھر

میں تشریف فرما تھے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیلؑ سے فرمایا ''تم وہاں جا سکتے ہو'' عرض کی ''یا مولیٰ! ہماری جرأت نہیں کہ جا کر تیرے محبوب سے کہیں کہ چلیئے آپ کو آپ کے ربّ نے بلایا ہے، یہ ہماری جرأت نہیں، ہمیں کوئی پیغام دے دیں، ہم آپ کا پیغام پہنچا دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا جا کر میرے محبوب کو میرا پیغام دے دیں:

اِنَّ رَبُّکَ یَشْتَاقُ اِلَیکَ

(بے شک آپ کا رب آپ کو دیکھنے کا اشتیاق رکھتا ہے)

عرض کی کہ ''یا اللہ محبوبِ کریمؐ تو اس وقت آرام فرما ہوں گے۔ آواز دے کر بُلانے کا حکم تو نہیں پھر کس طرح اُنہیں اٹھائیں گے'' حالانکہ حضورؐ کا سونا ایسا سونا نہیں ہے جیسے تم لوگ سوتے ہو بلکہ حضورؐ نے فرمایا ہے:

تَنَامُ عَیْنِیْ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ

(میری آنکھ سوتی ہے اور میرا دل نہیں سوتا)

آج ہمارے علمائے کرام منبر پر کھڑے ہو کر یہ حدیث نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ضرور بیان کرتے ہیں لیکن یہ کبھی انہوں نے نہیں سوچا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ سوتی تھی دل جاگتا تھا جبکہ ہم سوتے ہیں تو ہمارا سب کچھ سو جاتا ہے، آیا یہ چیز ہمیں بھی حاصل ہو سکتی ہے کہ نہیں، اور اسے کس طرح حاصل کرنا چاہیے؟ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تمہارے جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے اگر اسکی اصلاح ہو جائے تو تمام جسم کی اصلاح ہو جاتی ہے اور اگر اس میں فساد پیدا ہو جائے تو سارا وجود فسادی ہو جاتا ہے اور وہ دل ہے۔'' معلوم ہوا کہ سارے جسم کا بادشاہ دل ہے، اس کے ارادے کے ماتحت ہی ہماری حرکات ہیں۔ ہماری حرکات نفس کے دل پر اثر سے بد ہوں یا روح کے دل پر اثر سے نیک ہوں اسی کے مطابق ہمارے حواس حرکت کرتے ہیں اور ہمارے حواس کی حرکت کا نام عمل ہے جو دل کے ارادے کے ساتھ مل کر اعضاء کو متحرک کرتا ہے۔ اس کا خفی ارادہ (نیّت) دراصل ابتداً دل ہی میں پیدا ہوتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِاالنِّیَّاتِ

(بیشک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے)

ہمارا ہر عمل دل کے ارادے اور نیّت سے تعلق رکھتا ہے صورت یہ ہے کہ انسان کا ظاہری جسم چار چیزوں سے بنا ہے آگ، پانی، مٹی، ہوا۔ انہیں اربع عناصر کہتے ہیں حالانکہ یہ چاروں

چیزیں ایک دوسرے کی مخالف ہیں۔ ان کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں ہے، آگ اور پانی کا کیا جوڑ ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم کے ماتحت انہیں اکھٹا کر دیا ہے۔ ان چاروں عناصر کا اثر انسان کی طبیعت پر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے مٹی کو پانی سے گوندھا ہے اور پھر ہوا کے ساتھ اسے خشک کیا گیا ہے اور آگ کے ساتھ اِسے پکایا گیا ہے چنانچہ یہ چاروں چیزیں انسان کے مزاج پر اثر انداز رہتی ہیں

مٹی ہر چیز کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ انسان میں حرص، لالچ اور آز اس مٹی کا اثر ہے، انسان چاہتا ہے مجھے ہر چیز مل جائے خواہ اس کے پاس بڑی سے بڑی نعمت ہو اور زیادہ سے زیادہ ہو پھر بھی اس کا لالچ ختم نہیں ہوتا چونکہ پانی کے ساتھ اسے گوندھا گیا ہے، انسان میں پانی کا اثر شہوتِ جسمانی ہے، اس کے بعد ہوا سے اسے خشک کیا گیا ہے، جس کے اندر ہوا موجود ہو، یا دماغ کو ہوا چڑھی ہو وہ پاگل بڑی بڑی اونچی باتیں کرتا ہے یا جس چیز میں ہوا ہو وہ شے زمین پر نہیں ٹکتی، انسان کے اندر ہوا کا اثر یہ ہے کہ انسان میں فخر، غرور، تکبر، نخوت، خودی یہ تمام چیزیں اسی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس کے بعد آگ کے ساتھ اسے پکایا گیا ہے، آگ کے اثرات انسان کے اندر یہ ہیں حسد، بغض، کینہ، دشمنی، یہ تمام چیزیں آگ کا اثر ہیں۔ شریعت کے اندر یہ ساری چیزیں جو ان عناصر کے اثر سے پیدا ہوتی ہیں انہیں گناہ قرار دیا گیا ہے چنانچہ انسان کے اندر چار چیزیں اور بھی موجود ہیں یعنی دل، روح، نفس اور عقل۔

ہر ارادہ انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ نفس اور روح ایسی طاقتیں انسان میں موجود ہیں جو انسان کے دل پر غالب آتی ہیں جس طرح دن رات پر اور رات دن پر غالب آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ نفس انسان کو برائی کی طرف کھینچ کر لے جاتا ہے۔ روح امرِ ربی ہے، اگر روح نفس پر غالب آجائے تو انسان کا ارادۂ قلبی روح کا رنگ لے کر نیکی کا بن جاتا ہے، خدا کی اطاعت میں آجاتا ہے۔ اگر نفس روح پر غالب آجائے تو ارادۂ قلبی نفس کا اثر لے کر بدی میں ڈھل جاتا ہے۔ پھر انسان کے ارادے کی پرواز عقل تک جاتی ہے۔ عقل بعض ارادوں کو تو خارج نہیں کرتی، بعض کو دل ہی میں ختم کر دیتی ہے خواہ وہ نیکی کا ہو یا بدی کا، کئی ارادے پیدا ہوتے ہیں اور کئی اندر ہی اندر ختم ہو جاتے ہیں، وہ ارادے جنہیں عقل خارج کرتی ہے وہ انسان کے اعضاء میں پھیلتے ہیں۔ اگر ارادہ نفس کا رنگ لے کر بد ہو گیا ہو اور عقل نے اسے خارج کر دیا ہو تو وہ اعضاء میں پھیل کر بدی کے ارتکاب کا باعث بنتا ہے۔ آنکھ بدی کی طرف دیکھتی ہے، زبان بدی کی بات کرتی ہے، کان بدی کی بات سنتے ہیں، پاؤں بدی کی طرف چل کر جاتے ہیں، ہاتھ بدی کا کام کرتے ہیں اگر روح کے اثر سے ارادۂ قلبی نیک ہو جائے اور عقل اس کا اخراج کر دے تو انسان سے نیکی

ہوتی ہے، پاؤں نیکی کی طرف چل کر جاتے ہیں، زبان نیکی کی بات کرتی ہے، کان نیکی کی بات سنتے ہیں، آنکھ بھی نیکی کی بات دیکھتی ہے، ہاتھ بھی نیکی کا کام کرتے ہیں، برائی کیلئے نہیں اُٹھتے۔ ہمارے اعضاء کی حرکات ہمارے اعمال ہیں۔ جب انسان اپنے نفس پر غالب نہیں آسکتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں روحانی قوت کمزور ہے اس لئے اسے کسی روحانی انسان کی تلاش کرنی پڑتی ہے بلکہ اس پر واجب ہے، فرض ہے۔ جب تک اسکی تلاش نہیں کرے گا کامیاب نہ ہوگا چنانچہ ایسے شخص کی کوشش ہوتی ہے کہ کوئی ایسا صاحبِ روح شخص مل جائے جس کی روح کے اثر سے میرا نفس مغلوب ہو جائے اور روحانیت میرے وجود میں پھیل جائے اور جب اسے ایسا ذی روح، ولی اللہ مل جاتا ہے جو اپنی روحانی طاقت کی نگاہ سے فیض عطا فرماتا ہے تو کامیابی ہوتی ہے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اَلْعَیْنُ حَقٌّ (نظر حق ہے)

نظر دو قسم کی ہوتی ہے، ایک بدی کی نظر ہے اور ایک نیکی کی نظر ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نظرِ بد سے اللہ کی پناہ مانگنے کی تعلیم دی ہے۔ نظر بد ایسی چیز ہوتی ہے جو پتھر کو بھی پھاڑ دیتی ہے چنانچہ اگر نظرِ بد پتھر پھاڑ دیتی ہے تو نیک نظر دل کے پردے پھاڑ دیتی ہے۔ جس وقت نیکی کی نظر، روحانی نظر کسی کے وجود پر پڑتی ہے تو اس نیک نظر کی طاقت سے نفس مغلوب ہو جاتا ہے پھر اس کے اندر نیکی پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

اس نظر کی وجہ سے انسان نیکی کی طرف راغب ہو جاتا ہے اسے ہی تزکیۂ نفس کہتے ہیں۔ جب وہ نظر ہٹے گی پھر نفس غلبہ کرے گا، ڈاکہ مارے گا، جب پھر اسکی طرف روحانی نظر ہوگی تو اس کا نفس مغلوب ہو جائے گا۔ پھر وہ شخص اپنے نفس کے عمل پر اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے۔ اسے "نفسِ لوّامہ" کہتے ہیں۔ "نفسِ امّارہ" برائی کرنے والے نفس کو کہتے ہیں اور "نفسِ لوّامہ" وہ ہے جو بدی کرنے کے بعد ملامت کرتا ہے اور "نفسِ مطمئنہ" وہ ہے جس کے اندر انسان کی روحانیت ہمیشہ کے لئے غالب آجائے اور نفسانیت ہمیشہ کیلئے مغلوب ہو جائے پھر نفسِ مطمئنہ پر نفسِ امّارہ کبھی ڈاکہ نہیں ڈالتا چنانچہ جب تک انسان کو کوئی روحانی انسان نہ ملے تب تک اس کا نفس پاک نہیں ہوتا۔ حضرتِ حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہرگز نمیرد آں کہ دِلش زندہ شُد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

اس شخص کا دل ہرگز نہیں مرتا جو عشق سے زندہ ہو گیا ہو چنانچہ اس

دنیا کے صحیفے میں ہماری بقا (ہیشگی) پر مُہرِ ثبات لگ چکی ہے

دل کے مردہ ہونے سے انسان مردہ ہوجاتا ہے خواہ چلتا پھرتا نظر آئے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمایا ہے کہ ان کافروں کی آنکھیں تو ہیں لیکن دیکھ نہیں سکتے، کان تو ہیں لیکن سن نہیں سکتے، بولتے ہیں لیکن حق کہنے سے گونگے ہیں، دراصل یہ عقل (جو روح کا جوہر ہے) ہرگز نہیں رکھتے، اصل وجہ یہ ہے کہ ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مُہر لگا دی ہے: خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ ایسا انسان خواہ دنیا میں چلتا پھرتا، کھاتا پیتا بھی ہو لیکن دراصل مردہ ہے، بے جان ہے۔

اور وہ انسان جس کا دل زندہ ہو، وہ چلتا پھرتا ہو، اٹھتا بیٹھتا ہو، سویا ہوا ہو خواہ دنیا سے رحلت کر جائے لیکن وہ دراصل زندہ ہوتا ہے۔ اسی لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَنَامُ عَيْنِىْ وَلَا يَنَامُ قَلْبِىْ
(میری آنکھ سوتی ہے اور میرا دل نہیں سوتا)

دل کیوں نہیں سوتا؟ بھئی کسی کام میں لگا ہوتا ہے اس لئے نہیں سوتا۔ دل کسی دھیان میں لگا ہوا ہو تو پھر بھی نہیں سو سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل ہر وقت دھیان میں لگا ہوتا تھا، خداوندِ کریم کے مشاہدے میں ہر وقت غرق رہتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل ہر وقت مشاہدۂ خداوندی میں بیدار اور زندہ ہے اس لئے وہ دل سوتا نہیں۔

دل کے اندر روشنی بھی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب نفس کی (جبلّی) کدورت انسان کے اندر سے دُور ہو جائے اور پاکیزہ روحانی نظر کے ذریعے دل کے غلاف دُور ہو جائیں، پھر دل ذکر وفکر کے ساتھ روح کی جانب جانا شروع کر دیتا ہے یہی ذکر و فکر اصل میں دل و روح کی غذا ہے۔

جس طرح جسم کیلئے غذا ہے، جسم مٹی سے بنا ہے، انسانی جسم کی تمام غذائیں اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کی ہیں، ہر سبزی، ہر جنسِ اناج یہاں تک کہ کپڑا جو پہنتے ہیں مٹی سے ہی پیدا ہوا ہے۔ جس طرح انسانی جسم آگ ہوا پانی مٹی سے بنا ہے اس طرح انسان کی تمام غذائیں انہی چار چیزوں سے متعلق ہیں لیکن روح رب تعالیٰ سے تعلق رکھتی ہے اسکی غذا یہ مٹی سے پیدا شدہ غذائیں نہیں ہیں۔ اگر آپ گوشت بھون بھون کر گائے بھینس بھیڑ بکری کے آگے ڈال دیں وہ نہیں کھائیں گی۔ تمہارے سامنے کرا، توڑی، گتاوا کر کے رکھ دیں تو تم بھی نہیں کھاؤ گے کیونکہ ہر کسی کی اپنی اپنی غذا ہے، جس کی جو غذا ہو وہی کھاتا ہے۔

اللہ والوں کی غذا اور ہے، ان کو رب کی باتوں میں مزہ آتا ہے کیونکہ یہ ان کی غذا ہے۔ روح کی غذا روٹی پانی نہیں ہے، روح، عالمِ اجسام کی چیز ہی نہیں، عالمِ اجسام میں اسکی خوراک

نہیں، اس کے واسطے تسبیح، تقدیس، تہلیل وذکر ہے۔ سُبحَانَ اللّٰہِ تسبیح ہے، اَلحَمدُ لِلّٰہِ تقدیس وحمد ہے لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تہلیل ہے، تکبیر اَللّٰہُ اَکبَرُ کو کہتے ہیں۔ یہ سب چیزیں اور تمام عبادات روح کی غذا ہیں۔

جیسے کوئی انسان جسمانی طور پر کمزور ہو تو روٹی ضرور کھاتا ہے، اس کے بعد گھی بھی کھاتا ہے، دوسری چیزیں بھی کھاتا ہے اور اگر اس کو ساتھ سونے کا کُشتہ مل جائے اور سچے موتیوں کا کُشتہ مل جائے تو پھر اس کا بدن بہت ہی اعلیٰ قسم کا کُندن ہو جاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح روح کی غذا عبادت ہے، ہر عبادت اسکی غذا ہے کیونکہ نفس مغلوب ہوتا ہے، شیطان سے انسان بچتا ہے، تسبیح تہلیل یہ تمام روح کی غذائیں ہیں لیکن سب سے بڑی غذا جس کو سونا چاندی، سچے موتیوں اور کستوری کا مقام دے سکتے ہیں وہ ہے ذکرِ خداوندی۔ یہ ہے اس (اللہ) کا ذکر جو ہمیشہ دل کو قائم رکھتا ہے۔ جب دل کے اندر یہ ذکر قائم ہو جائے گا یعنی وہ ذاکر ہو جائے گا، وہ شخص کبھی نہیں سوسکتا، اس کا دل کبھی مردہ نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ارشاد فرمایا:

اَلَّذِینَ یَذکُرُونَ اللّٰہَ قِیَامًاوَّ قُعُودًاوَّ عَلیٰ جُنُوبِھِم

(آلِ عمران، آیت ۱۹۱)

(یہ وہ لوگ ہیں جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے اپنی کروٹوں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں)

انسان تین حالتوں میں ہی ہوتا ہے، کبھی بیٹھا، کبھی کھڑا اور کبھی لیٹا ہوا ہوتا ہے، چوتھی حالت انسان پر کوئی نہیں۔ ان تینوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرض قرار دے دیا ہے اس لئے درویشوں نے اس کا ترجمہ یوں کیا کہ ''جو دم غافل سو دم کافر'' آیتِ مذکورہ بالا کی تفسیر میں مفسرین لکھتے ہیں:

فَاذکُرُوا اللّٰہَ فِی کُلِّ الاَحوَالِ وَفِی جَمِیعِ المَقَامَاتِ وَفِی جَمِیعِ الاَوقَاتِ قِیَامَ وَ اَوقُعُودًا اَوجُنُوبُکُم

(پس اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، تمام حالتوں میں، ہر جگہ پر، ہر وقت، جب تم کھڑے ہو خواہ بیٹھے ہوئے ہو خواہ جب تم اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے ہو)

یہ دائمی ذکر دل کی زندگی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور دل کسی کی نظرِ روحانی سے ہوگا، جسے

ہم قلب جاری ہونا کہتے ہیں۔ جس وقت اس کا دل ذاکر ہو جائے گا۔ آپ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہوں گے کہ دل کی دھڑکن سارے جسم میں چوٹ لگاتی ہے، دل دھڑکتا ہے، نبض دیکھیں گے تو یہاں بھی دل ہی دھڑکتا ہے، پاؤں کی نبض میں بھی دل ہی دھڑکتا ہے گویا دل کی دھڑکن ہی ہے جو چوٹ لگا رہی ہے، چونکہ دل مرکزی مقام رکھتا ہے لہٰذا آپ اس نبض کی آواز کو نہیں سمجھ سکتے، پاؤں کی نبض کو نہیں پہچان سکتے لیکن (دل کے) مرکزی مقام کو آپ جلد اخذ کر سکتے ہیں۔

اھلُ اللہ پہلے دل کا ذکر بتاتے ہیں، چاہیں تو قلب جاری کر دیتے ہیں کیونکہ جب قلب جاری ہو جاتا ہے تو وہ دائمی ذاکر ہو جاتا ہے اس لئے وہ حرکت جسم میں جہاں بھی پھیلتی ہے جسم کا وہی حصہ ذاکر ہو جاتا ہے جسم کا بال بال ذکر کرنے لگتا ہے۔ بال بال کے ذکر کرنے کا مقصد کیا ہے کہ اس کا بال بال ہمیشہ کیلئے زندہ ہو جاتا ہے جس شخص کے اندر دل زندہ ہو وہ مرا ہوا بھی زندہ ہے

ہاں تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دل ہمیشہ جاگتا تھا، مشاہدۂ الٰہی میں رہتا تھا۔ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی کہ یا مولیٰ ہم آپ کو کیسے جگائیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام دونوں فرشتوں کے سروں کو کافور (کپور) کا بنا دیا اور نچلا وجود زعفران (کیسر) کا بنا دیا۔ زعفران تیسرے درجے کا گرم ہوتا ہے اور کافور تیسرے درجے کا سرد، دونوں چیزوں کو ملا کر اللہ تعالیٰ نے معتدل جسم بنا دیئے اور فرمایا کہ "میرے محبوب کو پیدل چلا کر نہ لانا، سواری لے جاؤ۔" جنت میں انبیائے کرام کی سیر کے لئے مخصوص سواریاں پیدا کی گئی ہیں جنہیں "براق" کہا جاتا ہے۔ بُراق "برق" سے نکلا ہے یعنی بجلی کی طرح تیز۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب آسمانی بجلی کڑکتی ہے تو اسکی رفتار چمک اور آواز میں بڑا فاصلہ ہوتا ہے۔ براق ایسی ہی سواری تھی۔ فرشتے براق لے کر حضرت اُمِّ ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آرام فرما رہے تھے، یہ نہیں کہ حضورؐ سوئے ہوئے تھے، وہ تو حضورؐ کی ذات تھی، کوئی بندہ جس کے دل میں اللہ رسول کی محبت ہے وہ بھی رات کو سو نہیں سکتا جس طرح حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا قول ہے:

عَجَبًا لِّلْمُحِبِّ کَیْفَ یَنَام
کُلِّ نَوْمٌ عَلٰی الْمُحِبِّ حَرَام

(عجیب بات سہی لیکن سچ ہے کہ محبت کرنے والا کس طرح سو سکتا ہے، محبت کرنے والے پر ہر قسم کی نیند حرام ہو جاتی ہے)

فرشتے آپؐ کے روبرو حاضر تھے، اب آواز بھی نہیں دے سکتے تھے۔

بھئی یاد رکھنا کہ جب بزرگانِ دین لیٹے ہوں تو وہ اپنے ربّ کے ذکر وفکر میں لیٹتے ہیں اور تم لوگ ربّ کو رضائی سے باہر نکال کر سوتے ہو، جب سونے لگتے ہو، دنیا کے جھنجھٹ، دنیا کے کام، دنیا کے حساب کتاب کے خیال میں، یا کسی اور شکل میں کسی کا خیال لے کر سوتے ہو۔ اللہ والے رب کو اپنے دل میں لے کر سوتے ہیں، رب کی محبت میں سوتے ہیں۔

جب فرشتے حاضر ہوئے تو جگانے کا تو حکم ہی نہیں تھا۔

یہ بات بھی ضمناً یاد رکھیں کہ ہم نے بڑے بابا جی (غوث العصر حضرت خواجہ محمد عمر) صاحبؒ کے ملنے والوں کو دیکھا ہے۔ دادا جی (سلطان العصر حضرت خواجہ محمد عبداللہ) صاحبؒ کے ملنے والوں کو دیکھا ہے۔ اپنے والد ماجد (مخدوم العصر حضرت خواجہ محمد کریم اللہؒ) کے ملنے والوں کو دیکھا ہے۔ جس وقت لیٹ جاتے تھے، کسی وقت اگر کوئی شخص جگانا چاہتا تھا تو وہ پاؤں مبارک کی طرف بیٹھ جاتا اور آہستہ آہستہ قدم مبارک دبانا شروع کر دیتا۔ اس وقت درویش پوچھتا ہے کہ بھئی کون ہو؟ پھر وہ بات کرتا ہے۔ آواز دینا یا ہلانا گناہ ہے اور سنت طریقہ یہی چلا آ رہا ہے، ہم نے آج تک کسی بندے کا درویش کو آواز دینا نہیں دیکھا۔

تو واقعہ یہ ہے کہ جب فرشتے حضور سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں اور دونوں فرشتوں حضرت جبرائیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام نے حضور کو جگانا چاہا۔ دو احادیث اس کے بارے میں روایت کی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ دونوں فرشتوں نے اپنے رخساروں سے حضورؐ کے تلوؤں کو سہلانا شروع کر دیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے اپنی زبان سے حضورؐ کے تلوؤں کو چاٹا۔ بہر حال جیسے بھی ہو پیشانی ہو، رخسار ہو، یا زبان سے چاٹا ہو۔ اس وقت ان کی زبان کافور کی تھی۔

ڈاکٹر کلیم صاحب بھی جانتے ہیں کہ جس وقت کوئی بندہ بیہوش ہو جائے تو خشک کافور لے کر پوٹلی میں بند کر کے ناک کے سامنے کرتے ہیں، جب سانس اندر جاتا ہے تو اس کی خوشبو سے آہستہ آہستہ بیہوش شخص کو ہوش آنے لگتا ہے۔

جب فرشتوں کے کافوری چہروں کے چھونے سے کافور کی سردی حضور کے تلوؤں کے اندر تک آئی اور پھر حضورؐ کے سانس مبارک میں پہنچی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھیں کھول دیں اور فرمایا کون ہے؟ دونوں نے ہاتھ باندھ کر عرض کی ''حضور! غلام'' فرمایا ''کیا بات ہے؟ خیر سے آئے ہو؟'' عرض کی حضور آپ کا رب فرماتا ہے:

اِنَّ رَبُّكَ يَشْتَاقُ اِلَيْكَ

(بیشک آپ کا رب آپ کو دیکھنے کا اشتیاق رکھتا ہے)

حضورؐ نے اُٹھ کر فرمایا کہ میں اس بات کا شکر ادا کروں کہ میرے مولیٰ نے مجھے بلوایا، وضو کر کے دوگانہ نفل شکرانہ ادا فرمائے۔ باقی واقعات آگے ہیں (جو بار ہا بیان ہوئے ہیں الغرض) وہ رات جس میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلایا اور حضور کو دیکھنے اور خود اپنی زیارت کرانے کا شوق تھا سو اس رات کو اللہ تعالیٰ نے بڑا ہی متبرک قرار دیا ہے۔

دوسری رات لیلۃ القدر ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۝ وَمَآ اَدۡرٰكَ مَا لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۝ لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۙ خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ ۝ تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓٮِٕكَةُ وَالرُّوۡحُ فِيۡهَا بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ‌ ۚ مِّنۡ كُلِّ اَمۡرٍ ۝ سَلٰمٌ هِىَ حَتّٰى مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ ۝

(یقیناً ہم نے اسے شبِ قدر میں نازل کیا۔ اور کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ شبِ قدر کیا ہے؟ شبِ قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس (میں ہر کام) کے سرانجام دینے کیلئے اپنے رب کے حکم سے فرشتے اور روح (حضرت جبرائیل علیہ السلام) اترتے ہیں۔ یہ رات سراسر سلامتی ہے فجر طلوع ہونے تک)

لیلۃ القدر کا شانِ نزول یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سے چار آدمی ایسے تھے جنہوں نے اسی (۸۰) برس کچھ مہینے عبادت کی مجاہدہ کیا۔ تاریخ وروایاتِ عرب میں اُن کے واقعات موجود تھے کہ انہوں نے ہزار مہینے رب تعالیٰ کی عبادت میں گزارے۔ ایک روز صحابۂ کرامؓ میں سے کچھ افراد اس روایت پر گفتگو کر رہے تھے اور غور وفکر کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے اس اُمّت کا مقام تمام اُمتوں سے بلند رکھا ہے۔ اگر قیامت کے روز مذکورہ چار آدمی ہی بارگاہِ حق میں کھڑے ہو کر عرض کریں کہ یا اللہ تو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بہت سراہتا ہے، ان میں سے ایک بندہ ہی ایسا نکال کر دکھا دے جس نے اسی (۸۰) برس اور کچھ مہینے عبادت کی ہو تو ہم پر کیا گزرے گی۔ صحابہ کرامؓ کے دل میں یہ بات آئی کہ ہماری آدھی عمریں تو کفر میں گزر گئیں اور ایمان لائے ہوئے ہمیں مشکل سے دس (۱۰) برس ہی ہوئے ہوں گے۔ روزِ قیامت ہم سب کو شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔ صحابہ کرامؓ اسی پریشانی میں مبتلا تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو وحی دے کر بھیجا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ تحقیق ہم نے

قرآنِ پاک کو عزت اور قدر والی رات میں نازل کیا۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ عزت والی قدر والی رات کیا ہے۔ یہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے مطلب یہ کہ اے میرے محبوب کی امت تجھے گھبرانے اور پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، میں نے تمہیں اعلیٰ اور بہترین اُمّت بنایا ہے تو تمہاری عزت برقرار رکھنے کے لئے میرے پاس وسائل کی کمی نہیں ہے۔ اگر وہ اسی برس اور کچھ ماہ عبادت کرنے والے اٹھ کھڑے ہوں گے تو پھر کیا ہے، میں تمہیں ایک رات ایسی عطا کرتا ہوں کہ اگر تم سال میں اس ایک ہی رات میں عبادت کرو تو وہ ہزار مہینے سے زیادہ اجر وثواب کا باعث ہوگی۔ تم گزشتہ زمانے کے زاہدوں اور عابدوں سے بڑھکر ہو جاؤ گے، خواہ بیٹھ کر عبادت کرو، سجدے کرو، قرآنِ پاک پڑھو، جو بھی عبادات کرو گے وہ ہزار مہینے کی عبادت سے بہتر ہے۔

اگر ہر سال میں انسان لیلۃ القدر میں عبادت کرے، قیام ورکوع وسجود کرے تو پھر کئی ہزار مہینوں کا اجر وثواب ہر سال ملے گا۔ فرمایا اس رات میں فرشتے اور روح نازل ہوتے ہیں۔ روح کے معاملے میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ روح سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ روح سے مراد ''الرّوح''، یعنی خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ مبارکہ ہے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد ارواحِ مقربین ہیں بہر حال حضرت جبرائیل علیہ السلام یا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک خود تشریف لے آئیں تو ہزاروں ملائکہ بھی موجود ہوں گے ہی۔ جب تشریف لاتے ہیں تو کیا لے کر آتے ہیں؟ ہر چیز کی سلامتی، طلوعِ فجر تک ان کی آمد ورفت رہتی ہے۔

تیسری رات وہ رات ہے جسے لیلۃ المبارکہ اور شبِ برأت کہتے ہیں۔ یہ ماہ شعبان المعظم کی پندرھویں رات ہے، اسکے فضائل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات اس رات میں پہلے آسمان پر نزول کرتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ ہے کوئی گناہوں کی بخشش مانگنے والا؟ تاکہ میں اسے بخش دوں، ہے کوئی روزی مانگنے والا کہ میں اسے روزی دوں؟ ہے کوئی مجھ سے غرض مند سوالی کہ وہ سوال کرے اور میں اس کے سوال کو پورا کروں؟

لیلۃ المبارکہ نہایت مہربانی اور کمالِ بخشش کی رات ہے، جو کچھ مانگو مل جاتا ہے، اگر کوئی خلوصِ دل کے ساتھ اپنے دل کو تکبر سے پاک کر کے مانگے۔ اخلاصِ نیّت کے ساتھ مانگو گے تو مل جائے گا اور تمہاری ہر دعا قبول ہو جائے گی۔ اگر تم بارگاہِ خدا میں کھڑے ہو کر مانگو، دعا کرو، اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں۔ لیلۃ المبارکہ، شبِ برأت ایسی رات ہے جس میں اللہ تعالیٰ مخلوق کے معاملات جو آئندہ سال وقوع پزیر ہونے ہوتے ہیں مثلاً رزق کی کمی بیشی، پیدا ہونے اور مرنے

والے وغیرہ تمام امور فرشتوں کے سپرد کر دیتے ہیں۔

چوتھی رات جس کا قرآنِ پاک مین ذکر ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ (وہ ہر ماہ کے دسویں دن اور گیارھویں رات کی شب ہے) اللہ تعالیٰ نے اسکی قسم اُٹھائی ہے۔ انگریزی (شمسی تقویم) ماہ کے دنوں میں آدھی رات کے بعد اگلا دن (۱۲ بجے) شروع ہو جاتا ہے اور دن کے بارہ (۱۲) بجے تک دن ہی رہتا ہے اور دن کے بارہ (۱۲) بجے سے رات بارہ (۱۲) بجے تک رات تصور کی جاتی ہے۔ اسلام (قمری تقویم) میں شام کو رات شروع ہو جاتی ہے اور فجر تک رہتی ہے، فجر کے طلوع سے دن شروع ہوتا ہے اور شام یعنی غروبِ آفتاب تک رہتا ہے۔

سورۂ فجر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قسم ہے مجھے فجر کی اور قسم ہے دس راتوں کی، جفت کی اور طاق کی۔ جفت کہتے ہیں ان ہندسوں کو جو برابر دو حصوں میں تقسیم ہو جائیں جیسے دو، چار، چھ، آٹھ، دس، بارہ وغیرہ اور طاق کہتے ہیں ان ہندسوں کو جو برابر دو حصوں میں تقسیم نہ ہو سکیں یعنی ایک، تین، پانچ، سات، نو، گیارہ اور تیرہ وغیرہ۔ دس راتیں جفت یعنی متواتر راتیں ہیں اور جب دس راتیں ہوں تو دن بھی دس شمار ہوتے ہیں بعد ازاں اس رات کی بھی اللہ تعالیٰ نے قسم اُٹھائی ہے جو دس راتوں کے دسویں دن کے گزرنے کے بعد آئی ہے۔

وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ (الفجر، آیت ۴)
(قسم رات کی جب چلنے لگے)

یعنی تمام رات مراد ہے، یہ گیارھویں رات ہے "وہ رات جب گزری" یوں قرآن کے اندر گیارھویں شب کی بزرگی وعظمت کا ثبوت موجود ہے الغرض جن دس راتوں کی قسم قرآن اُٹھائے اور پھر گیارھویں رات کو بھی شامل کر لے تو ان راتوں سے بڑی رات بھی کوئی ہے؟ فرمایا "جو رات فجر تک گزری" دن (گیارھواں) شامل نہیں کیا ہے۔

مذکورہ بالا چار راتیں قرآن پاک میں متبرک راتیں ہیں۔ آخری رات جس کا ذکر کیا ہے یہ گیارھویں رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محی الدین حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی الحسنی والحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو عطا فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ان مبارک راتوں میں بصمیمِ قلب اللہ تعالیٰ کی یاد، ذکر، فکر اور عبادت و نیاز مندی کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین) وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

گیارھویں شریف

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ربِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدَالْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمُ النَّبِیّٖنَ شَفِیْعُ الْمُذْنِبِیْنَ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰینَا مُحَمَّدَنِ الْمُصْطَفٰی اَحْمَدَنِ الْمُجْتَبٰی عَلَیْہِ تَحِیَّۃُ وَالسَّلَامُ وَآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ عِبَادِہٖ الصَّالِحِیْنَ قَالَ اللّٰہِ تَعَالٰی فِیْ کَلَامِہٖ الْقَدِیْمِ قُرْآنِ الْعَظِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ **وَالْفَجْرِ وَلَیَالٍ عَشْرٍوَّ الشَّفْعِ وَالْوَتْرِ وَالَّیْلِ اِذَا یَسْرِ** صَدَقَ اللّٰہُ عَلِیُّ الْعَظِیْمِ

معلوم ہو کہ خداوندِ کریم جس چیز کی بھی قسم اُٹھا کر متوجہ کرے سو وہ معاملہ، وہ بات، وہ چیز نہایت اہم سمجھی جانی چاہیے (اللہ تعالیٰ نے دس راتوں کی قسم اٹھائی ہے) نیز احادیث بھی موجود ہیں، وہ رات نہایت ہی مبارک رات ہے۔ اجمالاً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جب عرش، لوح اور کرسی وقلم کو پیدا کیا تو دسواں دن تھا (اور گیارھویں رات تھی) احادیثِ عاشورہ تواتر کے ساتھ وارد ہیں اُنہیں دیکھ لیجئے۔ عاشورہ دسویں دن کو کہتے ہیں اور دسویں دن کے ساتھ گیارھویں رات متصل ہے۔ جس روز حضرت آدم علیہ السلام کے جسدِ خاکی میں حق تعالیٰ نے اپنا روح پھونکا اُس وقت بھی دسواں دن اور گیارھویں رات تھی۔ بعد ازاں جب (ملائکہ سے) سجدہ کرایا گیا تو یہی دن تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا سفینہ بھی دسویں دن متصل گیارھویں رات کو کوہِ جودی سے ہمکنار ہوا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نارِ نمرود گلزار ہوئی تو دسواں دن تھا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ادائے قربانی کی آزمائش سے سرخرو ہوئے اور تیغِ قضا سے بچ گئے تو اس روز بھی دسواں دن تھا، کیسا عظیم دن اور کیسی خوشیوں بھری رات تھی ذرا تصوّر تو کرو کہ کسی عمر رسیدہ صد سالہ بوڑھے کا کوئی نو عمر بچہ ہو اور اسے پھانسی کا حکم دیا جا چکا ہو اور واقعتاً لٹکا دیا جائے تو

اس بے یار و مددگار بوڑھے کو کس قدر غم ہوگا؟ کس قدر تکلیف پہنچے گی اور اگر معجزۂ الٰہی سے دفعۃً بیٹے کی پھانسی معطل و منسوخ ہو جائے اور اس کے لختِ جگر غنچۂ نوخیز کو آزاد کر دیا جائے تو اسکے عمر رسیدہ ماں باپ کو کس قدر خوشی ملے گی؟ کہ میرا بیٹا پھانسی کے پھندے سے صحیح سلامت زندہ نکل آیا ہے، وہ بہت خوشی منائیں گے، بہت کچھ خیرات کریں گے۔ سو جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو خدا کے حکم سے قربان گاہ میں لٹا دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے فدیہ کے طور پر دنبہ بھیج دیا اور ابراہیمؑ کی چُھری دنبے کی گردن کو چیر کر نکلی اور جب دیکھا کہ بیٹا اسمٰعیل معجزۂ الٰہی کے سبب زندہ ہے اور اللہ نے اسکی جان بچالی ہے تو ذرا تصور کرو کہ انہیں کس قدر مسرت حاصل ہوئی اور کس قدر جذبۂ تشکر سے حق تعالیٰ کی جانب دیکھا ہوگا، اُن کی والدہ کو کسقدر خوشی ہوئی ہوگی؟ ابراہیمؑ پر ایمان لانے والوں کو کسقدر خوشی ہوئی ہوگی؟ اور سیّدنا ابراہیمؑ کی خوشی کا عالم تو حدِ بیان سے باہر ہے کہ للہ الحمد میں امتحان میں بھی کامیاب ہوگیا اور میرا پیارا بیٹا بھی تیغِ قضا سے بچ نکلا، اس وقت ابراہیمؑ تشنہ جگر بھوکے پیاسے تھے اور جب کہسارِ الم کا بوجھ اُن کے سر سے ہٹ گیا تو وہ کسقدر مسرور اور مطمئن ہوئے ہوں گے؟ تم تو جب پالتو جانوروں کو ذبح کرتے ہو تو (سرکارؒ پر جذب کی کیفیت کا لمحہ) روز چُھریاں پھیرتے ہو جانوروں کی گردنوں پر (پس حضرت ابراہیمؑ اور ان کے وابستگان کے لئے دسویں دن کی گیارھویں) رات کیسی خوشی کی گزری ہے، یہ جو رات ہے، یہ رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود (حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو) عطا فرمائی ہے۔

بغداد میں عام رواج تھا کہ گیارھویں دن اور بارھویں رات کو اہلِ بغداد بڑی تعداد میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا (ماہانہ) ختمِ پاک باہتمام کیا کرتے تھے، غرباء و مساکین کو کھانا کھلاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور غوثِ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اسی روز ختم شریف کا اہتمام کیا، کھانا پکایا اور بہت زیادہ مقدار میں کھانا پکایا، کھانا پکاتے ہوئے خاصی دیر ہوگئی۔ آپؓ نے اپنے خادموں اور شاگردوں کو اندرون شہر بھیجا کہ جاؤ اور غریبوں مسکینوں کو دعوتِ طعام دو اور ساتھ لے کر آؤ تاکہ کھائیں پئیں۔ خدام اور شاگرد جس گھر کے دروازے پر جاتے وہاں سے یہی جواب ملتا کہ ''ہم کھا چکے'' کہیں سے یہ آواز بھی آتی کہ ''ہمیں نیاز پہنچ گئی ہے'' کوئی کہتا ''اس وقت ہمیں چنداں حاجت نہیں جب دن چڑھے گا تو دیکھیں گے'' چنانچہ اس دعوت میں شرکت کے لئے کوئی نہ آیا۔ جو چند خدام اور شاگرد تھے انہوں نے کھایا یا چند مریدین حاضر ہوئے چنانچہ بہت سارا کھانا بچ گیا۔ حضور غوثِ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت نہایت دلی غمزدگی کی حالت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ میں نے اسقدر کھانا پکایا، میرا کھانا اہلِ شہر نے نہیں کھایا، سو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

تشریف لائے اور ارشاد فرمایا ''بیٹا! غم کیوں کھاتے ہو؟ اتنے دل شکستہ کیوں ہو؟'' عرض کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں نے حضور کی دعوت کی تھی لیکن کوئی غریب و مسکین نہیں آیا، سارا کھانا یونہی پڑا ہے۔'' آپؐ نے فرمایا ''بیٹا! غمزدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ اہلِ بغداد آج کے دن کھانا اسقدر پکاتے اور تقسیم کرتے ہیں کہ کوئی غریب مسکین بھوکا رہا ہی نہیں، اگر کوئی بھوکا رہ جاتا تو تمہارے دروازے پر آتا، اسی وجہ سے کھانا بچ رہا ہے، اگر تمہیں اسی قدر شوق ہے تو تم ایک دن پہلے یہ اہتمام کرلیا کرو، تم دسویں دن اور گیارھویں رات یہ اہتمام کرلیا کرو۔''

گیارھویں رات ہی کیوں عطا کی گئی؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تیرھویں چودھویں رات کیوں نہ عطا کی گئی؟ گیارھویں میں کیا خوبی ہے؟ اس رات کو عطا کرنے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ ہاں یہ رات حضورؐ نے اس لئے عطا فرمائی کہ اس رات کو حق تعالیٰ نے بڑا بابرکت بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء پر جو انعامات کئے اُن میں اکثر اسی رات میں تکمیل یاب ہوئے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت غوثِ پاک کو یہ گیارھویں رات عطا فرماتے ہوئے اپنے مہر و کرم اور رضا کے ساتھ ساتھ اس مبارک رات کے انتخاب کی خود توجیہہ یوں ارشاد فرمائی کہ ''بیٹا! جب تم اہلِ بغداد سے ایک دن پہلے اہتمام کرو گے تو تمام اہلِ شہر تمہارے مہمان ہو جایا کریں گے۔'' چنانچہ حضور غوثِ پاکؓ نے تمام زندگی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ماہانہ ختمِ پاک اہلِ شہر کی روایت کی بجائے حضورؐ کے ارشاد کے مطابق گیارھویں شب کو کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ختم شریف حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نہیں بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ختمِ پاک ہے۔

گیارھویں شریف کا ختم پاک وہ ہے جسے حضور غوثِ پاک خود پیش کرتے رہے ہیں۔ بھئی ہم لوگ تو اپنے بزرگوں کا ختم اور ایصال ثواب اپنے بزرگوں کے وصال کے بعد ہی کرتے ہیں نا؟ فلاں بزرگ فوت ہوگیا اس کا ختمِ پاک یا عرس مقرر کرو، ختمات تو پس ماندگان ہی کرتے ہیں نا جو پیچھے رہ جاتے ہیں جبکہ غوثِ پاک تو خود گیارھویں شریف کا ختمِ پاک تمام عمر کرتے رہے، آخری عمر تک آپ نے اپنا معمول ترک نہیں کیا۔ اب آپ ہی بتائیں کہ کیا غوث پاکؓ خود اپنا ختم شریف دِلاتے تھے؟ نہیں بلکہ حضور ختمی المرتبت احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور اپنی نیازمندی کا اظہار فرماتے تھے اور حضورؐ کے حکم کے مطابق اس ختم شریف کی محفل کا اہتمام گیارھویں شب میں کرتے تھے، یہ بابرکت رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود عطا فرمائی تھی القصہ جب حضور غوث پاکؓ نے گیارھویں شب میں ختم شریف کا اہتمام کرنا شروع کر دیا تو شہرت ہوگئی، دہائی پڑگئی کہ تمام بغداد میں وہ واحد شخص تھے جو گیارھویں شب میں اہتمامِ ختم مبارک کرتے

تھے لوگوں نے کہنا شروع کیا ''وہ دیکھو پیر گیارھویں کرنے والا، وہ گیارھویں والا پیر، وہ پیر جو ہمیشہ گیارھویں شب میں نیاز پیش کرتا ہے کیونکہ بقیہ سارا شہر تو بارھویں والا تھا، اہلِ شہر گیارھویں دن اور بارھویں رات یہ اہتمام کیا کرتے تھے الغرض حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ گیارھویں والے پیر مشہور ہو گئے۔

چونکہ ہم لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امّت ہیں اور حضور غوث الاعظم سیّد عبدلقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہُ کے سلسلہ میں مرید ہیں (بلکہ) ہر راسخ العقیدہ سُنّی (کسی نہ کسی اعتبار سے) حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں موجود ہے خواہ وہ کسی بھی خاندان (سلسلۂ طریقت) سے تعلق رکھتا ہو کیونکہ (ہمارا اعتقاد ہے کہ) جب تک حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہُ کی جانب سے مُہر نہ لگے ولایت نہیں ملتی خواہ چشتی ہو، صابری ونقشبندی ہو اور خواہ سہروردی وقادری ہی کیوں نہ ہو بلکہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تو اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہُ دراصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا مظہرِ کامل ہیں اور جب تک حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہُ کسی کو ولایت عطا نہ کریں ولایت نہیں ملتی۔ سو میاں! حضور غوثِ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے یہ گیارھویں شریف کا ختمِ پاک خود کیا ہے اور ہم لوگ اُن کی تقلید میں یہ ختمِ پاک کرتے ہیں، اُن کی سنّت ادا کرتے ہیں۔ سنّت ادا کرنا سنّت ہے یعنی سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

ذرا دیکھو کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ایک پتّھر کے سایہ میں لِٹا کر خود پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر سعی کرتی ہیں، یہ صفا و مروہ ہے، دو پہاڑیاں ہیں، (بدن جُھلسا دینے والی دھوپ ہے اور وہ) کبھی اِس پہاڑی پر جاتی ہیں اور کبھی اُس پہاڑی پر اور گاہے پلٹ کر پھر بچے کے پاس چلی آتی ہیں، ایک نظر دیکھتی ہیں اور پھر چلی جاتی ہیں اور پھر پلٹتی ہیں، ماں بچے کا یہ اُنس اور لگاؤ بظاہر ایک قدرتی و دنیاوی رشتہ ہے، دنیاوی زندگی کا ایک حصہ ہے، آپ اپنے بچے کے لئے ہراساں و ترساں، نوکیلے پتھروں پر دوڑتی ہیں اور سعی فرماتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق چونکہ ایک نبیؑ کی بیویؑ اور ایک نبیؑ کی ماںؑ خواہ اپنے بچے کیلئے پانی کی تلاش میں بھاگ دوڑ کر رہی تھی، فرمایا ''میری اُمّت میں جو شخص اس سنّت (سعی) کو ادا نہیں کرے گا اُس کا حج قبول نہ ہوگا۔'' چنانچہ حجاج کو صفا و مروہ کے مابین سعی کرنی پڑتی ہے اُس جگہ جہاں اُن کے قدم خوں آلود ہوئے جہاں اُنہیں بھاگنا دوڑنا پڑا، اللہ تعالیٰ نے گواہی دی۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (البقرۃ، آیت ۱۵۸)

(بیشک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں)

صفا و مروہ کو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں بنا دیا کیونکہ وہاں اللہ والوں کے قدم لگے ہیں چنانچہ اللہ والوں کی سُنّت کو ادا کرنا نہایت ہی پسندیدہ، درست اور جائز ہے۔ میری سرکار (مخدوم العصر حضرت خواجہ محمد کریم اللہ عباسی قادری قدس اللہ اسرارہٗ) نے مجھے تاکید فرمائی کہ ''بیٹا! ہمارے لئے سنّتِ رسولؐ اور سُنّتِ مشائخ دونوں ضروری ہیں، رسولِ پاک کا طریقہ بھی اپناؤ اور اپنے پیر اور اپنے بزرگانِ دینؒ کا طریقہ بھی اپناؤ۔'' دراصل اہلسنّت والجماعت کا یہی طریق ہے۔ سنّتِ رسولؐ بھی ادا کرنا ہے اور پھر حضورؐ نے جو جماعت چھوڑی ہے اُس (کے اصولوں) پر بھی عمل کرنا ہے۔ اسی لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان وہ شخص ہے جو میری سنّت اور میرے خلفائے راشدینؓ کی سنّت پر عمل کرے۔

یہ رات جس میں ہم حضور غوثِ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی سنّت ادا کرتے ہوئے ایصالِ ثواب کرتے ہیں (دراصل) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ایصالِ ثواب کرتے ہیں، حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کیلئے ایصالِ ثواب کرتے ہیں، اہلِ بیت اطہارؓ اصحابِ رسولؓ بلکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا و مرسلین علیہم السلام اور جملہ اولیاء اللہ اور مومنین کیلئے ایصالِ ثواب کرتے ہیں اور یہ ایصالِ ثواب پہنچتا ہے۔ بہرحال یہ دن بالخصوص ایصالِ ثواب کی خاطر مقرر کیا گیا ہے، اس رات کا انتخاب کیا گیا ہے اور یہ رات نہایت ہی مبارک رات ہے، یہ رات خاص طور پر حضور غوث پاکؓ کو عطا فرمائی گئی ہے اور ہم اسی سنّت کے مطابق عمل کرتے ہیں، وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

سرکارِ عالیہ حضرت خواجہ محمد کریم اللہؒ کی تصانیف کا تعارف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی ھُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ نَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُوْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا وَنَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَلَا نَظِیْرَلَہٗ وَلَاضِدَّلَہٗ وَلَا مِثْلَ لَہٗ وَلَا مِثَالَ لَہٗ وَلَا مَثِیْلَ لَہٗ وَلَا زَوْجَ لَہٗ وَلَا وَلَدَلَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ غَوْثِنَا وَغَیْثِنَا وَعَوْنِنَا وَعَیَانِنَا وَمَلْجَانَا وَمَاوٰی نَا وَسَنَدِنَا وَشَفِیْعِنَا وَشَافِنَا وَمُشَفَّنَا وَکَرِیْمَنَا وَرَحِیْمَنَا وَرَؤُفِنَا وَرَفِیْعِنَا وَحَبِیْبَنَا وَطَبِیْبَنَا وَطَبِیْبَ قُلُوْبَنَا وَسُرُوْرِ عُیُوْنَنَا وَنُوْرِ اَجْسَادِنَا وَنُوْرِقُلُوْبِنَا وَنُوْرِ صُدُوْرِنَا وَنُوْرِ دِیْنِنَا وَنُوْرِ اِیْمَانِنَا وَنُوْرِ صَلٰوتِنَا وَنُوْرِ سَلَامِنَا وَنُوْرِ قَیَامِنَا وَنُوْرِ قَوْلِنَا وَنُوْرِ یَمِیْنِنَا وَنُوْرِ نُوْرِنَا وَسَیِّدِنَا وَمَوْلٰینَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ فِیْ کَلَامِہٖ الْقَدِیْمِ قُرْآنِ الْعَظِیْمِ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ **اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ** ، اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰینَا مُحَمَّدٍوَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ اِلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَعَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَاحَبِیْبَ اللّٰہِ۔

میرے دوستو! بھائیو! میں اس موقع پر حضور قبلہ والد ماجد فخرِ عالماں، قطبِ دوراں حضرت خواجہ محمد کریم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ بابرکات اور آپ کی حیاتِ پاک سے متعلق چند واقعات بیان کرنا چاہتا ہوں تا کہ حضور کے سلسلے کے وابستگان ومحبان کے علم میں، اُن کی یادداشت میں آپؒ کے تذکرۂ پاک کے کچھ نقوش قائم ہو جائیں۔ تاریخ یعنی بزرگانِ دین کی جو سوانح حیات لکھی جارہی ہے اور جو لکھی جاچکی ہے اس کا عنوان خود میں نے تجویز نہیں کیا بلکہ حضور قبلۂ عالم نے

اس کا نام تجویز کیا ہے۔ وہ سوانح حیات جس میں خاص طور پر حضور سخی احمد یار رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر خود حضور قبلۂ عالم کی ذاتِ پاک تک بزرگوں کے احوال ہوں گے، اس کا نام حضور قبلہ نے اپنی آخری عمر میں ''سیرۃُ الفقراء'' تجویز فرمایا۔ ''سیرۃُ الاولیاء'' نام کی کئی کتب ہیں لیکن ''سیرۃُ الفقراء'' نام کی کوئی کتاب نہیں ہے۔ حضور قبلۂ عالم نے اپنی زندگی میں حضرت سخی احمد یار رحمۃ اللہ علیہ اور غوث العصر حضرت محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ واقعات قلمبند فرمائے۔ دیگر واقعات اور اس کتاب کی تاریخی ترتیب وتدوین کی ذمہ داری مجھ پر عائد کی گئی تھی چنانچہ اس کتاب کی تکمیل وتدوین اور تکمیل کی کوشش میں، میں نے اپنی زندگی کے چالیس برس گزارے ہیں کیونکہ ہر واقعہ سچا وہ ہوتا ہے جسے کسی نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہو، میں محض سنی سنائی باتوں پر ہرگز اعتبار نہیں کرتا۔ وہ لوگ جو حضور قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ مریدین میں داخل تھے یا وہ دوست جو آپؒ کے والد ماجد حضرت خواجہ محمد عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ شہنشاہِ اولیاء کے سلسلے میں شامل تھے یا اُن کا شمار غوث العصر حضرت خواجہ محمد عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین میں تھا، یا آپ کے خلفاء کی قائم کردہ شاخوں میں جو چند مقتدر ہستیاں ہوئی ہیں جن کے حلقہ ہائے ارادت پورے پاکستان اور ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں ان تمام اہلِ نسبت کے مشاہدات کو احاطۂ تحریر میں لایا گیا ہے اور ترتیب دیا گیا ہے۔ کوشش یہ کی جارہی ہے کہ جس قدر بھی جلد ہو سکے حضور قبلۂ عالم حضرت خواجہ محمد کریم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تمام نثری وشعری تصانیف اشاعت پزیر ہوں اور ساتھ ساتھ آپؒ کی سوانح حیات کو بھی مکمل کر کے شائع کر دیا جائے تا کہ ہر دوست اہلِ ارادت اس سے مستفید ہو سکے

چالیس برس سے ایک بیش بہا خزانہ تھا گویا بحرِ معرفت کو ایک کوزے میں بند کیا گیا تھا جس سے صرف آپ کے مریدین ہی نہیں بلکہ عام لوگ بھی استفادہ کر سکتے تھے اور اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ سکتے تھے وہ بیش قیمت اثاثہ آج تک سب کی غفلت کی وجہ سے جوں کا توں پڑا رہ گیا ہے لیکن میں نے اپنی تگ و دو کو جاری رکھا ہوا ہے اور میں اسکی ترتیب میں مصروف رہا ہوں۔ اپنی زندگی کے آخری ایاّم میں حضور قبلۂ عالمؒ نے مجھے وصیت فرمائی کہ بیٹا! یہ میری مثنوی جس کا نام کلامِ عاشق (گنجِ عرفان) ہے، جو شخص میری اس کتاب کو پڑھ لے اُسے دنیا کی کسی اور کتاب کو پڑھنے کی ضرورت نہیں، جو شخص اس کتاب کو پڑھ کر عمل کر لے وہ گھر بیٹھے ولی اللہ ہو سکتا ہے۔''
جب حضورؒ اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا، پنجابی زبان میں لکھی گئی اس کتاب کا جب میں نے بغور مطالعہ کیا تو مجھے احساس ہوا کہ اس کتاب کو سمجھنے کے لئے دنیا کی ہر کتاب پڑھنے کی ضرورت ہے۔ اس کتاب کو کماحقہٗ سمجھنے کے لئے قرآن مجید بھی پڑھنا پڑتا ہے،

حدیثِ پاک بھی پڑھنی پڑتی ہے اور فقراء وعلماء کی کتب بھی پڑھنا پڑتی ہیں پھر کہیں جا کر اس کلامِ عاشق (گنجِ عرفان) کا علم حاصل ہوسکتا ہے۔ اس کتاب کا تحقیقی مطالعہ کرنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ حضورؒ نے بالکل سچ فرمایا تھا کہ جو شخص میری اس تصنیف کو پڑھ لے اسے دنیا کی کسی کتاب کو پڑھنے کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ اس کتاب میں تمام کتب کا نچوڑ ہے اور حضورؒ نے جو یہ ارشاد فرمایا تھا کہ جو شخص اس کتاب پر عمل بھی کرلے تو وہ گھر بیٹھے ولی اللہ ہوسکتا ہے تو اس کو بھی میں نے آزمایا۔

آپ (حضرت مخدوم العصرؒ) کا صرف یہی کلام (گنجِ عرفان) ہی نہیں اور بھی کُتب ہیں البتہ یہ وہ کتاب ہے جسے آپؒ نے صرف اٹھائیس برس کی عمر میں لکھا۔ اس کتاب کی تصنیف احبابِ طریقت کے پُر زور اصرار کے باعث ہوئی حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت سخی احمد یار رحمۃ اللہ علیہ کے بھی کچھ مریدین موجود تھے، حضرت خواجہ محمد عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بھی چند مریدین حیات تھے اور خیر آپ کے والد ماجدؒ کے تو قریباً تمام ہی مریدین موجود تھے۔ اِن احبابِ طریقت نے مل کر حضورؒ سے استدعا کی کہ یا حضرت! اپنی درویشی کے مطابق ہمارے لئے بھی کوئی لائحہ عمل تجویز کیجئے، کوئی چیز ہمارے لئے تخلیق کیجئے تاکہ ہمارے لئے مشعلِ راہ ہو۔ پہلے تو حضورؒ لیت ولعل سے کام لیتے رہے لیکن بعد ازاں جب دوستوں نے بے حد مجبور کیا تو تقاضائے احباب کو تسلیم کرنا ہی پڑا اور پھر یہ شہ پارہ (کلامِ عاشق، گنجِ عرفان) تخلیق ہوا۔ آپؒ نے کتاب کے باقاعدہ آغاز سے قبل کچھ اشعار ''سببِ تصنیف'' کے حوالے سے بھی لکھے ہیں، یہاں میں اس کتاب کا ''سببِ تصنیف'' آپ کے گوش گزار کرتا ہوں۔

عاشق ایہہ سی حرفیاں آکھیاں نی جدوں دوستاں آن سوال کیتا
کائی عشق دی گل سُنا سانوں اساں بینتی کردیاں سال کیتا
کرنا پیا قبول سوال یاراں تاں میں عشق والا ظاہر حال کیتا
کیتا صرف میں ردّ سوال یاراں عاشق ہور نہ کجھ کمال کیتا

(احبابِ طریقت کے بے حد اصرار کرنے پر اس عاشقِ حق نے یہ چند سی حرفیاں کہی ہیں۔ وہ مجھ سے بار بار التماس کرتے تھے کہ جس منزلِ عشق پر تُو پہنچا ہے اسکی کوئی بات، کوئی رمز واشارہ ہمارے لئے بھی بیان کر، دیکھ دوست تجھ سے استدعا کرتے پورا برس بیت گیا۔ بالآخر مجھے احباب کے تقاضے کو قبول کرنا ہی پڑا اور میں نے عشقِ ذوالجلال والاکرام کے اظہار کے

لئے زبان کو حرکت دی، میرے نزدیک یہ صرف احباب کے دیرینہ اصرار والتماس کی تکمیل ہے، میں ازخوداس کمالِ شعر گوئی پر چنداں نازاں نہیں)

نہ میں علم عروض دے واقفاں تھیں، نہ قافیہ نہ ردیف یارو
گلاں مِس ترسیّاں آکھیاں نیں جوں پکّیا فصلِ خریف یارو
لقمے لُون بے لونیاں روٹیاں دے، دستر خوان کچکول ضعیف یارو
دعوت عاشقاں دی عاشق کھاوندے نیں بھلا کھاوندے کدوں حریف یارو

(میں کوئی روایتی شاعر نہیں، نہ مجھے علمِ عروض (بحر وزن) پر مہارت ہے اور نہ قافیہ وردیف کی باریکیاں جانتا ہوں، میری باتوں کا ذائقہ ایسا ہے جیسے کسی گاؤں کے تنور میں پکی ہوئی معمولی بیسن کی روٹی، یا یوں سمجھ لیجئے جیسے خریف کی فصل (جوار اور مکئی کی فصل جو موسمِ خزاں کے دوران اساڑھ سے کاتک کے درمیان بوئی جاتی ہے) یا یوں سمجھ لیجئے کہ مجھ فقیر سے جو ضیافت ممکن ہوسکی ہے وہ صرف اسقدر ہے کہ روٹی کے پورے کہیں ادھورے ٹکڑے ہیں جن کے لقموں میں کہیں نمک ہے اور کہیں نہیں ہے لیکن یاد رہے کہ یہ عشقِ الٰہی کی دعوت ہے، فقراء کا دسترخوان ہے، اہلِ عشق کی دعوت میں عاشق لوگ پہنچ ہی جاتے ہیں اور باقی رہے فقراء کے حریف یعنی اہلِ دنیا تو ان کا منتظر کون ہے؟)

عاشق ایہہ سی حرفیاں آکھیاں نیں ویکھو پڑھوتے بنو صراف یارو
جیکر بھل ہووے کِتے لکھن اندر پکڑ قلم نوں کرو چا صاف یارو
ہووے غلط تے کرو معاف اس نوں اللہ تُساں نوں کرے معاف یارو
عاشق شعر سَندا کائی ولّ ناہیں نہ میں ماری ہے علم دی لاف یارو

(یہ سی حرفیاں وارفتۂ ازل ایک عاشقِ حق نے کہی ہیں گویا یہ کچا سونا ہیں جس میں ابھی پیتل شامل کرکے زیور نہیں بنایا گیا، اے دوستو! اس کلام کی خوبی کو پرکھو، پڑھو اور سمجھ کر اپنے عمل میں ڈھالو جس طرح سنار سونے کو کام میں لاتا ہے، اور اگر لکھنے میں کوئی املا یا قواعد کی غلطی دیکھو تو خود اپنے قلم سے درست کرلو۔ یہ ایک انسانی کلام ہے اس لئے اگر کہیں کوئی علمی کوتاہی پاؤ تو مجھے معاف کردو، خدا تمہیں معاف کرے۔ یہ سچ ہے کہ عاشق کو سن کا ہنر

(پٹ سَن سے رسّیاں بٹنے کا کام) بالکل نہیں آتا جس طرح روایتی شعراء شعر سَن کا ہُنر جانتے ہیں اور نہ ہی مین نے محض پڑھی پڑھائی علمی باتوں کے جاننے کے غرور میں بطور لاف گزاف یہ کتاب لکھی ہے، میں نے صرف اپنا مشاہدہ اور قلبی وارداتِ عشق کو بیان کیا ہے)

آؤ دوستو پڑھو تے سنو اِسنوں گل عاشقاں دی گل اصل یارو
موتی ایہہ دریا عرفان دے نی لبھ لین جنہاں ہووے عقل یارو
نال صدق یقین دے بنّھ تقویٰ ایہناں مسئلیاں تے کرو عمل یارو
عاشق وانگ انشاء اللہ حق والا وچہ زندگی دے پاؤ وصل یارو

(دوستو آؤ اور اس کلام کا مطالعہ کرو اور گوشِ دل سے اس آواز کو سنو اور یاد رکھو کہ اہلِ عشق کسی دنیاوی مفاد میں حقیقت کا چہرہ نہیں چُھپاتے اور محکم بات کرتے ہیں گویا اہلِ عقل ودانش کے لئے یہاں ایک دریائے عرفان موجزن ہے اور جابجا لُولُوئے معانی بکھرے پڑے ہیں، یہ معرفت کے موتی ہیں جو قلوب واذہان کو غنی بناتے ہیں۔ اے دوستو! اگر تم صدق ویقین کو اختیار کرتے ہوئے حق تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور ان معاملات کو اپنی زندگی کا جزو بنا لو تو انشاء اللہ جس طرح یہ عاشقِ حق بارگاہِ معلّٰی میں مقرب ہوا ہے تم بھی جیتے جی واصل باللہ ہو سکتے ہو)

دوڑو دوستو وقت ہے دوڑنے دا، سنو ایس کریم دی گل یارو
موتی مُنّجھہ دی لڑی پرو دِتّے جو کجھ پُچّھدے ساؤ لیتا حل یارو
موٹی نال زبان دے گل کیتی، جویں آوندا سی سانوں ولّ یارو
سودا نقد بہ نقد ہے عاشقاں دانہیں جان دے پہلک تے کل یارو

(دنیا وآخرت کی سرحد پر کھڑا ہو کر یہ کریم آواز دے رہا ہے، اچھی طرح کان کھول کر سُن لو کہ وقت کی رفتار تمہاری زندگی کی غفلت سے کہیں تیز ہے، مزید غافل ہونے کا مطلب ہلاکت ہے۔ یہ وقت پوری رفتار سے دوڑ کر منزل تک پہنچنے کا ہے، پوری طاقت سے دوڑو! تمہارے ہر سوال کا جواب اور تمہارے تمام مسائل کا حل پیش کر دیا گیا ہے اور نہایت ہی سادہ زبان (پنجابی) میں دقیق ترین معاملات کی وضاحت اور لائحہ عمل پیش کر دیا گیا ہے

گویا ادنیٰ ترین ڈور میں قیمتی ترین جواہر پرو دیئے ہیں، سیدھی سادی اور آسان زبان میں بات سمجھائی ہے جیسا ہم فقراء کا طریق ہے۔ دوستو! عُشّاق نقدِ حیات اور وصلِ معشوقِ حقیقی سے کم کسی شے پر راضی نہیں ہوتے اور نہ ہی ماضی و مستقبل کی لمبی یادوں اور اُمیدوں میں زمانۂ حال کو برباد کرتے ہیں)

خون جگر دا جام شراب کر کے آوَ پی لیئے رل مل یارو
دل گھڑی گھڑیال دی وجدّی اے، چلوّ چل آکھے پل پل یارو
نیر اکھیاں تھیں نامہ عمل والا آوَ دھو لیئے مل مل یارو
شمع یار تے مثل پروانیاں دی عاشق جاوندے نی جل بل یارو

(دوستو! آؤ ہم سب مشاہدہ وقربِ حق کے لئے مجاہدہ اختیار کریں اور اپنے خونِ جگر کو اپنا جامِ شراب بنائیں۔ دل کی دھڑکن والعصر کے الٰہی گھڑیال کی خبر دے رہی ہے۔ ایک ایک لمحے میں یہی صدائے عبرت گونج رہی ہے کہ ''غیر اللہ پر متوجہ ہونے والے ہلاک ہوگئے۔'' کہاں کا آرام کیسا قیام؟ آگے ہی آگے بڑھتے رہو، راہِ حق کے مسافروں کے لئے یہی فرمان ہے۔ آؤ دوستو! ہم اپنے آنسوؤں سے اپنے نامۂ اعمال کو دھو کر ایک بار پھر کورا کاغذ بنا دیں۔ اگر دعویٔ عشق ہے تو یاد رکھو کہ عاشق پروانوں کی مثل اپنے شمع رخسار معشوق پر جل کر خاکستر ہوئے بغیر نہیں رہتے)

تیراں سو تے بائی سی سنّ ہجری جدوں کیتا سی لکھن لکھا یارو
ٹھائی سال دی عمر نادان ہووے نہ درویش تے نہ پارسا یارو
ہووے کمی بیشی کرو معاف اِسنوں بار بار ایہو التجا یارو
اللہ اجر دیوے تُساں دوستاں نوں کرو عاشق دے حقّ دعا یارو

(دوستو! جب میں نے لکھنا شروع کیا تو اس وقت ۱۳۲۲ھ (بمطابق ۱۹۰۴ء) کا زمانہ تھا۔ اب تم خود ہی اندازہ کرو کہ صرف اٹھائیس برس کی نوخیز عمر تھی، نہ دعویٔ درویشی نہ ادّعائے پارسائی (لیکن جو کچھ لکھا وہ روحانی ووجدانی تجربہ اور صدقِ حال کی اساس پر لکھا) دنیا کی کہنہ عادت ہے کہ یہ ضمنی باتوں سے شکوک پیدا کر کے راہِ حق سے ہٹا دیتی ہے اس لئے بار بار میری یہی گزارش ہے کہ ظاہری عبارت کی کمی بیشی (بحر وزن، قافیہ ردیف)

قطعِ نظر کرتے ہوئے اصل مدعا ومغزِ معانی سے فائدہ اٹھاؤ، اللہ تعالیٰ تمہیں
اس کا نیک اجر عطا فرمائے اور جب تم منزلِ مراد سے آشنا ہو جاؤ تو عاشق کے
حق میں بھی دعا کرو)

اس کتاب (کلامِ عاشق، گنجِ عرفان) کے بارے میں حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ اس کتاب کی پہلی دو سیحر فیاں شریعت کے موضوع پر ہیں اور بقیہ طریقت وحقیقت اور معرفت کے جملہ معاملات ومسائل کے بارے میں ہیں۔ یہ بھی آپؒ نے فرمایا کہ وہ طریقہ جو قرآن وحدیث میں موجود ہے اور جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابِ رسولؓ کے عمل میں موجود ہے اس کے عین مطابق میں نے بیان فرمایا ہے، میں نے کوئی بات چھپا کر نہیں رکھی، میں نے (اُسلوبِ سخن میں) کسی شخص کی تقلید نہیں کی، میں کسی (تکلم برائے تکرار) کی دلیل سے بات کرنا نہیں چاہتا بلکہ میں نے وہ شے بیان کی ہے جو میرے مشاہدات میں ثابت ہے، آپؒ نے اپنے اس کلام میں یہ دعویٰ واضح طور پر فرمایا ہے کہ:

جو کجھ ویکھیائے سو کجھ دسّیائے ناہیں رکھیا کجھ لُکا یارا
(میں نے راہِ حق کی جانب تلقین میں بخل نہیں کیا اور نہ کسی شے کو
جان بوجھ کر چھپایا ہے بلکہ جو کچھ مشاہدہ کیا ہے سو بتا دیا ہے)

ایک اور جگہ آپ (اپنے واجدانہ اُسلوب کے بارے میں) فرماتے ہیں کہ ۔
عاشق عین الیقین تھیں حرف آکھے نہ تقلید تے نہ استدلال دی اے

بہر حال دیگر علمائے کرام، صوفیائے عظام اور اولیاء اللہ کے طریقِ نگارش اور حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے اُسلوبِ بیان میں یہ چیز نہایت نمایاں ہے کہ بعض بزرگوں نے حقیقت ومعرفت سے متعلق معاملات ومعارف کے لئے بالواسطہ اور علامتی انداز زیادہ اور بلا واسطہ مشاہداتی وتجرباتی طریق کم اپنایا ہے جبکہ حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے بلا واسطہ، براہِ راست اور تجرباتی وتجزیاتی ومشاہداتی اُسلوب کو اختیار کیا ہے جبکہ آپ سے قبل زیادہ صوفی روایت علامتوں، امثال اور پردہ در پردہ چلتی رہی ہے گویا معرفت کے معاملات سے متعلق امور کے لئے ایک خاص قسم کا لباس یعنی لبادۂ تشبیہہ ومجاز قائم رکھا گیا ہے، اگر وارث شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھیں تو انہوں نے اپنی ہیر وارث شاہ میں ہیر رانجھے کی کہانی کے حوالے سے کسقدر ضخیم کتاب پیش کی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وارث شاہؒ نے بھی دراصل محبوبِ حقیقی کے اسرار ہی کہانی کے وسیلے سے اجاگر کئے ہیں، بُلھے شاہ صاحبؒ بھی اپنے اسلوب اور شاعرانہ انداز میں وارث شاہؒ کی روایت کے قریب

ترین ہیں اور علامتی انداز زیادہ اختیار کیا ہے بلکہ بڑے سے بڑا درویش شاعر بھی دیکھیں اکثر نے امورِ معرفت پر واضح طور پر بات کرنے کی بجائے علامتی و مجازی اُسلوب و انداز کو بہت اہمیت دی بقول مولائے رومؒ ۔

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

یعنی وہ لوگ بہتر ہیں جو اپنے دوستوں کے رازوں کو راز ہی کی صورت بیان کرتے ہیں اور یوں دوسرے لوگوں کی باتوں اور کہانیوں کے ذریعے اسرارِ دوست کہہ جاتے ہیں یوں وہ ملامتِ دنیا سے صاف بچ جاتے ہیں۔ پُرانے زمانے کے لوگ اس اسلوب کو پسند کرتے تھے (شاید اس لئے کہ ان کے پاس خاصا فارغ وقت تھا) میری سرکارؒ نے قرآن وحدیث کے براہِ راست اسلوب کو اپنے وجدانی رنگ کے ساتھ اپنا کر چاروں منازل (شریعت، طریقت، حقیقت ومعرفت) کو قرآن وحدیث کی اسناد سے ثابت بھی کیا ہے اور کسی قسم کی افسانہ طرازی کا تکلف بھی نہیں اپنایا، کسی قسم کا حجاب نہیں رکھا مثلاً حدیث کی کسی بھی کتاب کو دیکھیں، بخاری، مسلم، ابوداوَد، نسائی ہو کہ ابنِ ماجہ، ''کتابُ الایمان'' ہی سے شروع ہوتی ہیں، حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مثنوی شریف (گنجِ عرفان) کو بھی ''کتابُ الایمان'' ہی سے شروع کیا ہے، فرماتے ہیں ۔

الف آ ایمان لیا پہلے تاں ایہہ ہون درست اعمال میاں
ایہہ ایمان بنیاد اسلام دی اے بے بنیاد دیوار زوال میاں
میاں جس ایمان درست ناہیں، جاہل اوہ ابلیس دے نال میاں
عاشق لیا ایمان تصدیق دل تھیں، سارے صدق تھیں پان کمال میاں

(اے دوست! تمام بھلائیوں کی بنیاد ایمان ہے۔ تو ایمان لاتا کہ تیرے تمام اعمال درست ہو جائیں۔ ایمان ہی اسلام کی بنیاد ہے اور تُو جانتا ہے کہ کوئی دیوار بنیاد کے بغیر کھڑی نہیں ہوتی۔ اگر ایمان ہی نہیں تو اعمال کی دیوار ڈِھ جائے گی۔ جس شخص کا ایمان ہی درست نہ ہو وہ بالآخر اپنی جہالت کی وجہ سے شیطان کا ساتھی بن جاتا ہے، اے عاشق تو سچے دل سے ایمان لا کیونکہ اس دنیا میں تمام اہلِ کمال صرف ایمان کی سچائی ہی کے ذریعے درجۂ کمال تک پہنچے ہیں)

بعدازاں آپؒ ایمان وکفر کی تفریق یوں فرماتے ہیں ۔

ب باہجہ ایمان دے عمل ضائع پہلے لیا ایمان خدا اُتّے
منّیں سبّھ ملائکہ انبیاء نوں، لیا ایمان ختم الانبیاء اُتّے
من ساریاں کتب صحیفیاں نوں، لیا ایمان توں قدر قضا اُتّے
عاشق حق ہے مرن دے بعد اُٹھن، لیا ایمان توں روز جزا اُتّے

(ایمان کے بغیر عمل ضائع ہو جاتا ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کہ وہی معبودِ برحق ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تمام انبیاء و مرسلین اور بالخصوص خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لا، تمام آسمانی کتب و صحائف اور تقدیر کے خیر و شر پر ایمان لا، اے عاشق مرنے کے بعد جی اُٹھنے اور روزِ جزا پر ایمان لا جب تمام مخلوق کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا)

آپؒ نے ایمانِ مجمل کا ذکر کیا ہے۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ

اس کا ترجمہ چار مصرعوں میں کر دیا ہے بعد ازاں اسکی ہر ایک شِق کو لیا ہے اور اسکی وضاحت بیان فرمائی ہے کہ ایمان باللہ کیا چیز ہے؟ سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا کسے کہتے ہیں؟ دیگر انبیاء و مرسلین پر ایمان اور ملائکہ پر ایمان لانا کیا معنی رکھتا ہے، روزِ جزا اور مرنے کے بعد اُٹھ کر حساب دینا احکامِ رسالت مآب کی روشنی میں کیا اہمیت رکھتا ہے یوں شریعت کے موضوع پر دوسی حرفیوں کے بعد امورِ طریقت کا آغاز فرمایا ہے، اس حصے میں بھی آپؒ نے قرآن وحدیث کو پیشِ نظر رکھا ہے اور طریقت کے اصولوں کو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ آپ کے کلام میں یہ خاص کمال ہے کہ آپ نے ہر چیز اور ہر معاملہ بالکل قرآن وحدیث کے مطابق بیان کیا ہے یہی وجہ ہے کہ کوئی اہلِ ایمان آپ کے کلام پر اعتراض نہیں کر سکتا۔ آپ نے بعض اختلافی معاملات کو بھی رفع کیا ہے اور بعض مسائل کا واضح حل پیش کیا ہے اور اپنی توجیہات کی اسناد قرآن وحدیث سے پیش کی ہیں۔

حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پنجابی سی حرفیات کے ایک اور مجموعے کا نام ''رموزِ عشق'' رکھا ہے (''بُرہانِ عشق''، مطبوعہ ۱۹۹۶ء) رموزِ عشق میں آپؒ کی قریباً سات آٹھ سی حرفیاں

ہیں (صاحبزادہ شبیر احمد کمال دامت برکاتہم العالیہ کی تدوین کے بعد ہم مزاج تین سی حرفیاں ''برہانِ عشق'' اور بقیہ ہم مزاج سی حرفیاں ''دیوانِ عشق'' کے نام سے مطبوعہ ہیں) رموزِ عشق (بُرہانِ عشق) کی آخری سی حرفی میں آپؒ نے الف سے لے کر ''ے'' تک حروف کے اشارات بیان کئے ہیں یعنی یہ کہ الف کیا چیز ہے؟ ''ب'' کیا چیز ہے اور ''جیم'' کسے کہتے ہیں۔ آپؒ نے ہر حرف کے وہ مقامات جو انسانی عقل سے ماوراء ہیں بیان فرمائے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ بابرکات کے کمالات کی بھی توصیف بیان کی ہے، ان سیحرفیات میں سے میں چند اشعار حاضرین کو سنانا چاہوں گا۔ رموزِ عشق (بُرہانِ عشق) کی پہلی سی حرفی میں آپؒ نے حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ کے منظوم فارسی رسالہ ''اسرار نامہ'' کے اشعار کا منظوم پنجابی ترجمہ پیش کیا ہے مثلاً حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

عقل بر اسباب می دارد نظر

عشق می گوید مسبب را نگر

(عقل کہتی ہے کہ اسباب پر نظر رکھ، عشق کہتا ہے کہ مسبب الاسباب (حق تعالیٰ) کو دیکھ)

عقل کا تقاضا یہی رہتا ہے کہ اگر تم یوں کرو گے تو یوں ہو جائے گا، اگر یوں نہ کرو گے تو یوں نہ ہو گا۔ تمہارے سامنے اسباب بکھرے پڑے ہیں اور تم اسباب کی دنیا میں مقیّد ہو، یہاں کوئی کام بغیر سبب نہیں ہو سکتا اس لئے کوئی نہ کوئی سبب تلاش کر، عقل اسباب کی محتاج ہے لیکن عشق کہتا ہے کہ اس مسبب کو تلاش کر جس نے اسباب کو پیدا کیا ہے، ایک شعر اور دیکھئے ۔

عقل گوید دنیا و عقبیٰ بجاؤ

عشق می گوید بجز مولیٰ مجاؤ

(عقل کہتی ہے کہ دنیا و آخرت اکٹھی کر لے، عشق کہتا ہے کہ سوائے مولیٰ کسی کی پناہ نہ پکڑ)

عقل تو صرف یہی کہتی رہتی ہے کہ دنیا اپنی خاطر جمع کر، دنیاوی وسائل ڈھونڈ کر اپنے قبضے میں کر کے محفوظ ہو جا اور حاصل کردہ مال و زر میں سے کچھ راہِ خدا میں خرچ کر کے آخرت کا گھر بھی اپنے نام کر لے یوں دنیا و آخرت دونوں کے لئے پوری کوشش کر، اپنی زندگی دنیا اور آخرت کے وسائل جمع کرنے میں گزار دے یوں دونوں جہان کی عیش و عشرت پر تیرا قبضہ ہو جائے گا لیکن عشق کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہرگز کسی کی پناہ نہ لے اور سوائے حق تعالیٰ کسی کو تلاش نہ کر۔ نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ "طالبِ دنیا کو دنیا دے دی جاتی ہے" (یعنی اُسے دنیا کے سپرد کر دیا جاتا ہے) شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر اور دیکھئے۔

عقل گوید شادی و مرہم بلب
عشق گوید درد و سوز و غم طلب
(عقل کہتے ہے دل کا عیش اور جسم کی بیماری کا علاج ڈھونڈ، عشق کہتا ہے درد وسوز وغمِ معشوق حاصل کر)

عقل کہتی ہے دنیا جہان کے آرام وعیش کی خوشی اپنے دل وجاں کے لئے ڈھونڈ لے، ہر وہ شے جو تجھے فائدہ دے حاصل کر لیکن عشق کہتا ہے کہ اپنے یار کا درد، سوز اور غم مانگ لے، سرکار قبلۂ عالمؒ نے یوں بیان فرمایا ہے:

جنہیں غم غمخوار خرید لیا اوہدے غم ہوئے سارے تَم یارو
جنہیں غم غمخوار خریدیا نہیں اوہنوں سیکڑوں غم الم یارو

فرماتے ہیں کہ جس بے درد نے اپنے محبوبِ حقیقی خداوندِ کریم کا غم اپنی جان میں اختیار نہیں کیا اس کے دیگر رنج والم مٹ نہیں سکے، رب تعالیٰ بھی فرماتا ہے۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد، آیت ۲۸)

فرمایا کہ اللہ کی یاد، اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہو جاتے ہیں، پہلے سے لاحق تمام دُکھ دور ہو جاتے ہیں، جب دل اللہ کا ذاکر بن جاتا ہے تو کچھ غم نہیں رہتا، اسی لئے آپؒ نے فرمایا ہے کہ جس نے محبوبِ حقیقی کا غمِ ہجر اپنا لیا ہے یہ ایسا غم ہے جو دنیا و مافیہا کے تمام دکھوں کا علاج بن جاتا ہے۔ پھر کوئی اور غم نہیں رہتا اور جس نے اس کا غم نہیں اپنایا اُسے سیکڑوں غم لاحق ہو جاتے ہیں، آپؒ فرماتے ہیں:

عقل تیری اسباب نوں دیکھدی اے تے عشق رب نوں باہجھ سبب یارا
(عقل محض اسباب کو دیکھتی ہے جبکہ عشق رب تعالیٰ کو بغیر کسی سبب کے دیکھتا ہے)

یہاں ایک واقعہ سناتا ہوں، حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تصوّف کے بہت بڑے امام گزرے ہیں، اُن کا ارشاد ہے کہ خداوندِ کریم پر جب بھی ایمان لاؤ بغیر کسی دلیل کے لاؤ، دلائل کی ضرورت نہیں۔ امام فخر الدین رازیؒ خداوندِ کریم کی ذات کے ہونے کی سو (۱۰۰) دلیلیں جانتے تھے، آپ ایک گرم دوپہر کے وقت کسی جنگل سے گزر رہے تھے کہ پیاس کی شدّت سے حلق میں

کانٹے پڑ گئے، ایک گڈریا نظر آیا جو اپنی بھیڑ بکریاں چرا رہا تھا۔ آپؒ نے اس سے پانی مانگا، وہ دینے پر آمادہ ہو گیا لیکن آپؒ نے (فخرِ علمیّت سے) اس سے کہا کہ ''میں عوضانہ بھی دے سکتا ہوں'' گڈریئے نے پوچھا ''کیا دے سکتے ہیں؟'' کہنے لگے ''میں رب تعالیٰ کے وجود کے حق ہونے پر سو دلیلیں جانتا ہوں۔'' گڈریئے نے ہنس کر کہا ''مولوی صاحب! یہ دلیلیں وغیرہ آپ اپنے پاس ہی رکھیں، میں آپ کو پانی پلا دیتا ہوں کیونکہ ہم (جنگلی لوگ) بغیر کسی دلیل کے ہی اللہ کو مانتے ہیں۔'' گڈریئے نے بکری کا دودھ دھو کر پلا دیا اور فخر الدین رازیؒ جب اپنی منزلِ مقصود پر پہنچے تو ان کا آخری وقت آ گیا۔ جب بھی کسی شخص کا آخری وقت آتا ہے تو اس کا نامۂ اعمال اُس کو دکھایا جاتا ہے محض برائے تصدیق تاکہ بروزِ قیامت منحرف نہ ہو، جب فخر الدین رازیؒ نے اپنا نامۂ اعمال دیکھا تو (ششدر رہ گئے) جب کوئی بندہ گنہگار ہو تو وہ مرنے سے ڈرتا ہے اور خوف کی وجہ سے اسکی داڑھی پھول جاتی ہے اور زردی چھا جاتی ہے، بعض لوگ کہتے ہیں ناک کی ہڈی ٹیڑھی ہو جاتی ہے یعنی خوف زدہ نظر آتا ہے اسی لئے جب کوئی انسان قریب المرگ ہو تو اسے زبردستی کلمہ پڑھنے پر مجبور کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے منع فرمایا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ بدحواسی میں انکار کر دے اور کفر کی موت مرے، اس موقع پر حکم یہ ہے کہ جب کوئی بدحواسی کا شکار ہو تو اس کے اِردگرد کھڑے لوگ باآوازِ بلند کلمہ طیبہ کا ورد کریں جس سے اسکی بدحواسی دور ہو جائے گی اور مسلسل کانوں میں آواز پڑنے کے سبب وہ اس وردِ مبارکہ سے مانوس ہو جائے گا اور دل وجان سے وہ بھی آواز کے ساتھ آواز ملاتے ہوئے (یا دل میں) کلمہ طیبہ پڑھنے لگے گا۔ القصّہ اپنے آخری وقت میں شیطان بھی قریب المرگ لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمَا عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ (الاعراف، آیت ۲۲)

(بیشک شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے)

یاد رکھو یہ انسان کو جیتے جی بھی تنگ کرتا ہے اور بوقتِ مرگ بھی مقابلہ کر کے پریشان کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ کوئی مسلمان ہو کر نہ مرے بلکہ کافر ہو کر مر جائے، وہ اپنی دلیلوں سے قریب المرگ شخص سے مقابلہ کرتا ہے، کہتا ہے ''کلمہ پڑھتے ہو؟'' وہ شخص کہتا ہے ''ہاں'' پھر پوچھتا ہے ''تیرا ایمان ہے؟'' وہ کہتا ہے ''ہاں'' شیطان پوچھتا ہے ''تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ خدا کا کوئی وجود ہے'' وہ کہتا ہے کہ ''زمین اسکی نشانیاں ہیں خود ہر چیز اسکی شہادت دے رہی ہے؟'' وہ مسکراتا ہے اور کہتا ہے ''زمین وآسمان اور یہ چیزیں کس طرح گواہی دے رہی ہیں؟'' وہ

کہتا ہے کہ ''یہ سب چیزیں خود ان چیزوں کا وجود اسکی شہادت دیتا ہے کہ زمین و آسمان اور ہر چیز کو اس نے بنایا ہے کیونکہ کوئی چیز از خود نہیں بن سکتی۔'' شیطان کہتا ہے ''پھر خدا کو بھی کسی نے بنایا ہوگا، خدا کو کس نے بنایا ہے؟'' شیطان کے اس طرح بدحواس کرنے والے سوالات سے قریب المرگ آدمی (جسکی یوں بھی عقل کمزور ہو چکی ہوتی ہے) بدحواس ہو جاتا ہے، اسکو سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کس طرح شکست دے کر بھگا دے بالآخر شیطان اس پر غلبہ پا جاتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ مرنے والا خدا کا منکر ہو جائے اور میرا کلمہ پڑھکر جائے یعنی کفر پر مرے اور خدا اور رسول کا کلمہ نہ پڑھے۔ چنانچہ جب فخر الدین رازی کے سامنے شیطان آ گیا تو شیطان نے آتے ہی کہا ''اے رازی بھائی جان! ذرا ثابت تو کر کہ واقعی خدا ہے۔'' رازی نے کہا یہ کیا مشکل ہے ابھی ثابت کرتا ہوں۔'' رازی نے ایک (منطقی) دلیل دی (منطق منطق کو کاٹ دیتی ہے) شیطان نے (اپنی منطق) سے اس دلیل کو ردّ کر دیا، رازی نے پھر دوسری دلیل دی، پھر تیسری، شیطان اسکی ہر دلیل کو ردّ کرتا چلا گیا۔ شیطان خود بڑا عالم ہے میاں! یہ نہ سمجھنا کہ وہ جاہل ہے، بہت بڑا عالم ہے، اس کے علم کا مقابلہ دنیا میں کوئی لاکھوں میں ایک کرتا ہے الغرض ننانوے دلیلیں رازی دے چکے اور شیطان اسی کی منطق سے اُنہیں ردّ کر چکا تو بقیہ صرف ایک دلیل رہ گئی۔ فخر الدین رازی کے پیر و مرشد بہت دور افتادہ کسی علاقے میں رہتے تھے، وضو کرنے لگے، ابھی نصف وضو ہی کیا تھا اور نصف باقی تھا کہ فخر الدین رازی کا خیال آ گیا اور توجہ اس طرف مبذول ہو گئی، کیا دیکھتے ہیں فخر الدین کا آخری وقت ہے اور اُس کا شیطان سے مقابلہ جاری ہے۔ آخری دلیل باقی تھی اگر اس دلیل کو بھی شیطان ردّ کر دیتا تو رازی کو بھی ماننا پڑتا کہ ربّ کوئی نہیں ہے۔ رازی کے پیر و مرشد نے وہیں سے آواز دی ''اے فخر الدین رازی! شیطان کے سامنے اور دلیل پیش مت کر، اس نے تیری ہر دلیل کو ردّ کر دیا ہے، جو ایک دلیل رہ گئی ہے یہ اسے بھی ردّ کرنا جانتا ہے، اس گڈریئے کی بات یاد کر جس نے کہا تھا کہ میں بغیر کسی دلیل کے اللہ پر ایمان رکھتا ہوں۔'' جب شیطان نے رازی سے کہا کہ ''ہاں اپنی آخری دلیل بیان کر'' تو رازی نے کہا ''او مردود چل دفع ہو جا، ہم بغیر کسی دلیل کے اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔'' شیطان نے جب یہ سنا تو چیخیں مارتا ہوا بھاگ کھڑا ہوا اور یوں فخر الدین کا ایمان بچ گیا، سو حضرت مخدوم العصر فرماتے ہیں۔

عقل پیا اسباب نوں ویکھدا اے، عشق ربّ نوں باجھ سبب یار و

عشق اسباب کو نہیں دیکھتا کیونکہ وہ رب تعالیٰ کو دیکھتا ہے اور بغیر کسی سبب کے دیکھتا ہے، فرماتے ہیں۔

عقل ڈھونڈ دائے دنیا آخرت نوں، عشق ویکھدائے ہر دم ربّ یارو
عقل آکھدائے علم و ہنر سِکّھیں، عشق ہستیوں گزرنا جھب یارو
عقل کھان تے پین ہنڈان دسّے عشق آکھدائے ترک سبب یارو
عاشق عقل آکھے کرو خوشی ہر دم عشق سوز تے درد طلب یارو

(عقل اسباب کی تلاش میں ہے اور دنیا وآخرت کو جمع کر لینا چاہتا ہے جبکہ عشق حق تعالیٰ کو دیکھتا ہے عقل کا توکل اور بھروسا علم وہنر پر ہے اور عشق ایسا متوکل ہے کہ ہستی ہی سے گزر جاتا ہے۔ عقل کھانے پینے میں ضائع ورائگاں ہے اور عشق اسباب کو ترک کر کے حق تعالیٰ کو غیرت دلاتا ہے اور بالآخر مسبب الاسباب توجہ فرماتا ہے۔ اے عاشق عقل کا تقاضا تو صرف یہ ہے کہ ہر پل آرام وعیش سے کٹے جبکہ عشق اپنے معشوقِ حقیقی کا درد وسوز طلب کرتا ہے۔ دوستو! ان دونوں میں کس قدر فرق ہے؟ ایک کی منزل دوسرے کی گمراہی ہے)

بعدازاں حضور قبلہٗ عالمؒ فرماتے ہیں۔

کُنتُ کَنزًا مَخفِیًا فَاَحبَبتُ رب عشق تھیں کُل ظہور کیتا
آپنے نور تھیں زمیں اسمان سارے نال شوق مولیٰ نور و نور کیتا
مظہر ذات دا جان ہر چیز تائیں جے توں وحدت دا جام طہور کیتا
عاشق عشق ہے جان تے جسم عالم جانے اوہ جس عقل شعور کیتا

(وہ خود فرماتا ہے کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا مجھے محبت ہوگئی اور یوں عشق ہی سے اس نے تمام موجودات کو پیدا کیا، اس کے عشق کے نور نے زمین سے آسمان تک ہر شے کو اپنے نور سے بھر دیا اگر وحدت الوجود کے جذبۂ واجدانہ کی شراب کا نشہ تجھے نصیب ہو جائے تو تجھے معلوم ہو کہ ہر چیز اسی کی ذاتِ بے مثال کی مظہر ہے۔ اے عاشق اس کائنات کی اصل روح عشق ہی ہے اور یہ روحِ عشق جس جسم میں زمزمہ پرداز ہے اس کا نام ہی کائنات ہے لیکن اس حقیقت کو صاحبانِ عقلِ اعلیٰ ہی سمجھ سکتے ہیں)

اس کتاب کے آخر میں ایک ''سی حرفی در حروفِ تہجی'' بھی معجز نما شاہکار ہے، اس میں سے بھی کچھ سنانا چاہوں گا۔

''ء''، الف ہو کے ڈِنگی شکل یارو نام ہمزیوں چا دھرایا جے
ورنہ الف ہمزہ اصل وچہ اِکّو سانوں عالماں ایہہ فرمایا جے
فرق صرف، ہر جا ہے الف ساکن، ہمزہ نال حرکت ہر جا آیا جے
حرکت واسطے الف نوں پڑھن ہمزہ عاشق پیر بھی ایہو سمجھایا جے

(''ء'' (وراء الوراء) ہمزہ کی طرف توجہ کرو جو اصل میں الف ہی ہے لیکن ہمزہ کہلاتا ہے۔ فرق صرف اسقدر ہے کہ الف ساکن (سُنّتُ اللّٰہِ لَا تَبۡدِیۡلاً) ہے اور ہمزہ متحرک (کُلَّ یَوۡمٍ ھُوَفِیۡ شَاۡنٍ) ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا طریق تبدیل نہیں ہوتا لیکن وہ ہر آن نئی شان میں ہے۔ اے عاشق جسطرح صرف حرکت کے لئے الف کو ہمزہ (جرأت) پڑھا جاتا ہے اسی طرح واحد اللہ تعالیٰ کی تجلیات متفرق ہیں اور اسکی تجلیات میں تکرار ہرگز نہیں ہوتی جبکہ وہ باعتبارِ ذات وراء الوراء ہے، مجھے اس خُمخانۂ ذات کا مشاہدہ اپنے ہادی و مرشدؒ کی مدد سے حاصل ہوا)

اس کے علاوہ حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور شعری مجموعہ ''سی حرفیات مُستزاد'' بھی موجود ہے اس میں چارسی حرفیاں شامل ہیں۔ یہ کتاب (''میزانِ عشق'' مطبوعہ ۱۹۹۱ء، باہتمام صاحبزادہ شبیر احمد کمال عباسی دامت برکاتہم عالیہ) اس لحاظ سے نمایاں ہے کہ اس میں حضورؒ نے علم اور عشق کا فرق بیان فرمایا ہے، اس کتاب میں سے بھی کچھ سنانا چاہوں گا، کتاب کا آغاز یوں ہوتا ہے۔

الف الٰہی پاک منزّہ ہے بے مثل مثالوں، وہم خیالوں
صرفی نحوی پڑھ پڑھ بُھلّے صیغے ماضی حالوں، استقبالوں
عالم فاضل مفتی مُلّاں آکھن دید محالوں، خوف جلالوں
عاشق وانگ پتنگاں جلدے، اوپر شمع جمالوں، عین وصالوں

(بے شک اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک اور منزّہ ہے۔ کوئی ایسی مثل نہیں جس سے اسکی مثال دی جاسکے اور نہ ہی وہ وہم و خیال میں سما سکتا ہے۔ صرفی نحوی لوگ ماضی حال مستقبل کے گرامری صیغے پڑھ پڑھ کر بھولتے رہے اور مفتی مولوی یہ شور مچاتے رہے کہ لقائے حق محال ہے حالانکہ یہ نفس پرست بزدل لوگ تھے (یہ نہ جانے کہ اللہ نے انسان کو پیدا ہی اپنے قرب

ودیدار کیلئے کیا ہے) خدائے ذوالجلال کے عاشقوں کو دیکھو وہ جمالِ ایزدی پر اس طرح نثار ہو کر صاحب وصال ہو گئے جس طرح شمع کی لاٹ پر پروانے قربان ہوتے ہیں)

ب۔ بے خبراں نوں کیہہ خبراں لذّت عشق گرامی، نشہ مدامی
عشقوں واصل باللہ ہوئے عارف مرد تمامی، رومیؒ، جامیؒ
نہ ایہہ مسئلہ وچہ ہُدائے، نہ وچہ شرح حسامی شاشی شامی
عاشق جام وصل دا پی کے پھر دے مست مدامی، عیش دوامی

(وہ لوگ جنہوں نے معشوقِ حقیقی کو پیٹھ دکھائی (اور علمِ دین کو اپنے پیٹ کے دوزخ کی حرص میں ضائع کیا اور لالچ کے جہنم میں جا گرے) وہ غافل لوگ کیا جان سکتے ہیں عشقِ الٰہی کا کیا تقدس ہے اور اسکی راحت میں کیسا عروج ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔ تمام عارفینِ رومیؒ و جامیؒ عشق ہی سے واصل باللہ ہوئے در حقیقت یہی مردانِ حق ہیں۔ یہ معاملاتِ قربِ حق ظاہری مسائل کی کتابوں میں درج نہیں ہیں۔ شرح حسامی و شاشی شامی میں ان ابدی حقائق کا ذکر کہاں؟ اہلِ عشقِ حق جامِ وصل سے مخمور ہیں اور عیشِ دوام اور مستیٔ مدام اُن کو حاصل ہے)

ت۔ تقریراں پڑھ پڑھ عالم فاضل کردے سارے عقلاں مارے
آپس اندر جھگڑے بحثاں کردے پھرن نکارے، ہمت ہارے
آکھن ایتھے ہووے ناہیں درشن کسے سوہارے، حکم غفارے
عاشق ویکھ ہوئے متحیّر زلفاں یار پیارے، ماہ رخسارے

(جیسی نیّت ویسی مراد، بہت سے مولوی تم دیکھو گے کہ صرف اس لئے پڑھتے ہیں کہ تقریریں کر سکیں سو مغز کھپا کھپا کر، بندروں کی طرح منبروں پر اُچھل اُچھل کر اسقدر شور مچا چکے کہ آج فاتر العقل ہو چکے ہیں، نتیجہ ظاہر ہے، جہاں جمع ہوتے ہیں جھگڑا افساد لازم ہے۔ دراصل یہ کم ہمت لوگ ہیں جنہوں نے معرفت نفس کے لئے مجاہدہ کو اپنی فطری بزدلی و نامردانگی کی وجہ سے اختیار نہیں کیا۔ ان کی صرف ایک ہی رٹ ہے کہ یہاں کسی کو دیدارِ الٰہی نہیں ہو سکتا، یہ لوگ ہر انسان کو اپنے جیسا مردود اور بد قسمت سمجھتے ہیں اس

لئے خدا کی رحمت سے خود بھی مایوس ہیں اور دیگر لوگوں میں بھی مایوسی پھیلا رہے ہیں، یہ جھوٹے ہیں جو خدا کا نام لے کر لوگوں کو ابلیس کی مایوسی کی راہ دکھاتے ہیں۔ سبحان اللہ ایک وہ خوش نصیب ہیں جنہیں نعمتِ عشق نصیب ہے وہ اپنے محبوب کے ماہِ رخسار کا دیدار کرتے ہیں اور حسنِ معشوق کے جلوؤں اور راز و نیاز کی زلفوں کو دیکھ کر عالمِ حیرت و تحیّر میں ذاتِ قدیم کی جانب محوِ پرواز ہیں)

فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مَنْ رَأنِیْ فَقَدْ رَاءَ الْحَقْ (جس نے مجھے دیکھا بے شک اس نے حق دیکھا) (اہلِ جذب وعشق اگر یہ معنی بھی مراد لیں تو لے سکتے ہیں کہ) جس نے ربّ تعالیٰ کو دیکھنا ہو وہ مجھے دیکھ لے، حق کے طالب حضور کی زلفیں دیکھ کر ہی ساری زندگی کے لئے سرمست وحیراں ہوگئے ہیں۔ بعدازاں حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

ث۔ ثابت میں دل وچہ کیتا اِکّو یار اِکلّا جانو اللہ
لا اِلٰہ اِلاّ اللہ تھیں دل دی ہوئی تسلاّ کم سَولاّ
علماں والے جھگڑا پاندے، دسّن کم اَولاّ خیری سَلاّ
عاشق نہ غم دوزخ جنّت لوکاں بھانے جھلاّ چنگا بھلاّ

(میرے دل میں تو بس ایک ہی دوست مستقل رہتا ہے بس اللہ، میرے دل کی تسکین تو صرف لا الٰہ الا اللہ سے ہوئی اسی نے میری جان کو اطمینان بخشا اور یہی ذکرِ الٰہی ہر نیکی کی اصل اور بہترین عبادت ہے، ظاہری علماء تو بس باہمی طور پر جھگڑا اور فساد برپا رکھنے ہی سے دلچسپی رکھتے ہیں اور نہایت احمقانہ تاویلات کر کے انسانیت کو ٹکڑوں میں بانٹ کر بے چینی پھیلا رہے ہیں۔ الحمدللہ رب تعالیٰ کے عاشقوں کو رب تعالیٰ نے کیا ہی ہدایت، امن، نور اور اطمینان بخشا ہے، اللہ کے عاشق جنت دوزخ کے غم سے آزاد قربِ الٰہی میں مطمئن ہیں، کم عقل لوگ اِن عشاقِ حق کو دیوانہ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ تو دانائے راز ہیں)

بعدازاں فرماتے ہیں ۔

ج۔ جمال الٰہی والا جے عالم وَل آوے، ہوش بُھلاوے
سلّم، قطبی، شرح مطوّل اندر اگ جلاوے، باز نہ آوے

کنز قدوری، شرح وقایہ، سبّھوندی رُہڑاوے، درس گواوے
آکھے یارو عاشق سچّا، سچّے طعنے کھاوے خوشی مناوے
(اگر اللہ تعالیٰ اس دنیائے ظاہر پر عام تجلّی فرمائے تو ساری دنیا کے ہوش اُڑ جائیں اور ہر کوئی دیوانہ وار اس کا مستانہ ہو جائے اور اس کے اغیار کو تین طلاقیں دے دے۔ جمالِ حق کے علاوہ کسی کی کوئی نہ آرزو رہے نہ طلبِ علم و ہنر، یہ دنیا سلّم قطبی، شرح مطوّل، کنز قدوری، شرح وقاویہ جیسی کتابیں جلا ڈالے یا نہروں میں بہا دے، کسی کو لکھنا پڑھنا یاد تک نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ کا صاحبِ دیدار عاشق کہتا ہے کہ اگر دنیا اہلِ عشقِ حق کو طعنے دیتی ہے تو ٹھیک ہی طعنے دیتی ہے کیونکہ یہ دنیا جمالِ حق سے محروم محض نابینا ہے جبکہ صاحبِ دیدارِ حق کا ہر روز، روزِ عید ہے اور ہر رات شبِ برأت الحمدللہ)

ر۔ رضا نہ منّے ہر کوئی، منّن سارے مردے حکم قدر دے
عالم فاضل پنجے وقتی رو رو عرضاں کر دے، قدروں ڈردے
ہتھ اُٹھا دعائیں منگدے، خواہشاں تے ہتھ دھردے آمین کردے
عاشق راضی وچہ رضا دے آ اگّے دلبر دے جاناں دھردے
(اس دنیا کا چلن ایسا ہے کہ لوگ رضائے حق کو تسلیم نہیں کرتے لیکن جب تقدیر تلوار کا وار کرتی ہے تو مایوس ہو کر گر جاتے ہیں کیونکہ تقدیر اپنا آپ منوانے کے لئے مجبور کر دیتی ہے، بڑے بڑے عالم فاضل جو رضائے حق کو پیٹھ دکھاتے رہے لیکن جب تقدیر نے اُنہیں پچھاڑ کر شکست دے دی تو تقدیر کے خوف سے تھرّ انے لگے، پانچوں وقت نمازیں باجماعت پڑھتے ہیں اور تقدیر کے خوف سے رو رو کر دعائیں کرتے ہیں (اے کاش یہ لوگ اللہ سے ڈرتے اور اسکی مخلوق پر ظلم نہ کرتے اور یوں تقدیر کے شکنجے میں گرفتار نہ ہوتے) ان نفس پرستوں کا روم روم ہوس پرستی میں قید ہے۔ ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے دعائیں کرتے اور آمین کہتے انکی زبان نہیں سُوکھتی۔ اللہ کے عاشق کیا ہی سنجیدہ، باوقار اور عظیم ہیں، وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا میں راضی رہتے ہیں اور اپنی جانیں اپنے معشوقِ حقیقی کے سامنے تحفۃً پیش کر دیتے ہیں)

ز۔ زیارت بیتُ اللہ دی رزقاں والے جاندے پیندے کھاندے
کرن طواف، معافی منگن، بوسیاں ہتھ اُٹھاندے، بوسے لاندے
زمزم ہور کھجوراں لے کے گلّاں آن سُناندے، خوشیاں پاندے
عاشق کوچے دلبر اندر جاناں گھول گھماندے، نہ جتلاندے

(کھاتے پیتے دولت مند لوگ زیارت بیتُ اللہ کو جاتے ہیں، طواف کرتے، معافیاں مانگتے، حجرِاسود کو بوسے دیتے اور واپسی پر آبِ زمزم اور کچھ کھجوریں لے کر پلٹتے ہیں، اہل وطن کو لمبی لمبی کہانیاں سناتے ہیں اور خوشی سے پھولے نہیں سماتے جب کہ اللہ تعالیٰ کے عاشق اپنے معشوقِ حقیقی کی گلی میں (یعنی راہِ عشق میں) اپنی جان بھی قربان کر دیں تو زبان پر ایک حرف تک نہیں لاتے)

ش۔ شہادت غازی پاون پھڑ نیزے تلواراں نال کفاراں
غازی ولی خدا دا ہووے کہیا شاہ ابراراں وچہ اخباراں
ولی خدا دے مارن نفساں خلوت خانے کاراں، خواہش یاراں
غازی دشمن ہتّھوں موئے، عاشق مارے یاراں نال پیاراں

(غازی مجاہد نیزہ وتلوار سنبھالے کافروں سے لڑ کر شہادت پاتے ہیں، مصدّقہ روایات میں اکابرِ امّت کے یہ فرمان منقول ہیں کہ غازی اللہ کے دوست ہیں۔ جبکہ اولیاء اللہ اپنے خلوت خانوں میں اپنی نفسانی خواہشات سے لڑتے ہیں اور ہم مشربِ فقراء کی امید پر پورے اُترتے ہیں اور صاحبانِ تزکیۂ نفس ہو کر صاحبانِ مراد ہوتے ہیں، شہید اور فقیر میں کچھ زیادہ فرق نہیں، غازی ومجاہد کافروں کے ہاتھوں قتل ہو کر شہادت کے مقام پر فائز ہوئے جبکہ عشّاق فقراء کو اُن کے معشوقِ حقیقی نے پیار سے قتل کر ڈالا)

ص۔ صفائی حاصل ناہیں پڑھیاں کنز قدوری، بات ضروری
ذکر الٰہی نال صفائی حاصل ہووے پُوری، رُتبہ نوری
بصریؒ، عجمیؒ ویکھو ہوئے ذکروں مرد حضوری تے منظوری
عاشق عشق نہ ہووے جیکر شیخی ہے مغروری ربّ تھیں دُوری

(کنز قدوری جیسی محض قواعد وفقہ کی کتب پڑھنے سے تزکیۂ نفس

حاصل نہیں ہوسکتا، قواعد وفقہ کا علم فرضِ کفایہ ہے جبکہ تزکیۂ نفس اور باطنی صفائی اصل ضروری چیز ہے اور فرضِ عین ہے تا کہ بارگاہِ حق میں مجرم بن کر حاضر نہ ہو اس لئے یہ ضروری ہے کہ ذکر الٰہی اور عبادت ومجاہدہ کے ذریعے سینہ صافی حاصل کرے اور بارگاہِ حق میں نوری مرتبہ پائے اور اسکے دوستوں میں شامل ہو جائے۔ یاد رہے کہ حضرت امام حسن بصریؒ اور حضرت خواجہ حبیب عجمیؒ ذکرِ الٰہی کی ہی برکت سے مردانِ حضورِ بارگاہ ہوئے اور حق تعالیٰ کے مقبول ٹھہرے۔اے عاشق جب تک عشقِ الٰہی نہ ہو تو پیری ومشائخی بھی محض فرعونیت ہے جو کبھی بارگاہِ حق میں باریاب نہیں بلکہ غرور تو حق تعالیٰ سے دور کر دیتا ہے)

مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق نہ ہو تو یہ پیری شیری بھی ایک طرح کا غرور ہے، بعدازاں حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ض۔ ضرورت باجھوں گلاں کردے احمق سارے، بہہ بہہ دارے
عالم فاضل واعظ بن کے منبر چڑھن سُہارے نال پیارے
پیر مشائخ راز الٰہی خلقاں دسّن ہارے، نوری تارے
عاشق چُپ چُپاتے پھردے، گل نہ کرن وچارے درداں مارے

(اس دنیا میں بہت سے ایسے احمق ہیں جو بلا وجہ اور بغیر ضرورت تکیہ اور کھلی جگہوں میں بیٹھ کر فضول باتیں کرتے ہیں۔اس کثرتِ گویائی کے سبب جھوٹ، غیبت، بہتان اور الزاماتِ محض کے گناہ اپنے سر پر لیتے ہیں۔ بہت سے عالم فاضل لوگ واعظ بن کر منبروں پر جاچڑھتے ہیں تو اس مقام کی حرمت کو یوں داغدار کرتے ہیں کہ غصّہ، طیش، لعن طعن کو عادت بنا لیتے ہیں۔ پیر مشائخ لوگوں کو رازِ الٰہی جتاتے ہوں اور غیبت والزام تراشی سے بچاتے ہوں تو یقیناً نوری تارے کہلانے کے لائق ہیں الغرض کوئی بھی ہو باتونی ہونے سے کون بچ سکتا ہے صرف ایک اللہ تعالیٰ کے عاشق ہیں جنہیں مشاہدۂ الٰہی کے جلال کی وجہ سے چُپ سی لگ گئی ہے، وہ اپنے مشاہدات کی بات تک نہیں کرتے، وہ بے چارے دردِ عشق کے باعث خاموش ہی رہتے ہیں)

بعدازاں حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ق۔ قدوری، کنز وقایہ پڑھ کے ہور خزانی تے سلطانی
دل دا واقف ہویوں ناہیں ایویں گئی جوانی، ہوئی حیرانی
مُلّاں مسئلہ سچا دسّیں تینوں قسم ربانی تے ایمانی
نحنُ اقرب حکم الٰہی عاشق حرف قرآنی دل وچہ جانی

(کنز قدوری، خزانی وسلطانی کتابیں پڑھ پڑھ کر تجھے کچھ حاصل نہ ہوسکا، نہ تُو دل سے آگاہ ہوسکا نہ دلدار سے اور عمرِ عزیز رائگاں گزر گئی، آخری عمر میں پریشانی لاحق ہوئی کہ جوانی کدھر گئی۔ اے مولوی تجھے خدا اور تیرے ایمان کی قسم سچ سچ بتا کہ تیری غفلت اور نفس پرستی نے اس خدا سے دور نہیں رکھا جو شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ اے عاشق بیشک اللہ تعالیٰ نے قرآن میں سچ فرمایا کہ ''ہم اس (انسان) سے اسکی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں'' پس اپنے دل سے دھیان کر)

ک۔ کتاباں تھیں کیہہ حاصل اِکّو نقطہ کافی سینہ صافی
اِکّو یاد ماہی دی مینوں کافی وافی شافی ہور معافی
سارے مذہب اِکّو مینوں مالک حنفی شافعی باجھہ خلافی
عاشق سبق رضا دا پڑھدے نہ کوئی حرف منافی لاف گزافی

(کتابی کیڑا نہ بن، محض کتابوں سے کچھ حاصل نہیں، یہاں ''سینہ صافی'' کا ایک ہی نقطہ کافی ہے یعنی اغیار سے توجہ ہٹا اور بغض وحسد وعداوت کو دل سے نکال دے۔ میرے لئے صرف اور صرف اپنے محبوبِ حقیقی کی یاد کافی ووافی وشافی ہے یہی باعثِ مغفرت ہے۔ میرے لئے تمام مذاہب ایک جیسے ہیں، ضمنی اختلافات سے قطع نظر میرے نزدیک حنفی، مالکی، شافعی وحنبلی ایک جیسے محترم ہیں۔ اللہ کے عاشق ہر دم رضائے حق کا سبق پڑھتے ہیں اور اپنی زبان پر کوئی بے ہودہ لفظ نہیں لاتے)

ل۔ لطائف روحی جیکر عالم درس پڑھاون، وعظ سناون
سارے عاشق ایہناں اُتوں جاناں گھول گھماون، صدقے جاون

چمڑے لہہ کے کرن مُصلّے مسجد فرش وچھاون عشق کماون
آکھن کوئی وسیلہ آیا عاشق یار ملاون، راز سکھاون

(اہلِ عشق کا مولویوں سے کوئی نفسانی جھگڑا نہیں بلکہ اصولی اختلاف ہے۔ اگر علماء واقعی ایمان کی تصدیق اپنے دل سے کریں تو ان کی نابینا عقل منوّر ہو جائے، لطائفِ روحی تک انکی رسائی ہو اور یہ اللہ کی مخلوق کو کاٹنے کی بجائے باہمی طور پر ملانے لگیں، طالب علموں اور عوام سے ہمدردی اور انسانیت سے پیش آئیں اور اپنے وعظ میں جھوٹ اور بہتان کی آمیزش کرنا چھوڑ دیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو عشاقِ حق ان پر اپنی جان قربان کر دیں، اپنی کھال کھنچوا کر انکی مساجد میں مصلاّ بچھا دیں اور محبت الٰہی کی داد دیں عاشق شکر کریں کہ الحمدللہ عوام کو کوئی وسیلہ مل گیا جو رازِ وحدت کو فروغ دے رہا ہے اور انسانیت کی حقیقی منزل کی طرف رہنمائی کر رہا ہے)

م۔ محمدؐ صلی اللہ دے سارے یار پیارے روشن تارے
ابو بکر صدیق ؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ ایہہ چارے سجّن بھارے
چارے ایہہ امام حقیقت دسّن بھیت نیارے خلقاں ہارے
عاشق رضی اللہ عنہم سبھ اصحاب پکارے سوہنے سارے

(حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحابؓ سراپا محبت ہیں اور آسمان تاروں جیسے منور ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر بن الخطابؓ، حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت علی بن ابی طالبؓ یہ چاروں خلفائے راشدین اپنے مقام و مرتبہ میں نہایت اعلیٰ ہیں، یہ خلفائے راشدین مذہب اور معاشرت کے حق میں امامِ حقیقت و معرفت ہیں جن کے باعث خدا کی مخلوق کو اسرارِ دین و حکمتِ اسلام کے راز معلوم ہوئے ہیں، یہ آج بھی امتِ محمدیہؐ کے حق میں مینارۂ ہدایت اور روشنی ہیں۔ اے عاشق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اصحاب اِن خلفائے راشدین کے لئے رضی اللہ عنہم اجمعین کی دعا کرتے ہیں)

و۔ ولایت رُتبہ اعلیٰ کہیا شاہ اسلامی ذوالاکرامی
نبیاںؑ جیسے اُمّت اندر میرے ولی گرامی ہون تمامی

میرے پچھے نبی نہ ہووے تائیں روز قیامی، حکم مدامی
عاشق بعضے سمجھن ناہیں پڑھ کے مُلّا جامی، شرح حسامی

(عظیم ترین بزرگی والے آقائے مسلمین حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ پاک ہے ولایت یعنی اللہ تعالیٰ کی دوستی اور نیابتِ الٰہی نہایت ہی اعلیٰ مقام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے کہ میری امت کے اولیاء اللہ اپنی شان ومنزلت میں انبیائے سابقہ جیسے ہوں گے یعنی اُن سے کثیر مخلوق ہدایت پائے گی اور وہ صاحبِ کرامت بزرگ ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اور یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے۔ اے عاشق کچھ لوگ اسقدر نادان ہیں کہ مُلّا جامیؒ کی تحقیقات اور شرح حسامی پڑھنے کے باوجود من مانی تاویلات کرتے ہیں اور ختمِ نبوت کی حکمت کو نہیں سمجھتے یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اب قیامت تک کے انسانوں کو کسی نئی نبوت کے اقرار وانکار کی آزمائش سے نجات عطا فرمائی ہے)

حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے تلاشِ مرشد اور معیارِ مرشد کے امتیازات بھی واضح فرمائے ہیں دوستو! پیرومرشد کی پہچان بھی نہایت اہم کسوٹی ہے جیسا کہ ضرب المثل ہے کہ پانی پیو پُن کر اور مرشد پکڑو چُن کر، آپا دھاپی جلد بازی میں کسی کی بیعت نہ کرنی چاہیے، دو چار منٹ یعنی تھوڑی دیر میں تو ساگ پات کی درستی بھی معلوم نہیں ہوسکتی تو پیرومرشد کی اہلیت کا تھوڑی دیر میں کیونکر پتا چل سکتا ہے۔ حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت خوبصورت اُسلوب میں بتایا ہے کہ مرشد کیسا ہونا چاہیے کہ جس کی بیعت راہِ حق میں صاحبِ مراد بنا سکتی ہے، حضور فرماتے ہیں ۔

س۔ سیانے پچھن بھاویں کیہڑا مرشد آوے ربّ مِلاوے
ظاہر قول شریعت ہووے، رسماں کفر گواوے، دین سکھاوے
فعل طریقت، نفس زکیہ ہستی پاک کراوے حق دکھلاوے
عاشق راز حقیقت والے موتی سخن اُلھاوے تے سمجھاوے

(اہلِ عقل یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ کیسا مرشد ہو جو وصالِ حق کی جانب رہنمائی کرسکتا ہے؟ مرشد ہادی ایسا ہونا چاہیے جس کی گفتگو شریعت پر، فعل طریقۃ الرسولؐ پر اُستوار ہو، وہ جہالت کی رسومات کو مٹانے والا، امورِ دین سکھانے والا صاحبِ تزکیۂ نفس ہو، جو اپنی تعلیم وتربیت سے

مرید کا تزکیۂ نفس کر کے اسے پاکیزہ بنائے اور مشاہدۂ حق کی جانب اسکی
رہنمائی کرے، وہ جب گفتگو کے لئے زبان کھولے تو اس کے منہ سے حقیقت
ومعرفت کے ہیرے موتی جھڑنے لگیں۔ وہ راہِ سلوک کی باریکیاں، خطراتِ
نفس سے بچنے کی تدابیر اور اوہامِ باطل سے صاف بچ کر نکل جانے کی حکمت
سکھائے۔ اے عاشق ان اوصاف کا مالک پیرومرشد مل جائے تو یقیناً اسکی
بیعت کرلینی چاہیے)

مطلب یہ ہے کہ محض عالمانہ باتیں کرنے والے، یا مجمعے اور محفلیں برپا کر لینے والے بھی اس کی اہلیت نہیں رکھتے کہ پیرومرشد بن سکیں جیسا کہ آج کل کچھ لوگوں کا طریقۂ واردات بن گیا ہے۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ کیا اس کا قول شریعت پر عمل طریقت پر اور وہ قیام حقیقت پر رکھتا ہے کہ نہیں، کافرانہ رسومات سے دامن بچانے والا دین کی حقیقی غایت اور روحانی سربلندیوں کی طرف رہنمائی عطا کرنے والا چاہیے تا کہ وہ خود بھی نفسانی خواہشات سے پاک ہو اور دوسروں کو بھی نفسانی فتنوں سے بچانا جانتا ہو، وہ صاحبِ تزکیہ ہو تا کہ اپنے مریدوں کی ہستی بھی پاک کرا سکے اور قرب ومشاہدۂ حق کا اہل بنا سکے۔ وہ ایسا شخص ہو جو حق دکھاوے یا دل دِکھاوے یعنی مرید کے قلب کو ذکرِ الٰہی سے جاری کرے اور خداوندِ کریم کا مقرب بنانے میں وسیلہ بنے۔

(اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب کو اپنی یاد سے مانوس کرے، ظاہری باطنی دشمنوں سے محفوظ رکھے، اپنا راستہ آسان فرمائے اور اپنی محبت کی روشنی ہمیشہ ہمیشہ ہمارے شاملِ حال رکھے اور بزرگانِ دین اولیاء اللہ کی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے، لغزشوں کو معاف فرمائے، ہماری عقل میں نور، دل میں نور، ہماری دنیاوی زندگی اور آخرت میں بھی اپنی خاص ہدایت اور دوستی کو ہمارے شاملِ حال فرمائے۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (آمین)

(۶۔اکتوبر ۱۹۸۳ء)

نیابتِ الٰہی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ غَوْثَنَا وَغَیَاثَنَا وَنُوْرَ عُیُوْنِنَا وَنُوْرَ صُدُوْرِنَا وَنُوْرَ قِیَامِنَا وَنُوْرَ صَلَاتِنَا وَحَیَاتُنَا وَسَیِّدِنَا وَمَوْلٰینَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَمَّا بَعْد فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ کَلَامِہِ الْقَدِیْمِ وَفِی الْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ **اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ** اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَعَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَاحَبِیْبَ اللّٰہِ۔

تمام دوست بارگاہِ عالیہ میں سرکاردوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں ۳ دفعہ درود پاک کا تحفہ پیش کریں۔

اولیا را است قدرت از اِلٰہ

تیر جستہ باز گردانند ز راہ

میرے دوستو! بھائیو! سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ پاک پر درود وسلام اور خداوند کریم کے حبیبؐ کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ کے خاص دوست اللہ تعالیٰ کے یار اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی ذات پاک کی شان میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے اندر یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی جو آپ کے سامنے تلاوت کی، مختصر عرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب تک مخلوق کے اندر وسیلے کو پیدا نہیں کرتا تب تک مخلوق کے ساتھ کلام نہیں کرتا۔

خدا تمہارے ساتھ، میرے ساتھ اور دوسرے تمام لوگوں کے ساتھ گفتگو نہیں کرتا۔ اپنے

کلام کا اظہار نہیں کرتا اپنے اسرار نہیں سکھاتا۔ اپنے انوار اس رنگ میں آشکار نہیں کرتا جب تک اپنے اور مخلوق کے درمیان ایک وسیلہ پیدا نہ کرلے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر جو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تشریف لائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخر میں تشریف لائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخر میں تشریف لائے۔ آخری نبیؐ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قطعی طور پر کسی قسم کا شرعی، غیر شرعی، ضمنی یا ضروری یا حسبی نسبی کوئی نبیؑ نہیں ہو سکتا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیاء ہوئے ہیں وہ کوئی کسی بندے کے واسطے نبیؑ ہوا۔ کوئی کسی محلے کے واسطے نبی ہوا کوئی کسی علاقے کے واسطے نبی ہوا۔ کوئی کسی شہر کے واسطے آیا۔ کوئی کسی گاؤں کے واسطے آیا ہے۔

لیکن سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی رسالت لیکر آئے جو کہ پوری کائنات کے واسطے ہے۔ تمام عالمین کے واسطے آئے ہیں۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانوں کے لئے رسولؐ بنا کر بھیجا ہے تو صحابہ اکرامؓ نے پوچھا یارسول اللہ کیا آپ صرف انسانوں کے لئے نبیؐ بن کر تشریف لائے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا:

اُرسِلتُ اِلی الخَلق کَافَّۃً

(مجھے ساری مخلوق کے لئے رسولؐ بنا کر بھیجا گیا ہے)

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق کے لئے رسولؐ بن کر تشریف لائے ہیں تو معلوم ہوا کہ ساری مخلوق کے اندر حضور نے خدائی پیغام رسانی فرمائی ہے۔ رسول کا معنی ہوتا ہے پیغام پہنچانے والا۔ اگر مخلوق میں ایک ذرہ بھی التجا کرے کہ یا اللہ تیرے رسولؐ نے مجھے پیغام نہیں پہنچایا یا کوئی انسان کہے کہ یا اللہ تیرے رسولؐ نے ہمیں پیغام نہیں پہنچایا یا کوئی جن کہہ دے کہ یا اللہ تیرے رسولؐ نے ہمیں پیغام نہیں پہنچایا یا کوئی فرشتہ کہہ دے کہ یا اللہ تیرے رسولؐ نے ہمیں پیغام نہیں پہنچایا یعنی اٹھارہ ہزار عالم میں سے کوئی بھی مخلوق جو کہ پیدا کی گئی ہے وہ اللہ کی بارگاہ میں التجا کرے تو خداوند کریم اس کو کبھی قبول نہیں کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھارہ ہزار عالم میں خدا کی پیغام رسانی کا ذمہ اُٹھایا منصب حاصل کیا۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ کو کہنا پڑا

"جس ذرے کا میں رب ہوں اس ذرے کی حضورؐ رحمت ہیں۔"

رب تعالیٰ نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اے لوگو تعریف بیان کرو اس اللہ کی جو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔ اٹھارہ ہزار عالم پیدا فرمائے۔ اٹھارہ ہزار عالم میں سے ایک یہ عالم ہے جو کہ آپ کو نظر آ رہا ہے۔ یہ دنیا اک عالم کا بلبلہ ہے۔ سترہ ہزار نو سو ننانوے اور بھی عالم ہیں جو ہمارے علم سے باہر ہیں۔ ہماری عقل وفکر سے باہر ہیں۔ ہم ان کا شعور بھی نہیں رکھتے۔ ان دنیاؤں کا یا ان عالمین کا اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں پروردگار ہوں اور ساتھ میں سرورِ کائناتؐ کے لئے فرمایا:

وَمَا اَرسَلنٰکَ اِلَّا رَحمَةً لِّلعٰلَمِینَ

(اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے)

جس ذرے کا خدا رب ہوگا۔ اس ذرے کی حضور رحمت بن کر آئے ہیں چونکہ حضور سراپا نور تمام کائنات کے واسطے رحمت بن کر آئے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات میں سے ایک ہستی کو چن لیا ہے کیونکہ خدا نے جس کو اپنا یار بنانا ہوتا ہے اس کو بھید دیتا ہے اپنے اسرار سے واقف کرتا ہے اور اپنے علوم عطا فرماتا ہے۔ اپنے انوار سے منور فرماتا ہے اور اُسے تمام اختیارات عطا فرماتا ہے وہ ہستی جتنے جتنے حصے کے واسطے ہوتی ہے اتنا اتنا اس کو اختیار بھی دیا جاتا ہے۔ اگر ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ کا ہے تو لاہور جا کر ڈپٹی کمشنری نہیں کرے گا کیونکہ جس حلقے کا ڈی۔ سی ہے اسی حلقے کا انچارج ہے۔ لاہور کا انچارج نہیں ہے۔ اس طرح ہر نبیؑ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تشریف لائے خاص خاص جگہ پر ان کا اختیار تھا۔ خاص جگہوں کا حاکم ان کو بنا کر بھیجا گیا تھا۔ ان کو انکی ذات کے مطابق علوم دیئے گئے، انوار بخشے گئے، اسرار عطا فرمائے گئے تھے اور مقام عطا فرمائے گئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری کائنات کیلئے رسول بن کر تشریف لائے۔ معلوم ہوا ساری کائنات کے ساتھ رب باتیں نہیں کرتا۔ جب تک کہ باتیں کرنے کے لئے وہ اپنا ایک محبوب درمیان میں نہیں رکھ لیتا۔

جب تک اس محبوب کو مخلوق کے واسطے وسیلہ نہیں بناتا اتنی دیر تک مخلوق میں پیغام رسانی نہیں کرتا۔ جو بھی ہمارے واسطے خدا کے علوم کا اظہار کرنے کے لئے آیا خدا کے اسرار اور بھید کو بیان کرنے کیلئے آیا جب تک اس کو خود خدا نے علم نہ دیا تب تک وہ کچھ بیان نہیں کر پایا جب تک کسی کو اختیارات نہ دیئے جائیں وہ مختار نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ پاک کہ جن کا مقام تمام انبیاءؑ اور مخلوق میں بہت زیادہ رکھا گیا ہے تو ان کا علم بھی تمام مخلوق سے زیادہ ہوگا۔ ان کا مقام بھی تمام مخلوق سے زیادہ ہوگا ان کا اختیار بھی ساری مخلوق سے زیادہ ہوگا اسی واسطے مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے جو کہ مولوی نواز صاحب نے آپ کے

سامنے شعر بھی پڑھا ہے:

"کہ خدا کے بعد تمام کائنات سے بڑھ کر حضورؐ کا مقام ہے۔"

اور اب دیکھنا یہ ہے کہ خداوند کریم ہر چیز پر قادر ہے۔ سمیع ہے بصیر بھی ہے علیم بھی ہے علیم بالذّات الصدور بھی ہے۔ کوئی صفت ایسی نہیں ہے جو کہ اللہ تعالیٰ میں موجود نہ ہو۔ وہ تمام کائنات کو جاننے والا بھی ہے، کائنات کے اوپر حاوی بھی ہے۔ قادر بھی ہے خالق بھی ہے ہر مقام رکھتا ہے ہر صفت کا مالک سمجھا جاتا ہے اللہ کو:

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَاهُوَ بِاَسْمَآئِهٖ۔

یعنی جب تک ہم اللہ تعالیٰ کی صفات پر ایمان نہیں لائیں گے تب تک مومن نہیں کہلائیں گے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کو ماننا پڑتا ہے۔ جو چیز بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اس میں بھی کوئی نہ کوئی صفت ضرور رکھی ہے۔ اگر سورج بنایا ہے تو اس میں روشنی کی شان رکھی ہے اور روشنی ایسی ہے کہ جس روشنی سے ساری دنیا فیضیاب ہو رہی ہے۔ ہمارے پتے، ہمارے پھل اس سے پکتے ہیں۔ ہمارے پھول اس سے رحمت بنتے ہیں۔ اس سے ہمارے پھولوں میں رنگ بھرتے ہیں۔ ہماری نجاستیں وہ دور کرتا ہے۔ ہماری عبادت کے جو اوقات اللہ تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں وہ اس سے ظاہر ہوتے ہیں اور بہت ساری ایسی چیزیں ہیں جو ہوا میں تعفن پیدا کرتی ہیں ان کو ختم کر دیتا ہے۔ اور سورج کے بہت فوائد ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ نے یہ شان یہ صفت سورج کو عطا کی ہے کہ سورج سے دنیا فیضیاب ہو رہی ہے اسکی فیضیابی کس کی طرف سے ہے؟ یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس واسطے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ہر ایک صفت، ہر ایک نشان، ہر اک حمد، ہر اک تعریف اللہ کے لئے ہے۔ اللہ کے واسطے ہر تعریف ہے۔ ا۔ل۔ عربی زبان میں خاص چیز کیلئے ہوتا ہے۔ چاہے ہمارے علم میں ہو چاہے نہ ہو۔ چاہے اِس جہان کے واسطے ہے۔ چاہے اُس جہان کے واسطے ہے چاہے چھوٹی تعریف ہے چاہے بڑی تعریف ہے ہر اک تعریف رب العالمین اللہ کے واسطے ہے۔ دوسری جگہ پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ (ہر تعریف اللہ کے واسطے ہے)

اب ہر حمد کی ذاتِ باری ہی حق دار ہے۔ اس کے بغیر کوئی حق دار نہیں ہے۔ معلوم ہوا، اگر ہم سورج کی تعریف کریں گے تو وہ حقیقت میں کس کی تعریف ہے؟ ذاتِ باری تعالیٰ کی کہ جس

نے اس کو یہ شان عطا فرمائی ہے۔ اگر ہم ہوا کی تعریف کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے ہی اس میں صفات پیدا کی ہیں تو یہ بھی اسی ذاتِ باری تعالیٰ کی تعریف ہے۔ اگر کسی نبی کی تعریف ہوگی۔تو وہ بھی خدا ہی کی تعریف ہوگی اگر ولی کی تعریف ہوگی تو وہ بھی خدا ہی کی ہوگی۔ ہر چیز سوائے اللہ کے حمد کے لائق نہیں ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سارے جہانوں کا پروردگار میں ہی ہوں میں ہی صفتیں عطا کرنے والا ہوں۔ میں ہی سورج کو شعاعیں عطا کرنے والا ہوں۔ نبیؑ کو نبوت میں دینے والا ہوں۔ رسول کو فیضِ رسالت میں دینے والا ہوں۔ ولی کو ولایت میں دینے والا ہوں اور سب کا رب میں ہی ہوں۔ میں ہی رازق ہوں۔ میں ہی مال دینے والا ہوں لیکن میرے دیئے ہوئے مال میں سے مومن جو ہیں وہ کیا کرتے ہیں؟

مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (البقرہ، آیت ۳)

جو کچھ میں نے ان کو رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ معلوم ہوا رزق صرف کھانے پینے کی چیزوں کو نہیں کہا جاتا، اگر رزق صرف کھانے پینے کا نام نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو اللہ کی پروردگاری ہے وہ سب کی پروردگاری ہے۔ وہ سورج اور چاند کا بھی پروردگار ہے۔ وہ فرشتوں کا بھی پروردگار ہے جنوں کا بھی پروردگار ہے۔ حیوانات کا بھی پروردگار ہے۔ نباتات کا بھی پروردگار ہے۔ جمادات کا بھی پروردگار ہے۔ کائنات، عرش معلیٰ، لوح و قلم، عرش کرسی کا بھی ذات باری تعالیٰ ہی پروردگار ہے۔ وہ رب العالمین ہے مگر پروردگاری صرف روٹی ٹکر اور کھانے پینے کو ہی کہا جائے تو اس کا مطلب ہے جو مخلوق کھاتی اور پیتی نہیں ہے ان کا وہ پروردگار نہیں ہے؟

پروردگاری کا معنی یہ ہے کہ جس جس شان کی چیز ہو اُس اُس شان کے مطابق اللہ تعالیٰ اس کو صفت عطا کر دے۔ یہی اس کی پروردگاری ہے۔ اس واسطے ہر چیز کی شان کے مطابق اس کو صفات عطا کرنی۔ اس کو اختیارات عطا فرمانے، اس کو علوم عطا فرمانے، اس کو اسرار عطا فرمانے، اس کو انوار سے منور کرنا یہ ہے ذاتِ باری تعالیٰ کی پروردگاری اور پروردگار جس کو صفات عطا کرتا ہے پھر کائنات اس سے مستفیض ہوتی ہے۔ اس کو کہتے ہیں مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ جو رزق ہم ان کو دیتے ہیں یہ آگے اس کو خرچ کرتے ہیں۔ سمجھ آ گئی بھئی؟

یعنی اللہ نے اگر علم دیا تو اس کو خرچ کرتے ہیں، عرفان دیا تو اس کو خرچ کرتے ہیں۔ دنیا

کا مال دیا تو اس کو خرچ کرتے ہیں لیکن کہاں؟ جہاں وہ رب راضی ہو، جہاں وہ چاہتا ہو وہاں خرچ کرتے ہیں اور ماں باپ کو دیتے ہیں کہ وہ اللہ چاہتا ہے کہ ماں باپ کو دو۔ اقرباء کو دیتے ہیں کہ خدا چاہتا ہے کہ اقرباء کو دو۔ اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں تو اس لئے کہ خدا چاہتا ہے کہ میرے راستے میں خرچ کرو۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے واسطے خرچ کرتے ہیں تو خدا چاہتا ہے کہ ان کیلئے خرچ کرو۔ جس طرح وہ راضی ہو۔ جیسے اس نے ہمیں مال دیا ہے تو ساتھ قانون بھی دیا ہے کہ یہ مال ضائع نہ کرنا اور اس طرح خرچ کرنا جس طرح میں چاہتا ہوں۔

اب اگر غریب جاتا ہے امیر کے پاس پیسے لینے کے لئے امیر اس کو پیسے دے دیتا ہے لہٰذا اسکی بھوک مٹ گئی، پیاس بھی مٹ گئی، روٹی بھی مل گئی اور جس غرض سے گیا تھا وہ دوسرے انسان سے پوری ہوگئی اور وہ فیضیاب ہوگیا۔

مطلب یہ ہے کہ اسکی فیضیابی اسکی تسکینِ قلبی کا باعث بن گئی۔ اس نے تو یہی کہنا ہے کہ میری تسلی فلاں سے ہوگئی میرا مقصد تو فلاں سے پورا ہوگیا ہے۔ میں کسی آدمی کے پاس گیا تھا تو میرا کام ہوگیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے پاس جانا شرک ہوگیا ہے یا اس سے مانگنا شرک ہوگیا ہے۔ اب کہتا ہے یہ تو مومن کی صفت ہے جو چیز ہم نے اس کو عطا کی ہے، جو صفات عطا کی ہیں سخاوت کی بناء پر ان کو خرچ کر رہا ہے، مخلوق کو فائدہ دے دیا ہے۔ ہوا ہمارے فائدے کے واسطے ہے۔ سورج ہمارے فائدے کے واسطے ہے پانی ہمارے فائدے کے واسطے ہے، رب نے جو چیز پیدا کی ہے وہ کسی فائدے کے واسطے کی ہے اور وہ فائدہ انسان کو دیا گیا ہے اور فرمایا، اے انسان! پوری کائنات تیرے واسطے پیدا کی ہے اور تمہیں اپنے واسطے پیدا کیا ہے۔ حضرت آدمؑ کو ساری مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد پیدا کیا گیا ہے جس طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے پیدا کر کے ظہور سب سے بعد میں کیا اس طرح حضرت آدمؑ کو ساری مخلوق پیدا کرنے کے بعد پیدا کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بعد میں تشریف لانا اور تمام انبیاء علیہم السلام کا سرکردہ بنا دیا اس لئے حضرت آدمؑ کو بھی ساری کائنات کا امام بنا دیا، خلیفہ بنا دیا، یاد رکھو! اگر دس چیزیں ہوں اور ان دس کا عرق نکال لیا جائے اور عرق اک خاص مقام رکھتا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو پیدا کرنے کے بعد ساری کائنات کا جو نچوڑ ہے وہ حضرت آدمؑ کو پیدا فرمایا۔

معلوم ہوا ساری کائنات حضرت آدمؑ میں موجود ہے اور آدمؑ ساری کائنات کے اندر پھیلے ہوئے ہیں اب میں قرآن پاک کی آیت عرض کرتا ہوں۔

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا

تُبۡصِرُوۡنَ (الذٰریٰت ۲۰،۲۱)

(تمہاری جان کے اندر اور زمین کے اندر صاحب یقین لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں)

ہر مسلمان کے واسطے نہیں ہر مومن کے واسطے نہیں بلکہ وہ مومن وہ انسان جو صاحب یقین ہوگا اس شخص کے واسطے زمین میں بھی نشانیا ہیں اور ان نشانیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اَفَلاَ تُبۡصِرُوۡنَ (کیا تم اس ذات کو نہیں دیکھتے)

نشانیوں والا تمہیں نظر نہیں آتا؟ جب کسی کی نشانی پاس ہوگی اور جب اس نشانی کو دیکھو گے تو اس نشانی میں سے نشانی والا نظر آجائے گا۔ رب نے فرمایا تمہاری جان میں اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں تو کیا تم نہیں دیکھتے؟

نشانی کے اندر سے نشانی والا نظر آتا ہے اور اگر نشانی نہ ہو تو نشانی والا کہاں سے نظر آئے؟ حقیقت میں خدا کی ذات نے صاحبِ یقین لوگوں کے لئے مسئلہ بیان کیا ہے کہ نشانی میں سے ان کو رب دکھائی دیتا ہے جو صاحبِ یقین ہوں دوسروں کو نہیں ملتا۔ بے شک وہ چاہے کتنا بھی علم رکھتے ہوں چاہے وہ کتنے بھی بڑے مقام کا بندہ ہو لیکن جب تک وہ صاحبِ یقین نہ ہو کسی نشانی میں سے اس کو رب نہیں مل سکتا۔

ایک چھوٹا سا مسئلہ عرض کر کے آگے بڑھتے ہیں مثال کے طور پر ایک درخت ہے ہم اس کو غیر اللہ کہتے ہیں اس درخت کا مقام ہمارے نزدیک یہ ہے کہ ہم اس کے سائے کے نیچے بیٹھتے ہیں اس کا ہم کوئلہ بنا سکتے ہیں آگ جلا سکتے ہیں اس سے فرنیچر یا کوئی اور چیز لکڑی کی بنا سکتے ہیں اس کا پھل کھا سکتے ہیں اور اس سے زیادہ ہمیں اس کا فائدہ کوئی نہیں۔ یہ تو وہ مقام ہے جس میں سے کوئی شے نظر نہیں آسکتی جبکہ اسکی مادی صورت ہمارے سامنے ہو۔

لیکن جب ہم اس کو خدا کی نشانی سمجھ لیتے ہیں کہ زمین میں خدا کی نشانیاں موجود ہیں۔ پھر اس کو جب خدا کی نشانی سمجھ لیں گے تو پھر کیا ہوگا تو پھر ہمیں اس کے بیج میں سے درخت نظر آجائے گا اور یہی وہ مقام ہے جس کو مقام حقیقت اور مقام معرفت کہتے ہیں۔ یہ بیج آپ زمین کے اندر بوتے ہیں۔ اس کے اندر سے جڑ نکلتی ہے پھر تنا نکلنا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر تنا زمین کے باہر ظاہر ہو جاتا ہے اس کے بعد اس کے ٹہن بن جاتے ہیں پھر اسی سے ٹہنیاں بن جاتی ہیں ٹہنیوں کے ساتھ پتے لگ جاتے ہیں پھر اس کو پھل لگ جاتا ہے۔ اس کا سایہ اور مادی فائدے تو پھر بھی

کار آمد رہتے ہیں۔ اگر جڑ قائم ہے اگر جڑ ہری ہے تو ٹہنیاں سوکھ بھی جائیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جڑ سے ہی ہمیشہ فیضیاب ہوا جاتا ہے اور ساری کائنات کی جڑ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ

(اے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر آپ نہ ہوتے تو میں کائنات کو پیدا ہی نہ کرتا)

پھر جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں روح پھونکی گئی کلمہ پاک پڑھا اور عرض کی یا الٰہ العالمین یہ اپنے نام کے ساتھ تو نے کس ہستی کا نام لکھا۔ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ وہ ہستی ہے جو مجھے ساری کائنات سے پیاری ہے۔ عرض کی یا الٰہ العالمین اُن کی کیا شان ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا حدیث قدسی ہے:

لَوْلَا مُحَمَّدٌ مَاخَلَقْتُكَ يَاآدَمُ

(اے آدمؑ اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا)

اور فرمایا۔

لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ

معلوم ہوا ساری کائنات اٹھارہ ہزار عالم کی روح رواں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے مثال کے طور پر یہ جو بجلی آپ کی جل رہی ہے اس کا ایک پاور اسٹیشن ہے۔ پاور اسٹیشن سے بذریعہ تار بجلی آ رہی ہے۔ اس کے ساتھ ٹرانسفارمر لگے ہوئے ہیں۔ ٹرانسفارمر سے بذریعہ تار گھروں میں کنکشن دیئے گئے ہیں کمروں کے اندر اس سے بجلی آ رہی ہے۔ اس بجلی کی پاور یا کرنٹ کے آگے اگر تم ریڈیو لگا دو تو وہ آواز پیدا کرے گا۔ اگر اسکی کرنٹ کے آگے ہیٹر لگا دیں گے تو وہ آگ پیدا کرے گا، فریزر لگا دو تو برف پیدا کرے گا پنکھا لگا دیں تو ہوا پیدا کرتا ہے لیکن کرنٹ ایک ہی ہے۔

اس طرح انسان کے اندر روح ایک ہی ہے لیکن آلے الگ الگ ہیں۔ جو کانوں کا ہے اس میں بھی وہی روح کام کر رہی ہے، آنکھوں کے اندر بھی وہی روح کام کر رہی ہے۔ ٹانگوں کے اندر بھی وہی طاقت موجود ہے۔ تمہاری حرکت کے اندر بھی وہی طاقت موجود ہے یعنی ہر اک چیز کے اندر، صرف آلے بدلے جا رہے ہیں۔ روح ایک ہی ہے جو زبان میں بولنے کا کام کر رہی ہے۔ آنکھوں کے اندر دیکھنے کا کام کر رہی ہے۔ پاؤں میں چلنے کا کام کر رہی ہے یعنی ہماری ہر ایک

چیز کے اندر ایک ہی روح موجود ہے۔

بالکل اسی طرح تمام کائنات کے اندر ایک ہی روح موجود ہے اس کو عالمِ ارواح کہا جاتا ہے اور وہ روح نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ساری کائنات کے اندر روحِ رواں کی حیثیت میں موجود ہیں۔

جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تو وہ اس دنیا کے پار چلے گئے اور اس عالمِ کائنات اور اس عالمِ مکان سے بھی پار چلے گئے اور عالمِ بے مثال اور عالمِ لامکان کے اندر چلے گئے اسی واسطے رب تعالیٰ نے فرمایا۔

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى (النجم، ۹،۱۰)

پھر (جلوۂ حق اور حبیبِ مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف) دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا یا (انتہائے قرب میں) اِس سے بھی کم رہ گیا (پس اس خاص مقامِ قرب ووصال پر) اللہ نے اپنے عبدِ محبوب کی طرف وحی فرمائی جو بھی وحی فرمائی۔

میرا نبیؐ سے دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی نزدیک ہو گئے میں نے اپنے بندے سے باتیں کیں جو میں چاہتا تھا معلوم ہوا جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کائنات سے عالمِ لامکان میں چلے گئے۔ جس کا مکان ہی نہیں ہے تو اس ساری کائنات کی جان ہی نکل گئی۔ جان خارج ہوگئی۔ اسی واسطے جس وقت آ کر کنڈی کھولی وہ ہل رہی تھی۔ بستر مبارک گرم تھا۔ جس کسی سے اسکی جان نکل جائے تو یوں ہوتا ہے کہ اگر منہ کھلا ہو تو کھلا ہی رہتا ہے آنکھیں کھلی ہوں تو کھلی رہتی ہیں۔ پاؤں جہاں پڑا ہو وہیں پڑا رہتا ہے اس لئے کُنڈی ہل رہی تھی۔ جس وقت کائنات سے جان نکل گئی تو وہیں کُنڈی ساکت ہوگئی۔ پانی چل رہا تھا جس وقت جان نکل گئی تو وہیں ساکت ہوگیا۔

آسمان کی جان نکل گئی اسکی گردش بند ہوگئی، ستاروں کی جان نکل گئی وہ وہیں کے وہیں کھڑے رہ گئے۔ تو تمام کائنات کی گردش ختم ہوگئی۔ جس وقت وہ جان واپس آئی تو جو کنڈی ساکت تھی وہ ہلنا شروع ہوگئی۔ جو پانی کھڑا تھا چلنے لگا۔ جو گرمی مفقود تھی وہ ظاہر ہونے لگی جو گردش آسمان کی بند تھی وہ گردش شروع ہوگئی۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ

الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ

(بنی اسرائیل، آیت ۱)

(پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجدِ حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی، جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے، اس لئے کہ ہم اُسے اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں، یقیناً وہی ہے سننے دیکھنے والا)

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے محبوب کو رات کے تھوڑے حصے میں سیر کروائی اور یہ آسمان یہاں سے لیکر پانچ سو سال کی مسافت پر ہے۔ اتنا ہی آسمان موٹا ہے اتنا ہی ایک آسمان کا دوسرے آسمان تک فاصلہ ہے۔ سات آسمان ہیں اتنا اتنا ہی ان کا فاصلہ ہے۔ اس کے بعد عرشِ الٰہی اور اس کے بعد لامکان کے اندر چلے جاتے ہیں یعنی بہت سارا وقت لگنا چاہیے۔

لیکن یہاں پر ابھی کنڈی بھی ہل رہی ہے پانی بھی چل رہا ہے بستر کی گرمی بھی موجود ہے چونکہ یہ روح رواں ہیں۔

اب اگر کرنٹ کے آگے زیرو کا بلب لگائیں گے تو اتنی ہی روشنی حاصل ہوگی۔ اگر ۱۰۰ واٹ کا بلب لگائیں گے تو اتنی ہی واٹ کی روشنی حاصل ہوگی اس سے زیادہ روشنی لینا چاہو تو زیادہ واٹ کا بلب لگالو یا زیادہ بلب لگالو لیکن اگر تمہارا اپنا بلب ہی فیوز ہو تو بٹن بھی دباؤ گے تو چلے گا نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ پیچھے بجلی ختم ہوگئی ہے۔ اس روح کی طاقت ختم ہوگئی ہے۔ وہ جلوہ گری ختم ہوگئی ہے یاد رکھیں وہ جلوہ گری تو ویسے ہی ہے لیکن تمہارا بلب اگر نہیں جلتا تو اس وجہ سے کہ تمہارا اپنا بلب ہی فیوز ہے تو جن کے دلوں میں کجی ہے، جن کے دلوں میں ٹیڑھ ہے ان کے لئے رب تعالیٰ فرماتا ہے:

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (البقرہ، آیت ۷)

(اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی ہے اور انکی آنکھوں پر پردہ (پڑ گیا) اور ان کے لئے سخت عذاب ہے)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے ان کے دلوں پر مہریں لگادی ہیں ان کے کانوں پر مہریں لگا دی ہیں اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے، دیکھ بھی کچھ نہیں سکتے، سُن بھی کچھ نہیں سکتے، ان کے دلوں پر

قفل لگا دیئے گئے ہیں۔

جن کے دلوں میں کجی اور ٹیڑھ ہونے کی بناء پر قفل پڑ گئے ہیں ان کے پیچھے نور موجود بھی ہو تو ان کے دلوں میں سے کبھی ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اس کو محسوس نہیں ہو سکتا کہ میرے اندر نور موجود ہے۔

سو اس واسطے ساری کائنات کی روحِ رواں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کائنات اور خدا کے درمیان وسیلہ رکھا گیا ہے۔ اب یہ وسیلہ ہمیں خداوند کریم کی باتیں بتا رہا ہے۔ خدا کا عرفان ہمیں دیتا ہے۔ خداوند کریم کا مشاہدہ کروا رہا ہے۔ اس ذات تک پہنچنے کے لئے ہمیں بہت سارے وسائل کی ضرورت ہے۔ بے بہا وسائل کسی ذات تک پہنچنے کے لئے درکار ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر آپ نے روٹی کھانی ہے اس کے واسطے پہلے آپ کو مزدوری کرنی پڑے گی۔ مزدوری کر کے پیسے کمانے پڑیں گے۔ پیسے کمانے کے بعد گندم خریدنی پڑے گی پھر اس کو صاف کرنا ہوگا پھر اس کو پیسنا پڑے گا پھر اس کو چھاننا پڑے گا پھر آٹا گوندھنا ہوگا۔ آٹا گوندھنے کے لئے کنالی کا ہونا ضروری ہے، آٹا پیسنے کے لئے چکی کا ہونا ضروری ہے، یہ تمام وسائل ہیں، اسباب ہیں۔ پھر اس کے بعد طریقہ ہونا چاہیے کہ روٹی کیسے بنائی جاتی ہے۔ اس کے لئے آگ کا ہونا ضروری ہے، آگ جلانے کے لئے ایندھن کا ہونا ضروری ہے۔ اس کے بعد توے کا ہونا ضروری ہے۔ پھر توے کا گرم ہونا ضروری ہے پھر اس پر روٹی جائے گی پھر روٹی پکے گی۔ طریقے سے پکاؤ گے تو پکے گی جلے گی نہیں۔ بسم اللہ پڑھو گے۔ پھر اس کا لقمہ توڑو گے۔ پھر بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے کہ گلے سے نگلنے دے یا نہ دے۔ اختیار اس کے ہاتھ میں ہے۔ کہنے والے کہتے ہیں دو روٹیاں ہی تو کھانی ہیں۔ وہ دو روٹیاں کھانے کے لئے اتنے وسائل درکار ہیں، اتنی مصیبتیں کرنا پڑتی ہیں۔

تو خدا کا ملنا آسان ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنا آسان ہے؟ اگر خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنا ہو تو اس کے لئے بھی وسیلے کا ہونا ضروری ہے۔ بغیر وسیلے کے حضور بھی نہیں ملتے کیونکہ حضور خدا کی ذات کے مظہر ہیں۔ حضور کی ذاتِ پاک کے مظہر اولیائے کرام ہیں۔ اس لئے جب تک اولیائے کرام کی غلامی نہیں کریں گے، اولیائے کرام کی پیروی نہیں کریں گے۔ حضور نہیں ملیں گے۔ تو خدا نہیں ملے گا۔ اس واسطے ولایت جو ہے وہ خدا اور رسولؐ کے ساتھ ملانے والا وسیلہ ہے۔ جو اللہ کے ولی ہیں، جن کیلئے بہت سی احادیث موجود ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث قدسی یہ ہے۔

مَنْ عَادَ لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ

(صحیح بخاری، کتاب الرّقاق)

(جو بندہ میرے ولی کے ساتھ عداوت رکھے میں اس کے ساتھ اعلانِ جنگ کرتا ہوں)

یعنی میں اس کا پکا دشمن ہوں، ولی کا جو دشمن ہوتا ہے اس کا رب دشمن ہو جاتا ہے۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے وسائل پیدا کئے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ملنے کے لئے ہمیں وہ ہستی چاہیے جو ہمیں خدا کا عرفان سکھائے۔

اس واسطے ہمارے لئے اولیائے کرام کا وسیلہ ہونا بہت ضروری ہے۔ بارش ہو رہی ہے، اس لئے میں اپنا بیان ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سچا عشق اور اولیائے کرام کی سچی غلامی عطا فرمائے اور خداوندِ کریم کا صحیح مقام پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

عظمتِ درود و سلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَشْہَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْہَدُ اَنَّ غَوْثَنَا وَمُغِیْثَنَا وَاَوْلٰنَا وَمُعِیْنِنَا وَمَعَنَنَا وَنَذِیْرِنَا وَرَسُوْلِنَا وَشَہِیْدِنَا وَشَفِیْعِنَا وَشَافِنَا وَمُشْفِنَا وَطَبِیْبَنَا وَطَبِیْبَ قُلُوْبِنَا وَسُرُوْرِ عُیُوْنِنَا وَسَنَدِنَا وَنُوْرَ اَجْسَامِنَا وَنُوْرَ صَلوٰتِنَا وَنُوْرَ سَلَامِنَا وَنُوْرَ قِیَامِنَا وَنُوْرِ قُعُوْدِنَا وَنُوْرَ جُنُوْبِنَا وَنُوْرِ نُوْرِنَا وَسَیِّدِنَا وَمَوْلٰینَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَمَّا بَعْدُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ کَلَامِہٖ الْقَدِیْمِ فِی الْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ **اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّہَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا** اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَعَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَاحَبِیْبَ اللّٰہِ۔

میرے دوستو! بھائیو! آپ کے سامنے خداوندِ کریم کی حمد اور سرکارِ دوجہاں کی خدمتِ عالیہ میں درود پاک کا تحفہ بھیجنے کے بعد قرآن پاک کا وہ حکم جو ہر مومن کو رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود بھیجنے کا ارشاد فرماتا ہے وہ آپ کے سامنے تلاوت کیا ہے اللہ کی ذات نے اپنے کلام میں ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّہَاالَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (الاحزاب، آیت ۵۶)

(تحقیق اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں اے ایمان والوتم بھی آپؐ پر صلوٰۃ بھیجواور
سلام بھی بھیجو)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرمؐ پر درود پاک بھیجنے کے لئے تین ہستیوں کو جلوت فرمایا ہے پہلی ہستی خدا کی ذات ہے۔خداوند کریم خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے خدا کی ہستی ہمیشہ سے لیکر ہمیشہ تک جیسی تھی ویسی ہی رہے گی۔اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے۔

وَالْئٰنَ کَمَا کَانَ

فرمایا کہ خدا کی ذات جیسے پہلے تھی اب بھی ویسی ہی ہے اور ویسی ہی رہے گی اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہے وہ ذات خداوندی ایسی شان کی مالک ہے کہ وہ ہر ذرے میں بھی موجود ہے لیکن پھر بھی اکیلا ہے۔خود بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ
(اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو)

یعنی بندہ اگر گوجرانوالہ ہے تو رب اس کے ساتھ ہے۔اگر بندہ لاہور جاتا ہے تو رب اس کے ساتھ ہے جہاں بھی بندہ ہے وہیں رب ہے۔پھر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا یا رسول اللہ اگر میرے بارے میں پوچھا جائے تو فرمادیں میرا رب قریب ہے دور نہیں ہے۔اگر تفصیل سے پوچھیں تو فرمادینا میرے مولا کا حکم ہے۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (ق، آیت ۱۶)
(اور ہم تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں)

جہاں بندہ ہو وہیں رب اس کے ساتھ ہے۔خدا شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔اللہ تعالیٰ نے شہ رگ قریب ترین چیز بتائی ہے۔

ھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ اور نَحْنُ اَقْرَبُ

یہ ہر مسلمان یا انسان کے ساتھ فرمایا لیکن جہاں خاص خاص بندوں کا ذکر آیا ہے وہاں پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (الذاریات، آیت ۲۰، ۲۱)

اور جو صاحب یقین لوگ ہیں ہیں ان کیلئے زمین کے اندر اللہ کی نشانیاں ہیں وَفِی

اَنۡفُسِکُمۡ اللہ کی ذات فرماتی ہے تمہاری جانوں میں بھی اس کی نشانیاں ہیں۔ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡن کیا تم نہیں دیکھتے؟ یعنی ان نشانیوں میں نشانی والے کو نہیں دیکھتے؟ جو لوگ صاحبِ یقین ہیں ان کو حکم ہے دیکھنے کا لیکن جو لوگ صاحب یقین ہیں ان کو بتا دیا کہ میاں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں اور تمہاری جانوں میں بھی ہماری نشانیاں ہیں۔ زمین میں ہماری نشانیاں ہیں اگر صاحب یقین ہو تو ان نشانیوں میں سے ہمیں ڈھونڈ لو۔

خدا کو دیکھنا ہر بندے کا کام نہیں خدا کو وہ شخص دیکھ سکتا ہے جو صاحب یقین ہے ان نشانیوں کو زمین میں بھی دیکھ سکتا ہے اور خود اپنی جان میں بھی دیکھ سکتا ہے۔ نشانی ایک ایسی چیز ہے کہ اگر کسی نے کسی کو نشانی دی ہو تو جب وہ نشانی دیکھتا ہے تو نشانی دینے والا یاد آ جاتا ہے نشانی دینے والے کا تصور خیال میں آ جاتا ہے یعنی اس نشانی میں سے نشانی دینے والا نظر آتا ہے۔

اسی طرح اگر صاحبِ یقین ہے تو اللہ تعالیٰ کی نشانی میں سے خدا کو دیکھ سکتا ہے اگر صاحب یقین نہیں تو خدا کو نہیں دیکھ سکتا۔ رب نے فرمایا ہے کہ اگر ذرے ذرے کی طرف دھیان کرو گے تو ذرہ ذرہ میری نشانی ہے۔ جو ذات ہی خداوند کریم کی ذات کی مظہر ہو اور مظہر اس مقام کو کہتے ہیں جس مقام پر آ کر کوئی شے ظاہر ہو جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی ذات کے مظہر ہیں۔ تمام اہل سنت و جماعت متقدمین اور متاخرین کا یہ عقیدہ ہے۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

نبی اکرمؐ مظہرِ ذاتِ اوست (حضورؐ خدا کی ذات کے مظہر ہیں) وَحۡدَہٗ لحق درغیر بالذات (نبی اکرم کی ذات میں خدا کا ظہور ذاتی رنگ رکھتا ہے باقی مخلوق میں صفاتی رنگ ہے) جس میں خداوندِ کریم ذاتی رنگ رکھتا ہو اور وہ ذات خدا کی ذات کی مظہر ہو یعنی خدا کی ذات اس ذات میں ظاہر ہو۔ مظہر کہتے ہیں کہ خدا کی ذات اس ذات میں ظاہر ہوئی۔ ظہور کے اندر جو شے آتی ہے وہ شے ہے صورتِ مصطفیؐ۔ وہ صورت جو کہ اپنا ظہور اس ذات کو بنا رہی ہے وہی ذات اس ظہورِ پاک پر درود پڑھتی ہے۔

یعنی اللہ کی ذات نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پاک بھیجتی ہے یعنی اللہ کی ذات ازلی ہے ابدی ہے۔ وہ اپنے محبوبِ کریمؐ پر درود پاک بھیجتی ہے اور (مَلٰئِکَتَہٗ) اسکے فرشتے جب سے اس نے پیدا کئے ہیں ان کی ڈیوٹی لگا دی ہے کہ میرے نبی اکرمؐ پر درود بھیجو اور جب سے مومن پیدا کئے ہیں ان کی بھی ڈیوٹی لگا دی ہے کہ تم

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡهِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا

(اے ایمان والو! (میرے محبوبؐ پر) تم بھی صلوٰۃ بھی بھیجو اور
سلام بھی بھیجو)

صلوٰۃ اور سلام کی تاکید کی گئی ہے یعنی ایسا سلام بھیجو جیسا کہ سلام بھیجنے کا حق ہے۔
وہ ذات جس پر درود پاک بھیجا جا رہا ہے ہمارے آقا و مولا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مظہر ذات خدا ہیں۔ خدا کی ذات کا مقام اور ہے۔ وہ خالق ہے اور فرشتے اور مومن مخلوق ہیں لیکن فرشتوں کی زبان اور ہے اور مومنوں کی بولی اور ہے خداوند کریم خالق ہے اور وہ اپنے نبی اکرمؐ پر کیسے درود بھیجتا ہے جیسے ہم درود پاک پڑھتے ہیں؟

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا
مُحَمَّدٍ

یا

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ آلِہٖ وَسَلَّمْ

خدا تعالیٰ اپنے مقام و مرتبے کے مطابق اپنے نبی اکرمؐ پر اپنی رحمت بھیجتا ہے اسی لئے بزرگان دین نے کہا ہے۔

صَلوٰۃُ مِّنَ اللّٰہِ ھُوَالرَّحْمَۃَ

اللہ کی صلوٰۃ خدا کی رحمت ہے، اپنے محبوبِ کریمؐ پر رحمت برسا رہا ہے اور خدا کی صلوٰۃ دائمی ہے وہ ذاتؐ جس پر دائمی رحمت برس رہی ہے وہ ذات بھی مجسمۂ رحمت ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ (الانبیاء، آیت ۱۰۷)

(اے محبوب ہم نے آپ کو تمام عالمین کے لئے رحمت بنا کر
بھیجا)

یعنی میں اٹھارہ ہزار عالم کا رب ہوں اور اے محبوب آپؐ ان عالمین کے لئے رحمت ہیں۔ معلوم ہوا کہ خداوند کریم کا جو جلوہ کائنات کے اندر موجود ہے اور جس ذرے کے اندر خداوند کریم کی توحید کا مقام موجود ہے جس بھی ذرّے کی ربوبیّت خدا کر رہا ہے اسی ذرّے کی حضورؐ رحمت بن کر آئے ہیں۔ جہاں رحمت نہ ہو، جہاں رحیم نہ ہو وہاں کچھ ہل بھی نہیں سکتا اسی واسطے نبی اکرم کی ذات سب جہانوں کے لئے رحمت ہے مجسمۂ رحمت اسی واسطے رحمت ہیں کہ خود خدا ان پر رحمت برسا رہا ہے فرشتوں کی صلوٰۃ بزرگان دین لکھتے ہیں:

اَلصَّلوٰۃُ مِنَ الْمَلٰئِکَۃِ ھُوَ اَسْتَغْفَارُ

(فرشتوں کی صلوٰۃ استغفار ہے)

فرشتے معصوم ہیں، پاک ہیں، نوری مخلوق ہیں وہ تو گناہ کرتے ہی نہیں پھر وہ استغفار کیوں کرتے ہیں؟ بعض لوگ نبیوںؑ کو بھی معصوم نہیں مانتے مثلاً کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود استغفار کرتے تھے اگر گنہگار نہیں تھے تو استغفار کیوں پڑھتے تھے؟ کیونکہ استغفار پڑھنا تو گناہ گار کا کام ہے اگر استغفار پڑھتے تھے تو گویا خود گناہ گار تھے یہ لوگ تو نبیوںؑ کو بھی معصوم نہیں مانتے۔

بہرحال فرشتے معصوم اور بے گناہ ہیں اگر بے گناہ ہیں تو استغفار کیوں پڑھتے ہیں فرشتوں کا استغفار پڑھنا اللہ کے دربار میں اور خصوصاً نبی اکرمؐ کے دربار میں ہر اس مومن کے گناہوں کی صفائی کا باعث ہوتا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھتا ہو، درود پاک خدا کے دربار میں جاتا ہے ہر عبادت، نماز، روزہ خداوندِ کریم کے دربار میں پہنچتی ہے لیکن درود پاک نبی پاکؐ کے دربار میں بھی پیش ہوتا ہے درود پاک کو ہم تو عبادت ہی کہیں گے کیونکہ حکمِ خدا ہے یہ نبی پاکؐ کے دربار میں پیش ہوتا ہے اگر ہم خدا کو کہیں گے تو اسی طرح کہیں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ اے خدا تو ہمارا یہ درود محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچادے وعَلٰی آلِ محمدٍ اور آل رسول تک پہنچادے ہماری طرف سے کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ جس طرح کہ تم نے آلِ ابراہیم پر صلوٰۃ بھیجی ہے۔ بعض ہمارے دوست کہتے ہیں کہ صرف درود ابراہیمی ہی پڑھنا چاہیے۔ لہٰذا میں اس بارے میں کہتا ہوں کہ درود ابراہیمی صرف نماز کی حالت میں پڑھا جاتا ہے۔ یعنی صحابہ کرامؓ تشریف فرما تھے اور ابوبکر صدیقؓ بھی تشریف فرما تھے کہ جبرائیلِ امین علیہ السلام یہ آیت نازل کر کے چلے گئے۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نبی کریمؐ سے عرض کیا یارسول اللہ اب تک اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی احکام نازل کئے ہیں ان میں ہمیں آپ کے ساتھ شریک کیا ہے لیکن اس حکم میں ہمیں رسولؐ سے جدا کر دیا ہے عَلَی النَّبِیِّ کا لفظ آیا ہے کہ خدا نبی اکرمؐ پر درود بھیجتا ہے اور فرشتے بھی نبی اکرمؐ پر درود بھیجتے ہیں پتا نہیں ہم سے کیا غلطی ہوئی ہے کہ اللہ ہم سے ناراض ہو گیا ہے۔ پھر جبرائیل امین علیہ السلام دوبارہ وحی لے کر آئے وہ آیت جو کہ اس آیت سے تھوڑی دور نازل ہوئی:

ھُوَالَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ (الاحزاب، آیت ۴۳)

اللہ کی ذات وہ ہے جواے میرے محبوب آپ کے صحابہؓ پر بھی درود پڑھتی ہے اور فرشتے بھی ان پر درود پڑھتے ہیں یہ حکم نافذ نہ ہوتا تو پھر اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ نہ پڑھا جاتا صرف اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ہی پڑھا جاتا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی اکرم پر آپؐ کے صحابہ کرام اور آپ کے ماننے والوں پر بھی درود پڑھتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں ''کہ ہم ایک دن حضور کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آ گیا اس نے آ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا یا رسول اللہ ہم سلام کو بڑی اچھی طرح سے پہچانتے ہیں نمازوں کے اندر ہم کس طرح صلوٰۃ پڑھیں:

كَيۡفَ يُصَلِّيۡنَ فِيۡ صَلَاتِنَا

نماز کا لفظ معلوم ہے اور جو صحابی نے کہا تھا کہ ہم سلام کو اچھی طرح پہچانتے ہیں وہ سلام التحیات ہے جو ہم پڑھتے ہیں۔ اَلسَّلَامُ عَلَيۡكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحۡمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ یہ سلام وہ ہے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تو نبی اکرمؐ نے جا کر اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالطَّيِّبَاتُ پیش کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَيۡكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحۡمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اور حضورؐ نے اس سلام کو اپنے لئے قبول کرتے ہوئے فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَيۡنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيۡنَ یا مولا ہم آپ کا سلام قبول کرتے ہیں اور اس سلام کو اپنی امت کے تمام لوگوں کے لئے بھی قبول کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے صرف حضور کو سلام پیش کیا لیکن حضورؐ نے اپنی امت کے نیک لوگوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا۔

اب اس شخص نے مسئلہ پوچھا، سلام کو تو ہم اچھی طرح سے پہچانتے تھے لیکن نمازوں میں صلوٰۃ کیسے پڑھیں؟ راوی لکھتے ہیں کہ یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑی دیر بعد تک خاموش رہے کہ ہم پریشان ہو گئے کہ یہ شخص کیوں آیا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بڑی خوشی سے گفتگو فرما رہے تھے بڑی دیر کے بعد آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا جاؤ اگر تم نے نماز میں درود پاک پڑھنا ہے تو ایسے پڑھ لو۔ (درود ابراہیمؑ)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا
صَلَّيۡتَ عَلٰى اِبۡرَاهِيۡمَ وَعَلٰى آلِ اِبۡرَاهِيۡمَ اِنَّكَ
حَمِيۡدٌ مَّجِيۡدٌ

لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جو حکم فرمایا اس میں صلوٰۃ کے ساتھ سلام کا بھی حکم فرمایا، اس میں دو حکم موجود ہیں۔ صلوٰۃ اور سلام۔ لیکن درود ابراہیمی میں صلوٰۃ کا لفظ موجود ہے لیکن

سلام کا لفظ نہیں ہے اور جو صحابی نے کہا کہ سلام کو تو پہچانتے ہیں یعنی التحیات اور درود ابراہیمی نماز میں پڑھیں گے واجبات نماز کے اندر اگر درود ابراہیمی کے علاوہ کوئی اور درود پڑھیں گے تو نماز نہیں ہوگی کیونکہ حضورؐ نے اپنی زبان سے فرمایا ہے۔ لیکن نماز کے علاوہ ہر وہ درود پڑھنا جائز ہے جس میں صلوٰۃ اور سلام کے الفاظ ہوں جیسے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ
وَاَصْحَابِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

(یا) درودِ خضری

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَسَلَّمْ

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ شرح ''۸۰ درود پاک'' میں لکھتے ہیں۔ تبلیغی جماعت نے کتاب چھاپی ہے۔ اس کے اندر انہوں نے ۱۴۰۰ درود پاک لکھے ہیں۔ بہر حال ۱۴۰۰ درود پاک پڑھنا جائز ہے کیونکہ ان میں صلوٰۃ وسلام کے الفاظ آتے ہیں۔ اس کے اندر انہوں نے درود خضری بھی لکھا ہے اور اس کی بنیاد بھی لکھی ہے کہ درود خضری کہاں سے شروع ہوا۔ اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانِ اطہر سے درودِ خضری ارشاد ہوا اور صحابہ کرامؓ یہ درود پاک پڑھتے تھے انہوں نے اس کی تحقیق بھی پیش کی ہے میں نے یہ کتاب پڑھی نہیں سنی ہے میں انشاء اللہ کسی وقت وہ کتاب منگوا کر اس کی سند دیکھوں گا بہر حال جس میں صلوٰۃ وسلام کے الفاظ آجائیں وہ درود پاک پڑھنا جائز ہے جس میں صلوٰۃ کا لفظ ہی آئے وہ نماز کے باہر پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

اب دوسری چیز یہ کہ درود پاک پڑھنے کی صورتیں کیا ہیں دو صورتیں ہیں:

(۱) ہم خدا سے کہتے ہیں کہ اے اللہ تو ہماری طرف سے درود بھیج

(۲) خدا ہم سے کہتا ہے تم درود بھیجو حضورؐ پر

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اے ایمان والو تم نبی اکرمؐ پر درود اور سلام بھیجو! خدا ہمیں حکم دیتا ہے اگر ہم اس کا حکم اسی طرح مان لیں جس طرح وہ ہمیں حکم دیتا ہے یعنی براہِ راست درود بھیجو۔ صَلُّوْا ضرور بھیجو ہم کہتے ہیں یا مولا ٹھیک اَلصَّلٰوۃُ اللہ کہتا ہے علیہ ہم کہتے ہیں عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ حکم دیتا ہے سَلِّمُوْا ہم کہتے ہیں وَالسَّلَامُ درود پاک بن گیا۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ میرے رب نے نبی اکرمؐ کو فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ

وَبَرَکَاتُہٗ یا اور آپ ایک ہی لفظ ہوتے ہیں کیونکہ ہم نے براہِ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنا ہے۔ ایک چیز ہم نے تحفے کے طور پر دینی ہے اس کا فائدہ ہمیں ہی ہے۔ یہ ہے وہ درود پاک اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ جو خدا کا براہِ راست والا حکم مان کر ہم پڑھتے ہیں۔ براہِ راست نہ بھیجیں تو ہم خدا کو کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ مولا پہنچا دیں اپنے نبیؐ پر درود ہماری طرف سے اگر ہمارا عقیدہ یہ بھی نہ ہو تو ہم تو فضول بیٹھے ہیں کہ حضور ہماری آواز سنتے ہیں کہ نہیں سنتے ہمارا درود کیسے پہنچے گا اس واسطے فرشتے مقرر کیے گئے۔ فرشتے جو نبی پاک کے دربار میں استغفار کے لئے جاتے ہیں یہ ان کی ڈیوٹی ہے۔ درود پاک جس رنگ میں بھی پڑھو گے اسی رنگ میں فرشتے بارگاہ نبوت میں پیش کریں گے اگر۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَسَلَّمُ

تو فرشتے اسی انداز میں پہنچا دیں گے حدیث پاک ہے ''جو بندہ میری قبر کے نزدیک درود پڑھے گا میں اس کو اپنے کانوں سے سن لوں گا جو بندہ دور سے پڑھے گا وہ مجھے فرشتے پہنچا دیں گے۔''

مثال کے طور پر ایک کمرہ ہو اس میں کوئی کھڑکی یا روشن دان نہ ہو۔ ایک شخص اس کمرے میں بند ہو آپ اس کی چھت پر چڑھ کر آواز دیں کیا وہ آواز اس کے کمرے میں جا سکے گی؟ یقیناً وہ آدمی نہیں سن سکے گا۔ اور جو بندہ فوت ہو جاتا ہے اس کی قبر پر منوں مٹی ڈال دیتے ہیں کوئی سوراخ نہیں چھوڑتے اگر اس کی قبر پر کھڑے ہو کر اس کو آواز دیں وہ ہماری آواز کو سن لے گا؟ اگر قبر والا زندہ بھی ہو تو ہماری آواز نہیں سن سکے گا اور جس کو کہتے ہیں فوت ہو گیا ہے مرا ہوا ہے۔

اب میں حضور کا ارشاد سُناتا ہوں حدیث مبارکہ مشکوٰۃ شریف حضور نے فرمایا ''جس وقت بندہ مرتا ہے جنازہ کرنے کے بعد اس کو دفن کے لئے لے جاتے ہیں دفن کے بعد اس کے لئے دعا کر کے واپس آتے ہیں قبر والا ان کے پاؤں کی آواز سنتا ہے جب وہ دور چلے جاتے ہیں تو وہ محسوس کرتا ہے کہ میں اکیلا رہ گیا ہوں پھر وہ خوف محسوس کرنے لگتا ہے پھر ڈرتے ڈرتے اس کو وحشت آتی ہے اس کو لگتا ہے کہ میں سمندر میں ڈوبنے لگا ہوں اس کے بعد جب کبھی اس کا رشتہ دار آ کر دعا کرتا ہے تو وہ دعا جا کر اس کے وجود سے لپٹ جاتی ہے پھر وہ دعا اس کے لئے جو کی جاتی ہے وہ اس کے وجود کو سمندر میں ڈوبنے سے بچا لیتی ہے۔ نبی پاکؐ نے ارشاد فرمایا وہ دعا جو اس کے وجود سے لپٹ کر اس کو سمندر میں گرنے سے بچا لیتی ہے وہ سب سے پیاری ہوتی ہے اور جتنی دعائیں مردے کیلئے مانگو گے وہ اس کے لئے فائدہ مند ہیں۔''

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جنازے کے بعد دعا نہیں مانگنی چاہیے اور نہ ہی گھر آ کر دعا مانگنی چاہیے حدیث مبارکہ ہے۔

''جس وقت تم میّت کا جنازہ پڑھ لو اس وقت اس میت کے لئے خاص کر کے دعا مانگو''
کیونکہ جس وقت تم جنازے کی دعا پڑھتے ہو یہ دعا تو تم اپنے کے لئے مانگتے ہو جس کا کوئی رشتہ دار ہو تو اس کو تو فائدہ ہوا؟ اس لئے نبی پاکؐ نے ارشاد فرمایا کہ نماز جنازہ کے بعد خاص کر اس میت کیلئے دعا مانگو۔ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے۔ اہلسنت والجماعت نماز جنازہ کے بعد دعا مانگتے ہیں۔ نماز جنازہ فرض ہے اور فرض نماز کے بعد دعا مانگنی واجب ہے۔ حدیث مبارکہ ''دعا بھی عبادت ہے'' حدیث مبارکہ ''دعا عبادت کا مغز ہے'' اس کے بعد کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تم نماز جنازہ کے بعد دعا مانگتے ہو گھر آ کر پھوڑیاں ڈال کر دعا مانگنا شروع کر دیتے ہو اس کا ثبوت؟ یہ حدیث مبارکہ ہے کہ۔

''حضرت ابی عامرؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ میدان جنگ میں تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کسی کام سے گئے کہ ایک کافر نے آ کر حضرت ابی عامرؓ کو زخمی کر دیا۔ کافر ان کو زخمی کر کے آگے چل پڑا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے واپس آ کر اپنے چچا کو دیکھا کہ وہ لہولہان ہیں پوچھا کہ چچا تمہیں کیا ہوا ہے انہوں نے ارشاد فرمایا کہ وہ کافر مار کر گیا ہے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اس کافر کے پیچھے گئے اور اس کو للکارا کہ اگر مرد ہو تو سامنے آ کر مقابلہ کرو۔ وہ سامنے آیا حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اس کے ساتھ مقابلہ کر کے اس کو مار دیا۔ واپس آئے تو اپنے چچا حضرت ابی عامر کو دیکھا کہ وہ کافی کمزور ہو گئے تھے وقت اخیر آ گیا۔ آپؓ نے اپنے چچا سے پوچھا آپ کوئی وصیت فرمایئے اپنے بچوں یا گھر والوں کے لئے۔ فرمایا میری کوئی وصیت نہیں سوائے اس کے کہ جب تم مدینہ جاؤ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنا کہ حضور! ابی عامرؓ کیلئے دعا فرمائیں۔ حضرت ابی عامر شہید ہو گئے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ ان کا جنازہ کرتے ہیں ان کو دفن کرتے ہیں اور پھر واپس مدینہ پاک تشریف لاتے ہیں تو نبی اکرمؐ اپنے صحابہ کرامؓ میں تشریف فرما ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے عرض کی یا رسول اللہؐ میرے چچا ابی عامر کی وصیت تھی کہ حضورؐ ان کے لئے دعا فرمائیں۔ نبی اکرمؐ نے وضو کیا اور پھر آپؐ نے دعا کے لئے دستِ مبارک اُٹھائے اور اتنے اٹھائے کہ آپؐ کی بغلوں کی سفیدی نظر آئی اور دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَبِیْ عَامِرٍؓ (اے اللہ ابی عامر کی مغفرت فرما) حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے عرض کی یا رسول اللہؐ میرے لئے بھی مغفرت کی دعا فرمائیں۔ نبی پاکؐ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کے لئے بھی دعا فرمائی اور دست مبارک اپنے چہرہ

مبارک پر پھیر لئے۔

ثابت ہوا ابی عامرؓ کے جنازہ و دفن کے بعد حضورؐ نے ان کے لئے دعا فرمائی۔ مرنے والے کے لئے دعا اس لئے کی جاتی ہے کہ مرنے والے کے گناہ، کوئی کمی کمزوری ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیں اور مرنے والے کو فائدہ ہو۔

اگر ایک عام مردہ اپنے لواحقین کی آواز سن سکتا ہے جب کہ وہ اس کو دفن کرنے کے بعد واپس جاتے ہیں تو جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں جو اپنے بچپن کے اندر خدا کے قلم چلنے کی آواز سنتے تھے حضور فرماتے ہیں۔

''جب اللہ تعالیٰ نے تقدیر کے قلم کو لکھنے کا حکم فرمایا میں اس قلم کے چلنے کی آواز کو سنتا تھا۔''

اب کیا وہ ہمارے درود کی آواز نہیں سن سکتے؟ نبی اکرمؐ چالیس دن کے بچے تھے۔ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ آپؐ کے پاس بھتیجا سمجھ کر گئے آپؐ نے سرخ رنگدار قمیض پہنی ہوئی تھی۔ چودھویں کا چاند چمک رہا تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انگلی اٹھائی ہوئی تھی۔ آپؐ نے انگلی آگے کی تو چاند آگے کی طرف جھک گیا۔ انگلی پیچھے کی طرف کی تو چاند پیچھے کی طرف جھک گیا اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بائیں طرف انگلی کی تو چاند بائیں طرف ہو گیا اور جب نبی پاکؐ نے دستِ مبارک نیچے کیا تو چاند نیچے ہو گیا۔

یعنی آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ نے دیکھا کہ چالیس دن کی عمر مبارک میں آپؐ چاند سے کھیل رہے ہیں اور چاند آپؐ سے کھیل رہا ہے دل میں اسی وقت ایمان لے آئے لیکن جب حضورؐ نے دعوت ایمان دی تو حضرت عباس تشریف لائے اور عرض کی کہ حضورؐ میں ایمان لانے کیلئے آیا ہوں فرمایا چچا کلمہ پڑھ لیں انشاء اللہ آپ کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

عرض کی یا رسول اللہؐ میں آپؐ پر ایمان تو بڑی دیر پہلے کا رکھتا ہوں۔ آپؐ نے پوچھا چچا مجھ پر ایمان کب سے رکھتے ہیں؟ عرض کی یا رسول اللہؐ جب کہ آپؐ چالیس دن کے تھے تو میں نے آپ کو چاند سے کھیلتے دیکھا۔ فرمایا چچا آپ نے یہ تو دیکھ لیا کہ چاند میری انگلی کے اشارے پر حرکت کرتا تھا لیکن میں آپ کو ایک بات بتاتا ہوں جو کہ آپ کے علم سے باہر ہے وہ یہ کہ جب میں رونے لگتا تھا تو چاند مجھے چپ کراتا تھا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ چاند اور سورج آپؐ کے کھلونے تھے اور یہ کھلونے بھی بے مثل تھے جیسے حضور کی ذات بے مثل ہے کائنات میں۔ اور فرمایا نبی اکرمؐ نے میں چاند کی پیشانی کی آواز

بھی سنتا ہوں جب وہ اپنی پیشانی اللہ کے دربار میں سجدہ کے لئے رکھتا ہے۔

تو کیا آج وہ ہمارے درود کی آواز نہیں سن سکتے؟ جبکہ آپؐ کی عمر مبارک ظاہری وجودی چودہ سو سال سے اوپر ہو گئی ہے تب تو چالیس دن کے بچے تھے۔ صورت یہ ہے کہ نبی پاکؐ نے فرمایا، میں ان لوگوں کا درود پاک اپنے کانوں سے سنتا ہوں جو محبت والے لوگ ہیں دوسروں کا نہیں سنتا اور اصول بھی یہی ہے جو آپؐ نے فرمایا کہ جو میری قبر کے نزدیک درود پاک پڑھے گا میں اپنے کانوں سے سُن لوں گا۔ یہ نہیں فرمایا کتنی آواز سے۔ کوئی حد مقرر نہیں فرمائی۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰینَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلَّمْ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشِ اللّٰهِ تَعَالٰى

اللہ تعالیٰ خود عرش نہیں ہے، عرشِ عظیم جلوہ گاہِ تجلّیات ہے، عرش ایک مقام ہے اور اللہ تعالیٰ ہر مقام سے ماوراء ہے قبلۂ عالم حضرت خواجہ محمد کریم اللہ رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔

الف۔ الٰہی پاک منزّہ ہے، بے مثل مثالوں، وہم خیالوں
صرفی نحوی پڑھ پڑھ بھُلّے صیغے ماضی، حالوں استقبالوں
عالم فاضل مفتی مُلّاں آکھن دید محالوں، خوف جلالوں
عاشق وانگ پتنگاں جلدے اوپر شمع جمالوں، عین وصالوں

(بے شک اللہ تعالیٰ ہر کمزوری، مقام وقید، بھول چوک، ظلم وناانصافی، جسمانیت وحدود سے پاک ومنزّہ ہے کوئی ایسی مثل نہیں جس سے اس کی مثال دی جاسکے اور نہ ہی وہم وخیال وقیاس، عقل وفکر وتخیل وتصورا سے پا سکتے ہیں۔ صرفی نحوی لوگ، ماضی، حال اور مستقبل کے قواعدی صیغے پڑھ پڑھ کر بھولتے رہے اور مفتی ومُلّا یہ شور مچاتے رہے کہ لقائے حق محال ہے حالانکہ یہ نفس پرست، کمزور دل، ناآشنائے زہد وتقویٰ بزدل لوگ تھے (یہ نہ جانے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا ہی اپنے قرب ودیدار کیلئے کیا ہے) خدائے ذوالجلال کے عاشقوں کو دیکھو وہ جمالِ ایزدی پر اس طرح نثار ہو کر صاحبِ وصال ہوئے جس طرح شمع کے شعلے پر پروانے قربان ہوتے ہیں)

اللہ تعالیٰ کی ذات انسان کے علم وادراک سے ماوراء اور عقل واحساس وہوش وحواس سے بلند وبالا ہے لیکن اس نے اپنا (مرحلہ وار) اظہار ضرور فرمایا ہے، جب خداوندِ کریم نے اپنا اظہار کرنا چاہا جیسا کہ وہ خود (حدیث قدسی میں) فرماتا ہے۔

كُنتُ كَنزاً مَخفِياً فَاَحبَبتُ اَنْ اُعرِفَ فَخَلَقتُ الْخَلقَ

(میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، مجھے محبت ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں
اس لئے میں نے مخلوق کو پیدا کیا)

اللہ تعالیٰ کی جانب سے مخلوقات کو پیدا کئے جانے کا صرف یہی مقصد ہے کہ وہ اپنا اظہار کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا اظہار (مرحلہ وار) اس رنگ میں کیا ہے کہ تمام موجودات اور پھر یہ کائنات اُس کا مظہر ہونے کے باوجود محض اسکی تخلیق ہے جس میں اسکی ذات (بطورِ تعینِ خودی) موجود ہے ہر ایک چیز میں، سو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اپنی امانت زمینوں اور آسمانوں کو پیش کی لیکن سب نے انکار کر دیا، یہ امانت کس نے اُٹھائی صرف انسان ہے جس نے اِس امانت کو اُٹھایا، یہ ظلومٌ جہولاً ہے۔ سو صورت یہ ہے کہ یہ امانت خداوندِ کریم کے ظہور کا رنگ ہے (آزاد ارادہ، تقدیر سازی) جو صرف انسان میں موجود ہے اور کسی میں موجود نہیں ہے۔ اسی لئے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ ''یا اللہ! تم کہاں رہتے ہو؟'' تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا ''میں مومن کے دل میں رہتا ہوں'' سو مومن کا دل عرشِ الٰہی ہے اس کے لئے اصول بیان کیا گیا کہ:

قُلُوبُ الْمُؤمِنِينَ عَرشُ اللّٰهِ تَعَالٰى
(مومنین کے قلوب اللہ تعالیٰ کے عرش ہیں)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا (باعتبار جلوہ گاہ)

ثُمَّ اسْتَوىٰ عَلَى الْعَرش
(پھر وہ عرش پر بلند (جلوہ نما) ہُوا)

یوں کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے چونکہ مومنین کے دل عرش ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ مومن کے دل میں رہتا ہے، انہی معنوں میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

دل بدست آور کہ حجِ اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

کعبہ بنگاہِ خلیلِ آذر است
دل گزر گاہِ دلیلِ اکبر است

فرماتے ہیں کہ دل کو اپنے ہاتھ میں لا (ضبطِ نفس اختیار کر) سب سے بڑا حج یہی ہے۔ ہزاروں کعبوں کے مقابلے میں ایک دل بہتر ہے اگر تیرے کنٹرول میں ہو کیونکہ کعبہ تو خلیل اللہ نے اینٹوں اور گارے سے بنایا ہے لیکن دل کو حق تعالیٰ نے اپنی گزر گاہ بنایا ہے۔ اپنے دل کو بتوں سے صاف کر لے کیونکہ یہ خدا کا گھر ہے بُت گروں کی جگہ نہیں۔

کسی زمانے میں چھوٹی چھوٹی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں، معلوم نہیں آج کل میسّر ہیں کہ نہیں (بچوں کے لیئے سوالاً جواباً ابتدائی فقہی قاعدے کچی روٹی، پکی روٹی (بزبانِ پنجابی) شائع کردہ اندرون لاہور گمٹی بازار نزد شاہ عالمی ۱۸۸۳ء تا ۱۹۳۰ء) اُن میں پوچھا جاتا تھا:

سوال: جے کوئی تیئں نوں پچھے کہ کعبے کِنّے ہَین؟ (اگر کوئی تجھ سے پوچھے کہ کعبے کتنے ہیں؟)

جواب: تے توں آکھ، پنج (۵) (تو تم جواب دو کہ پانچ ۵)

سوال: جے کوئی تیئں نوں پچھے کہ کیہڑا کیہڑا کعبہ اے؟ (اگر کوئی پوچھے کہ کون کون سا کعبہ ہے؟)

جواب: تے توں آکھ (تو تم جواب دو

۱۔ پہلا کعبہ بیتُ اللہ جہدے ول مونہہ کر کے اسیں نماز پڑھدے آں (پہلا کعبہ بیت اللہ جس رخ پر ہم منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں)

۲۔ دوجا کعبہ بیت المقدس جیہڑا پہلے نبیاںؑ دا کعبہ سی (دوسرا کعبہ بیت المقدس جو پہلے انبیاء کا کعبہ تھا)

۳۔ تیجا کعبہ، بیت المعمور جیہڑا چوتھے اسمان تے فرشتیاں دا کعبہ اے (تیسرا کعبہ بیت المعمور چوتھے آسمان پر فرشتوں کا کعبہ ہے)

۴۔ چوتھا کعبہ عرش جیہڑا ستویں اسمان تے ہے (چوتھا کعبہ عرش جو ساتویں آسمان پر ہے)

۵۔ پنجواں کعبہ دل مومن دا (پانچواں کعبہ مومن کا دل ہے)

الغرض کُل پانچ کعبے ہیں، فرمایا (صوفیائے عظام نے) کہ اگر مومن کے دل کا کعبہ صحیح ہے (یعنی نفسانی بتوں سے پاک ہے) تو تمام کعبے صحیح ہیں ورنہ تمام ٹیڑھے ہیں۔ ماننا خدا کو بھی دل سے ہوتا ہے۔ اگر انسان دل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نہ مانے تو اس نے خدا کو بھی نہیں مانا، اگر دل سے نہ مانے تو اپنے باپ کا بھی منکر ہے کیونکہ اگر

دل کا کعبہ ہی ٹیڑھا ہے تو میاں! تمام کعبے ٹیڑھے ہیں، سیدھا ایک بھی نہیں۔ اگر دل کا کعبہ سیدھا ہو گیا تو تمام کعبے اس کے ماتحت ہیں۔

(محفل میں حضرت امیر العصرؒ سے کسی نے سوال پوچھا)

سوال: اس (کعبۂ دل) میں بُت کون سے ہیں؟

جواب: آپ کی خواہشات، نفسانی خواہشات سے (کعبۂ دل کو) صاف کیجئے سمجھے آپ؟ اور دل کو (ماسواء اللہ) کی اغراض سے پاکیزہ بناؤ۔ اس میں صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت ہونی چاہیے یا اولیاء اللہ کی محبت ہونی چاہیے بس اور کوئی چیز نہیں ہونی چاہیے۔

وَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیرِ خَلقِہٖ سَیِّدِنَا وَمَولٰینَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّم وَالحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فرائض کی تلقین اور رزقِ حلال کی تاثیر

ہر وہ شخص جو شجرۂ طریقت پڑھتا ہے اُسے روحانی فیض حاصل ہوتا ہے، قلبی تعلق قائم ہوجاتا ہے اس لئے اس سلسلہ (قرأتِ شجرۂ طیبہ) کو قائم رکھنا بہت ضروری ہے جس طرح دوسرے وظائف ضروری ہیں اسی طرح شجرۂ طریقت بھی بڑا ضروری ہے۔ بہتر تو یہ ہے کہ اسے زبانی یاد کیا جائے لیکن اگر کوئی شخص زبانی یاد نہیں کرسکتا تو وہ دیکھ کر پڑھ لے اور اگر پڑھ بھی نہیں سکتا تو کسی پڑھنے والے سے سُن لے، کسی سے کہے کہ پڑھ اور خود آرام سے بیٹھ کر سُن لے۔ سُننے والے کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا جس قدر پڑھنے والے کو ملے گا۔ ''شجرہ طیبہ'' میں اپنا مسلک بیان کیا گیا ہے جب آپ پڑھیں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ ہمارا جو مسلک ہے اس سے متعلق تمام چیزیں اس میں لکھ دی گئی ہیں۔

جس طرح جسمانی بیماریاں ہوتی ہیں اس طرح انسان کو قلبی اور نفسی بیماریاں بھی لاحق ہوتی ہیں۔ جسمانی بیماریوں کے علاج کے لئے حکیم کے پاس جانا پڑتا ہے۔ حکیم بھی اچھا تلاش کرنا چاہیے، لائق حکیم ہمارے جسم کا علاج کامیابی سے کرتا ہے اسی طرح دل، نفس اور روح کی بیماریوں کا علاج کرنے والے الگ ہیں۔ وہ روحانی معالج جو حکمائے خداوندی میں سے ہے روحانی دوا دیتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح جسمانی معالج انسان کی بیماری کی تشخیص کرنے کے بعد نسخہ لکھتا ہے بعد ازاں پرہیز بھی بتاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ خوراک بھی تجویز کرتا ہے کہ کیسی کھانی چاہیے۔ اگر مریض اپنے معالج کے کہنے کے مطابق عمل کرلے تو اللہ تعالیٰ شفا عطا فرما دیتا ہے اور اگر اس کے

امر کے ماتحت یعنی حکیم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق علاج نہ کرے اور اگر علاج کرے اور پرہیز نہ کرے اور ویسی خوراک نہ کھائے جو تجویز کی گئی ہے تو پھر علاج مکمل طور پر فائدہ نہیں پہنچاتا

ہمارے بزرگانِ دین نے دل، روح اور نفس کی بیماریوں سے شفائے کاملہ حاصل کرنے کیلئے وہ نسخے تجویز کئے ہیں جو قرآن اور حدیث میں پائے جاتے ہیں یا سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کی سنت میں پائے جاتے ہیں اور اسی کے مطابق خوراک اور پرہیز تجویز کیا گیا ہے۔ جنہوں نے (شجرۂ طیبہ) نہیں پڑھا، ان کے لئے میں مختصر عرض کرتا ہوں کہ پنجگانہ نمازِ فریضہ ادا کرنی چاہیے ہر ایک شخص کو، اگر نمازِ تہجّد پڑھ سکتا ہو تو ادا کرے۔ اگر نمازِ تہجّد نہیں پڑھ سکتا تو کم از کم نمازِ فرض ضرور ادا کرے۔ روزوں کا مہینہ (رمضان) ہو تو روزے ضرور رکھے۔ اگر نفلی روزے رکھ سکتا ہے تو اسے اختیار ہے۔ اگر خداوند کریم نے مال عطا کیا ہے تو ہر سال کے بعد زکوٰۃ ادا کرے اور اگر طاقت ہے مالی یا جانی اور ضروریاتِ زندگی سے فارغ ہے تو ایسے شخص پر حج فرض کیا گیا ہے۔

حلال رزق کھائے کیونکہ رزقِ حلال انسان میں نور پیدا کرتا ہے اور حرام رزق انسان کے نور کو ضائع کرتا ہے۔ انسان جو چیز بھی کھاتا ہے اس سے خون بنتا ہے، خون سے نطفہ بنتا ہے، نطفے سے اولاد بنتی ہے۔ رزقِ حرام کھانے کے علاوہ کوئی ایسا گناہ نہیں جو اولاد میں سرایت کرتا ہو، دیگر گناہ ایسے ہیں جن کی سزا صرف گناہ کرنے والے کو ملتی ہے لیکن رزقِ حرام کھانا ایک ایسا گناہ ہے جس کی سزا اولاد کو بھگتنی پڑے گی۔

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے ہم ماننے والے ہیں اور مقلّد ہیں ان کا ایک مختصر واقعہ عرض کرنا چاہوں گا کہ جب آپؒ سال ڈیڑھ سال کے بچے تھے، سال ڈیڑھ سال کا بچہ زبان سمجھ لیتا ہے اگرچہ منہ سے نہ بول سکے۔ آپؒ کے والد ماجد حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے وقت کے قاضی تھے لیکن آپ اپنی گزر بسر قرآن شریف کی کتابت کے ذریعے کرتے تھے۔ بنو عباسیہ کی حکومت تھی۔ آپ قرآن شریف کی کتابت کر رہے تھے۔ قریب ہی حضرت امام ابو حنیفہؒ کی والدہ کپڑے سی رہی تھیں۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ، قلم کو دوات میں ڈال کر روشنائی سے نم کرنا چاہتے تھے کہ اچانک قلم ہاتھ سے پھسل کر فرش پر جا گرا۔ آپؒ کے دل میں خیال آیا کہ میں خود اُٹھ کر قلم پکڑ لوں پھر یہ خیال کر کے کہ کاغذ رکھوں گا اور پکڑوں گا، اُٹھنا پڑے گا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اس وقت گھٹنوں کے بل چلتے تھے، جناب ثابتؒ نے بیٹے کو آواز دی:

یَا نُعمَانُ خُذ هٰذَا الْقَلَمَ

(اے نعمان یہ قلم پکڑ)

حضرت امام صاحب کا اصل نام نعمان تھا، نعمان بن ثابت۔ آپ گھٹنوں کے بل چل کر قلم کے قریب گئے، قلم پکڑا، ایک نظر والدِ محترم کی طرف دیکھا اور پھر اپنی والدہؒ کی طرف دیکھا اور قلم چھوڑ دی بجائے اس کے کہ والد کو دیتے۔ جب باپ نے دیکھا کہ بچے نے میرا حکم نہیں مانا تو اپنی بیوی سے فرمایا مجھ سے کوئی گناہ ہوا ہے یا تجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔ دونوں میاں بیوی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ دو دن اور دو راتوں تک یہی سوچتے رہے کہ آخر کیا گناہ ہوا ہے؟ کھانا پینا تک بھول گئے، بالآخر تیسرے روز علی الصبح بیوی نے اپنے شوہر سے کہا کہ حضور گناہ مجھ سے ہوا ہے، مجھ سے ایک بڑی خطا سرزد ہوئی ہے۔ پوچھا کہ کونسی خطا سرزد ہوئی ہے؟ فرمانے لگیں کہ جس دن یہ واقعہ پیش آیا ہے (کہ بچے نے حکم عدولی کی ہے) اسی دن مذکورہ واقعہ سے قبل گلی میں ایک کھٹے بیچنے والا آیا تھا اور میں سلائی کر رہی تھی، مجھے کھٹا کھانے کی خواہش ہوئی میں نے نوکرانی کو بھیجا کہ کھٹا لے آ اور قیمت پوچھتی آنا۔ وہ کھٹا لے آئی، میں نے کاٹ کر ذرا سا چکھا تو وہ خراب نکلا، میں نے تھوک دیا لیکن ذائقہ تو چکھ لیا تھا، میں نے اس واقعے کو معمولی سمجھا اور نوکرانی کے ہاتھ کھٹا کٹا ہوا واپس کر دیا اور کھٹے بیچنے والا چلا گیا اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا، اگر اعتراض کرتا تو میں قیمت ادا کر دیتی بس یہی غلطی ہوئی ہے کہ بے قیمت پھل چکھ لیا تھا۔ حضرت ثابتؒ بازار میں جا نکلے اور پھل فروشوں سے اس شخص کا پتا پوچھتے رہے چنانچہ بڑی تگ و دو کے بعد اس شخص سے ملنے میں کامیاب ہو گئے، اس کو ایک عدد کھٹے کی قیمت قبول کرنے پر مجبور کر دیا اور قیمت دے کر گھر واپس آ گئے اور جس طرح پہلے بیٹھے تھے کاغذ قلم سنبھال کر بیٹھے اور قلم زمین پر رکھ کر بچے کو آواز دی، وہ آیا تو پھر وہی جملہ دہرایا:

یَا نُعْمَانُ خُذْ هٰذَا الْقَلَمُ

(اے نعمان یہ قلم پکڑ)

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے قلم پکڑ کر والد کے سپرد کر دیا تو والدینؒ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ القصہ رزقِ حلال کے جہاں ہزاروں فائدے ہیں، سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اولاد والدین کی نافرمان نہیں ہوتی بلکہ تابعدار ہوتی ہے اور جو اولاد اپنے والدین کی تابعدار ہو اس کا انجام ہمیشہ نیک ہی ہوتا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰینَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلَّم۔

بندہ پروردگارم امتِ احمد نبی

دوستدارِ چار یارم تابعِ اولادِ علی

مذہبِ حنفیہ دارم ملتِ حضرت خلیل

خاکپائے غوثِ اعظم زیرِ سایہ ہر ولی

کتبہ: منظور احمد انور تلمیذ رشید امام الخطاطین صوفی خورشید عالم خورشید رقم رحمۃ اللہ تعالیٰ۔ لاہور پاکستان